شامِ فراق اب نہ پوچھ

عنیزہ سیّد

شام فراق اب نہ پوچھ

"مجھے افسوس ہے آنی، میں مائرہ سے شادی نہیں کر سکتا۔" رفیعہ نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اپنے دماغ میں شاید ساتویں مرتبہ وہ بات دُہرائی تھی جو کچھ دیر پہلے ہمایوں نے ان سے کہی تھی۔ ان کا ذہن یقیناً اس وقت حال میں موجود نہیں تھا اگرچہ ان کی نظریں ابھی بھی سامنے بیٹھے ہمایوں کو دیکھ رہی تھیں جو اسٹرابری شیخ کے گھونٹ بھرتا خاصا بے نیاز سا نظر آ رہا تھا۔

"کہاں، کیا غلط ہوا......؟" رفیعہ نے سوچا "کیا کہیں کوئی کمی رہ گئی تھی، کہیں کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، کہیں کچھ خلاء رہ گیا تھا جو یوں ہمایوں نے صاف انکار بڑے اطمینان کے ساتھ کر دیا۔"

پھر انہوں نے سوچنے کا سلسلہ مؤقف کرتے ہوئے حال میں واپس آنے کا فیصلہ کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ اس وقت کمی، غلطی، غلط فہمی اور خلاء کا اندازہ لگانے کی کوشش احمقانہ ہو گی۔ وہ ہمایوں کے سامنے کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس سے ادھر اُدھر گفتگو شروع کر دی۔ انہیں معلوم تھا کہ ہمایوں کو اپنی ذات کے بارے میں زیادہ گفتگو کرنا پسند نہیں تھا۔ باقی دنیا کے ہر موضوع پر وہ کھل کر بات کرتا تھا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ اسی قسم کی گفتگو کرنے کے بعد وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہو گیا۔

"اچھا آنی، میں اب چلتا ہوں۔" اس نے ان کے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔ رفیعہ نے امید افزا نظروں سے ایک بار اس کی طرف دیکھا۔ شاید وہ اس صاف اور درشت بات پر ان سے معذرت کرے مگر اس کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا۔ اس نے گویا اس کو معمول کی بات ہی جانا تھا۔ ان سے رخصت ہونے کے بعد اب وہ باہر نکل چکا تھا۔ سن روم کی شیشے کی دیوار سے انہوں نے اسے گیٹ وے پر جاتے دیکھا۔ اس کی پشت ان کی جانب تھی۔ وہ ایک شاندار اور وجیہہ نوجوان تھا، اس کی اسی خوبی کی وجہ سے رفیعہ نے اس کے متعلق دوسری کسی بات کے متعلق سوچا تک نہ تھا مگر وہ......انہیں خیال آیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے آنی، میں مائرہ سے شادی نہیں کر سکتا۔" کمرے میں سوئی گرنے کی آواز سنائی

دینے والی خاموشی تھی مگر کمرے میں موجود ہر چیز رفیعہ کے کانوں میں بلند آواز سے یہی الفاظ دُہرا رہی تھی۔
''مجھے افسوس ہے آنی، میں مائرہ سے شادی نہیں کر سکتا۔'' انہیں لگا شور اتنا بڑھ گیا تھا کہ ان کے کانوں کے پردے پھٹنے لگے تھے۔



گھر میں جب بھی موسم کے لحاظ سے نئے کپڑوں کی خریداری ہوتی تھی تو اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ مختلف کاموں کے بہانے اس کمرے میں بار بار جاتی جہاں نت نئے کپڑے کھول کر دیکھے جا رہے ہوتے تھے۔ نئے ڈیزائن، نت نئے رنگ۔ کپڑے کی ساخت، دوپٹے، میچنگ ڈوریاں، فیتے، لیس، بٹن۔ وہ سب مختلف کپڑے اپنے ساتھ لگا لگا کر دیکھتیں، ہنستیں اور ان کو سلوانے کے متعلق آئیڈیاز سے ایک دوسرے کو مطلع کرتیں۔ وہ وہیں کھڑی یہ سب منظر دیکھتی رہتی، کبھی ہاتھ میں جھاڑ پونچھ کا کپڑا پکڑے، کبھی کمرے میں ادھر اُدھر رکھے برتن سمیٹتے، کبھی سب کو چائے پانی لا کر دیتے ہوئے۔ شاپنگ کرنے کے بعد کتنی تھکن ہو جاتی ہے یہ بھی وہ ان کی باتوں سے ہی جان پاتی تھی۔ دکان، دکان پھر کر، دکانداروں سے دماغ کھپا کر جوتے گھسا کر وہ گوہر نایاب ہاتھ لگتے تھے جنہیں اس سیزن میں ان کی زینت بنا ہوتا تھا۔ وہ بظاہر کاموں میں مصروف یہ ساری باتیں سنتی رہتی اور اس گفتگو کے دوران کبھی کبھار ایک مانوس سی آواز اس کے کانوں میں گونجا کرتی۔
''یہ کیا شاپنگ کرتی ہیں جو شاپنگ میں تمہیں کروایا کروں گا، دیکھنے کے قابل تو وہ ہو گی۔ دیر سے سہی یہ موقع آئے گا ضرور......''

ایک وعدہ تھا، ایک امید تھی، ایک احساس تھا کہ کیا تھا۔ یہ اس کی سمجھ میں کبھی نہیں آیا تھا مگر اسے یہ ضرور پتہ تھا کہ جب بھی یہ بات اس کے کانوں میں گونجتی اس کے جسم کا سارا خون تپ جاتا اور انتہائی تیز رفتاری سے اس کی رگوں میں بھاگنے لگتا تھا۔ اس کا دل جانتا تھا کہ یہ وہ وعدہ تھا جس کے ایفاء ہونے کا وقت شاید ہی کبھی آنا تھا۔ اس وعدے اور اس کے پورا ہونے کے درمیان وقت کی ایک طویل خلیج حائل تھی۔ یہ طے نہیں تھا کہ اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی بھی جانے والی تھی یا نہیں کہ اس کوشش کو کرنے والے کو بہت سے کام لاحق تھے اس کی زندگی میں کاموں اور ذمہ داریوں کی طویل فہرست ترجیحات کے حساب سے درج تھی جو ہمہ وقت اس کی جیب میں موجود رہتی تھی۔ ظل ہما کو اس فہرست سے کبھی کوئی پرخاش محسوس نہیں ہوتی تھی وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ زندگی کے سارے کام اس کی ترجیحات کے مطابق انجام پانے والے تھے۔ سو اس نے اپنے خوابوں کے دریچوں کو ایک عرصے سے بند کر کے ان پر قفل بھی لگا رکھے تھے۔ مگر یہ عجیب ہی سی بات تھی کہ جب بھی گھر میں موسم کی نئی شاپنگ ہو کر آتی اسے اس شاپنگ کو دیکھنا بھی اچھا لگتا تھا اور اسے دیکھتے ہوئے کہنے والے کا وہ جملہ بھی ضرور یاد آتا تھا۔



''مجھے مارکیٹنگ کی فیلڈ سے اسی روز عشق ہو گیا تھا جس روز میں نے آئی بی اے میں اپنی پہلی کلاس لی تھی اور وہ کلاس پرنسپلز آف مارکیٹنگ سے متعلق تھی۔'' رفیعہ نے ہمایوں سے اپنی پہلی ملاقات میں اسے کہتے سنا تھا۔

''تم نے یقیناً سخت محنت کی ہو گی جبھی اس چھوٹی عمر میں تم ایک بڑی ملٹی نیشنل کمپنی کے سی ای او بن گئے؟'' انہوں نے دل میں مچلتا وہ سوال اس سے کر ہی ڈالا تھا جو اس کے متعلق تفصیل سنتے ہی ان کے دل میں اٹھا تھا۔

''جس وقت میں اس فیلڈ میں آیا، اس وقت پچاس سال سے کم عمر بندے کے سی ای او کی پوسٹ پر پہنچنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے میں نے ایسا کبھی سوچا بھی نہیں تھا کیونکہ شروع شروع میں مجھے کیریئر بنانے کے لیے خاصی قربانیاں دینی پڑیں اور خاصا خوار بھی ہوا میں۔'' اس نے نرمی سے جواب دیا تھا۔

''کیسی قربانیاں......؟'' رفیعہ نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

''ادھر سے ادھر ٹرانسفر۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''ابتدائی سالوں میں میرے اتنی مرتبہ ٹرانسفر ہوئے اور ایسی ایسی جگہوں پر ہوئے جہاں جانے کی خواہش کوئی بھی نہیں کرتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں ملتان، ساہیوال، فیصل آباد اور ان کے نواحی علاقوں اور ان کی گلیوں چوباروں تک کے جغرافیے سے واقف ہوں انہی ٹرانسفرز کی بدولت مگر کیریئر کی سیڑھی پر چڑھنے کے لیے ایسی قربانیاں تو دینی ہی پڑتی ہیں۔''

''کیا تمہاری اس ترقی میں قسمت کا کوئی ہاتھ نہیں۔'' رفیعہ نے اسے یاد دلایا۔

''بہت زیادہ۔'' وہ بولا تھا۔ ''قسمت کا ہاتھ نہ ہو تو ساری محنت، ساری قربانیاں غیر اہم ہو جاتی ہیں لیکن اس کے لیے بھی صحیح وقت پر صحیح جگہ پر موجود ہونا بہت ضروری ہے۔''

''جب تمہیں سیلز اینڈ ٹریڈ مارکیٹنگ کا ہیڈ بنا کر لندن کے ہیڈ آفس میں بھیجا گیا تو تم نے کیسا محسوس کیا؟'' رفیعہ یقیناً اس کی شخصیت اور ذہن کو بہت اچھی طرح پرکھ رہی تھی۔ اس کے سوال کے جواب میں اس نے کچھ دیر خاموشی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ یقیناً وہ بھی اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ اتنی تفصیل سے اس کے کیریئر کے متعلق سوال کیوں کر رہی تھیں۔

''مجھے اچھا لگا تھا......!'' اس نے ان پر سے اپنی نظریں ہٹا کر کہا تھا۔ ''بہت اچھا لگا تھا، ہیڈ آفس میں کام کرنے کا مطلب ایک لمبی مدت کے پلان کا حصہ ہونا ہوتا ہے۔ یہ بہت اچھا تجربہ تھا اور مجھے لندن بھی بہت اچھا لگتا ہے۔ یہ دنیا کے بہترین شہروں میں سے ایک ہے۔''

''پھر دوبارہ پاکستان آنا تو تمہیں اتنا پسند نہیں آیا ہو گا۔ یہاں تو کام کی نوعیت اور حالات مختلف ہیں۔'' رفیعہ کا انداز باقاعدہ انٹرویو لینے والوں کا سا ہو گیا تھا اور اس کا احساس بھی انہیں ہو رہا تھا۔

''ملٹی نیشنل کمپنیاں انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ کے مطابق کام کرتی ہیں۔'' ہمایوں نے اس بار چونکے بغیر

سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔ ''اس لیے کام کی نوعیت ایک سی ہے مگر باہر مارکیٹ میں حالات بہت مختلف ہیں۔ سپلائرز، ایجنٹس، خریدار سب کے رویے مختلف ہیں۔ یہ سب اکثر غیر پیشہ ورانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں اور ٹیلنٹ کی بھی سخت کمی ہے۔''

''تو پھر تمہیں ہینڈل کرنے میں بہت مشکل پیش آتی ہو گی؟''

''ارے نہیں۔'' وہ ہنس کر بولا تھا۔ ''میں یہ کیسے بھول سکتا ہوں کہ میں انہی لوگوں میں سے ہوں۔ ان کے مزاجوں اور ان کی ڈیلنگز کو میں خوب سمجھتا ہوں۔ اس سیٹ اور سیٹ اپ میں پہنچنے سے پہلے میں بھی تو انہی کا حصہ تھا۔ آپ میرا بیک گراؤنڈ دیکھیے، میرا تعلق ایک چھوٹے سے قصبے سے ہے۔ وہاں سے اٹھ کر اپنی محنت کے سر پر کیریئر بنا لینا اور بات ہے مگر اس سے پہلے کے ماحول اور رویے قدرتی طور پر انسان کے ذہن اور یادداشت میں سرائت کر چکے ہوتے ہیں، میں بھی ایسا ہی محسوس کرتا ہوں۔ مجھے تو مارکیٹنگ سے عشق بھی اسی لیے ہے کہ یہ ایک تخلیقی کام ہے۔ لوگوں کو جاننے اور ان کو پڑھنے کا کام ہے، ان کے مزاج سمجھنے کا، وہ مختلف چیزوں پر کیسا ردعمل ظاہر کرتے ہیں جبھی تو میں اس فیلڈ میں آیا، مجھے لوگوں سے ڈیل کرنے میں کبھی کوئی دقت نہیں ہوئی۔''

''کسی بھی قسم کے لوگوں سے......'' رفیعہ نے حیرت کا اظہار کیا تھا۔

''کسی بھی قسم کے۔'' اس نے سر ہلا کر جواب دیا۔

''کیا اب بھی تم اپنے قصبے میں واپس جاتے ہو......؟'' حیرت بھرا ایک اور سوال آیا تھا۔

''جاتا ہوں، کیوں نہیں جاتا۔'' وہ مسکرایا۔ ''میرے سب اپنے تو وہیں ہیں۔ میری والدہ، میری بہنیں، عزیز رشتے دار میں وہاں جانا کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔''

''تم ان لوگوں کو یعنی اپنی بہنوں اور والدہ کو یہاں کیوں سیٹل نہیں کر لیتے؟

''میں کیوں ایسا کروں گا!'' وہ ایک مرتبہ پھر مسکرایا۔ ''ہماری روٹس ہیں وہاں، ہمارا سب کچھ وہاں ہے۔ میری والدہ نے میرے والد کی وفات کے بعد طویل جدوجہد کا ایک عرصہ وہاں گزارا ہے۔ وہاں ان کی ایک عزت ہے، ایک مقام ہے۔ وہ تو کبھی بھی اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں اور جانے پر رضامند نہیں ہوں گی۔''

''یہ تو خوامخواہ کی ضد ہے۔ بہتر سے بہتر کی طرف جانا تو بنیادی انسانی حق ہے۔'' رفیعہ کو اس کے جواب سے یقیناً مایوسی ہوئی تھی۔ ''کیا تم لوگوں کی کوئی خاص زمین اور جائیداد وغیرہ ہے وہاں؟''

''زمین جائیداد'' وہ ان کی بات دہراتے ہوئے بے اختیار ہنس دیا۔ ''ہم نے تو بڑی مشکل زندگی گزاری ہے جی۔ میرے والد سکول ماسٹر تھے۔ ان کی وفات اس وقت ہوئی جب میری سب سے بڑی آپا ابھی آٹھویں جماعت میں تھیں، ان سے چھوٹی دو بہنیں اور پھر ہم دو بھائی تھے۔ میری سب سے چھوٹی بہن صرف دو سال کی تھی اس وقت۔ ہمارے پاس زمین کا ایک مختصر ٹکڑا تھا پیچھے گاؤں میں جس کی ششماہی فصل ہم سٹور کر

کے چاول دانے کی فکر سے آزاد ہو جاتے تھے۔ ابا کی ڈیتھ کے بعد ہم بالکل ہیلپ لیس ہو چکے تھے۔ اس وقت میری والدہ اور بہنوں نے بہت محنت کی۔ کچھ مدد ابا کے واجبات سے ملی جو میری والدہ نے بڑی سمجھداری سے استعمال کیے۔ یہ آپ سمجھیں کہ ایک روایتی سی کہانی ہے۔ مجھے آئی بی اے میں ایڈمیشن بھی اسی محنت اور اوپر جانے کی سخت آرزو کے سبب ہی ملا تھا۔ جب دل کی آرزو شدید ہو اور اس کے پورا ہو جانے کے لیے انسان کے ساتھ دعائیں بھی ہوں اور مدد بھی تو وہ اکثر پوری ہو جاتی ہیں۔''

''مگر تمہاری شخصیت پر تو تمہارے بیک گراؤنڈ کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔'' رفیعہ کی سوئی ایک ہی نکتے پر اٹکی تھی انہیں محنت مسلسل کی اس کہانی سے کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

''یہ تو یہاں کی زندگی کے تقاضے کا ملمع ہے۔'' وہ پھر مسکرا کر بولا۔ ''آپ کبھی مجھے وہاں دیکھیں۔ میرے اپنے گھر میں تو شاید پہچان نہ پائیں۔''

''اچھا تم جیسا دیس ویسا بھیس پر یقین رکھتے ہو؟''

''مشہور مقولہ ہے اور عقلمندی کا تقاضا بھی۔'' اس نے بڑے شولرس انداز میں سر جھکا کر کہا تھا۔ ''ایسا ہی معاملہ ہے کچھ۔''

''آج شاید تم لوگ ڈنر پر جا رہے ہو، تم اور مائرہ......!'' رفیعہ نے اس کے اعتماد سے گھبرا کر موضوع بدل ڈالا۔

''جی ہاں۔'' اس نے سامنے کی دیوار والے وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''مائرہ نے کسی ریسٹورنٹ کے بارے میں سن لیا ہے اب وہ اسے چیک کیے بغیر کہاں رہے گی۔ آپ بھی چلیے نا......!''

''نہیں۔'' رفیعہ نے فوراً کہا۔ ''تم لوگ چیک کر لو، ہم پھر دیکھ لیں گے۔'' وہ دانستہ ان دونوں کو زیادہ سے زیادہ دیر اکٹھے رہنے کا موقع دینا چاہتی تھیں۔

''تمہیں مائرہ کی کمپنی کیسی لگتی ہے؟'' انہیں اندازہ تھا کہ مائرہ اتنی جلدی تیار ہونے والی نہیں اس لیے یہ سوال انہوں نے یونہی پوچھا تھا۔

''بہت اچھی۔'' اس نے فوراً جواب دیا تھا۔

''مائرہ اور میں اچھا ورکنگ ریلیشن شپ ڈیولپ کر چکے ہیں۔ بہت سے معاملات پر ہماری سوچ ایک جیسی ہے اور ایسا اتفاق کم ہی ہوتا ہے۔

رفیعہ کے دل کے دھڑکنے کی رفتار بڑھنے لگی تھی۔ ہمایوں سے تین چار ملاقاتوں کے بعد ہی انہوں نے اسے ایک آئیڈیل داماد قرار دے دیا تھا۔ وہ متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا لباس، نشست و برخاست، گفتگو، اعتماد، اعلیٰ پوسٹ، سیلری اور روشن ترین مستقبل اتنی چکا چوند کر دینے والی خوبیاں تھیں کہ ان کے سامنے اس کے اس بیک گراؤنڈ کا تصور اندھیرے میں چلا جاتا تھا۔ اسی لیے وہ ان کی نظروں میں چبھا بھی نہیں تھا۔ وہ

اپنے دل میں فیصلہ کر چکی تھیں۔ مائرہ کے لیے ہمایوں سے بہتر لڑکا ملنا ناممکن تھا۔ خود ان کا بیک گراؤنڈ، ان کے میاں کا وسیع ترین بزنس، مائرہ کی تعلیم، شکل وصورت، ہمایوں میں اس کی حد سے زیادہ دلچسپی سب ہی باتیں ایک ہی رخ کو مڑتی نظر آ رہی تھیں۔ رفیعہ قدرت کے اس اتفاق پر بہت خوش تھیں۔ انہیں ہمایوں پر بے اختیار پیار آتا تھا اور کبھی کبھی تو انہیں ایسا لگتا کہ ان کا بس چلتا تو وہ ابھی اس شادی کا انتظام کر ڈالتیں۔



وہ اماں کی باتیں غائب دماغی سے سن رہا تھا۔ اس مرتبہ وہ تقریباً ایک ماہ کے بعد دو دن کی چھٹی پر گھر آیا تھا اور اس کی آمد پر حسب معمول اس گھر کی روٹین کے معمول میں غیر معمولی تبدیلی آئی تھی۔ وہ سہ پہر کے وقت گاؤں پہنچا تھا اور اس کی آمد کے بعد سے کچن میں ہونے والی سرگرمیاں بڑھ گئی تھیں۔ اسے دہی پھلکیاں اور پکوڑے پسند تھے۔ اماں نے نوید کو بھیج کر نہ جانے کہاں سے دہی تلاش کروایا تھا اور پکوڑوں کے سلسلے میں کچن میں خصوصی ہدایات پل پل بھجوائی تھیں۔ اس مزیدار چائے سے اس کا پیٹ اتنا بھر گیا تھا کہ رات کا کھانا کھانے کی کوئی خواہش نہیں رہی تھی مگر یہ بات اماں کو سمجھانا مشکل تھا۔

وہ گرمیوں کی ایک نسبتاً خشک شام تھی جب صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھی اماں کی باتیں سنتے سنتے اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کا سارا دھیان کچن سے آتی برتنوں کی آوازوں کی طرف تھا۔ اس نے کچن کو پہلے کی نسبت بہت آرام دہ بنوا دیا تھا مگر اس گھر کی روایت تھی گرمیوں کی شام میں صحن کے ایک طرف نیچے چولہا رکھ کر شام کا کھانا اور روٹیاں بنائی جاتی تھیں۔ وہ اماں کی باتیں سننے کے دوران کئی بار کن اکھیوں سے اس چولہے کی طرف دیکھ چکا تھا جو بجھا ہوا تھا اس کی پچھلی طرف لگا ہینڈ پمپ بھی خاموش تھا اور اس کے نیچے کا فرش خشک تھا۔

اماں اسے عزیز رشتے داروں کے قصے سنا رہی تھیں۔ اس کی بہنوں کے سسرال والوں کے مزاجوں کی کہانیاں، محلے داروں کے حالات، اس کی چھوٹی بہن رخشی...... سیکنڈ ایئر کی کتابیں کھولے مختلف چیپٹرز کھول کھول کر اسے دکھا رہی تھی اور اس کی آمد کا سن کر اسی محلے میں رہنے والی اس کی آپا کا چھوٹا بیٹا اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اس کے گھٹنوں پر رکھ کر ماموں، ماموں کرتا اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر کن اکھیوں سے اس کونے کی طرف دیکھا جو شام کو کچن بن جاتا تھا مگر اسے وہ کونا...... ہر بار کی طرح خالی ہی نظر آیا۔

''کھانا کہاں بن رہا ہے؟'' اس نے اپنے بھانجے کی ننھی ننھی ہتھیلیاں پکڑ کر کھولتے ہوئے نیچی آواز میں رخشی سے پوچھ ہی لیا۔

''کھانا'' وہ بال پوائنٹ دانتوں سے نکال کر بولی۔ ''کھانا کچن میں ہی بنتا ہے بھائی اور کہاں بنے گا؟''

''پہلے یہاں باہر بنتا تھا نا......'' اس نے اپنی بات کی توجیہہ پیش کی۔

''ہاں۔'' رخشی کو اس سوال کی وجہ یاد آ گئی۔ ''وہ اماں نے منع کر دیا ہے کہ اب ادھر نہ بنایا کرو کھانا۔ فضا میں تپش ہو جاتی ہے۔ چولہا جلنے سے۔ اس لیے کھانا کچن میں ہی بنتا ہے۔ پچھلی طرف نیا تندور لگایا ہے۔ مہمان ہوں تو روٹیاں وہاں لگ جاتی ہیں نہیں تو کچن میں پکا لیتے ہیں۔''

''آپا سکینہ لگاتی ہے روٹیاں؟'' اس نے گھر میں کام کرنے والی عورت کے متعلق پوچھا۔

''ہاں کبھی وہ کبھی ظل، باری باری لگا لیتی ہیں۔'' رخشی نے بے پروائی سے کہا یہ اس کی دلچسپی کی بات تھی بھی نہیں۔

اس دم محلے میں رہنے والی آپا صالحہ بمعہ محمود بھائی کے گھر میں داخل ہوئی تھیں۔ اس کے بقول انہیں بہانہ چاہئے ہوتا تھا میکے میں آنے کا۔ بھائی کی آمد تو بہت بڑی وجہ تھی۔ آپا کی آمد کے ساتھ ہی ماحول میں بلند آواز میں گفتگو، قہقہوں اور ہنسی کی آوازوں کی گونج کے سوا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

''میں پانی پی آؤں۔'' ہمایوں کو دل کی بے چینی نے یہ بات کہنے پر اکسایا تھا۔

''میں لا دیتی ہوں۔'' رخشی اٹھی۔

''آپا نے رخشی کو بھی منع کر دیا۔ ہمایوں کو مایوسی ہوئی وہ یہ اعلان کیے بغیر ہی اندر چلا جاتا کہ اسے پانی پینا تھا مگر پانی لے کر آتی ظل کو دیکھ کر اس کا بے چین دل قدرے پرسکون ہوا تھا۔ ٹھنڈے پانی سے لبالب بھرا گلاس چھوٹی پلیٹ میں رکھے سامنے کھڑی دیکھ رہی تھی اسے معلوم نہیں تھا کہ پانی کی پیاس کسے تھی۔

''ہمایوں کو دو کہ یونہی ہاتھ میں پکڑے سب کو دیکھتے رہنا ہے۔'' آپا نے ہمیشہ کی سی کڑواہٹ آواز میں سموتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا اور ہمیشہ کی طرح وہ چہرے پر کوئی تاثر لیے بغیر اس کی طرف بڑھی تھی۔ گلاس اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے ہمایوں نے دیکھا، اس نے پچھلے برس پورے سیزن پہنا ہوا ملگجا سا لان کا وہی سوٹ پہن رکھا تھا جو اسے ان ڈھیروں سوٹوں میں سے عنایت ہوا تھا جو اماں گوجرانوالہ کے بازاروں کی خاک چھاننے کے بعد خرید کر لائی تھیں۔ اس سوٹ کا کپڑا اور قیمت باقی تمام سوٹوں سے بہت کم تھی۔ ہمایوں کو اس جوڑے سے متعلق ہر بات بہت اچھی طرح یاد تھی۔ اس نے پانی پینے کے بعد نظر اٹھا کر ایک دفعہ اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ صحن میں جلنے والی ٹیوب لائٹ کی روشنی مدھم تھی اور اس پر پروانے ناچ رہے تھے۔ اس کم روشنی میں وہ اور بھی سانولی اور کمزور نظر آ رہی تھی۔ اس نے سر پر پرانا اور ملگجا سا سفید دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا اور اس کے چہرے کی تھکن بتا رہی تھی کہ اس نے دن بھر خوب کام کیا تھا۔ ظل ہما سے متعلق ہر بات کا اندازہ وہ ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالتے ہی لگا سکتا تھا۔ اس کا دل پھر سے بے چین ہونے لگا ظل ہما سے اس کی ملاقات میں ابھی بہت وقت پڑا تھا۔ ابھی رات کا کھانا کھایا جانا تھا۔ خوش گپیوں کا سلسلہ طویل ہو جانا تھا پھر معلوم نہیں کب سب کو نیند آتی اور سونے کی تیاری کرتے، وہ خود کو

کئی گھنٹوں کے انتظار کے لیے تیار کرنے لگا۔



چھت کی فضا میں مانوس سی خاموشی تھی اور یہاں ہوا نسبتاً خوشگوار تھی۔ وہ چھت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کئی چکر لگا چکا تھا۔ نیچے سے کبھی کبھی برتن دھونے اور سنبھالے جانے کی کھنکھناہٹ کی آواز آجاتی تھی اس کے کان اس آواز کے بند ہو جانے کے منتظر تھے۔ جمائیاں لیتے کبھی وہ چھت پر بچھی ایک پرانی چار پائی کے سلامت حصے پر بیٹھ جاتا اور کبھی چل پھر کر اپنی بند ہوتی آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے سارا دن آفس میں بہت مصروف وقت گزارا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ ایک لمبی ڈرائیو کے بعد یہاں پہنچا تھا اور اسے شدید تھکن محسوس ہو رہی تھی مگر اسے یہاں انتظار کرنا تھا۔ اسے چھت پر آئے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا اس وقت اسے کسی کے سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آئی پھر مانوس قدم ہلکی آواز میں چلتے اس کے عقب میں آ کر رک گئے تھے اس نے پلٹ کر دیکھا، وہ سانولا اور تھکا سا چہرہ اس کے سامنے تھا۔

''اب فارغ ہوئی ہو تم؟'' اس نے گلہ کیا۔

''کام زیادہ تھا۔'' وہ چار پائی کی پائنتی پر بیٹھ گئی۔

''بہت تھک گئی ہو؟'' اس نے چاند کی روشنی میں اس کا مدھم چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔'' اس نے سر جھکائے جھکائے جواب دیا۔ ''تھکے ہوئے تو تم بھی لگ رہے ہو۔''

''مگر تم سے زیادہ نہیں۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ''اب تو آپا سکینہ کے علاوہ بھی ایک ملازمہ ہے ظل پھر تم اتنا کام کیوں کرتی ہو؟'' اس نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''بڑی امی کا خیال ہے کہ مجھے زیادہ پتا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ اس کی مسکراہٹ میں طنز تھا یا گلہ ہمایوں کو سمجھ نہیں آیا۔

''تمہیں پیچھے ہٹنے دیں گی تو کسی اور کو پتہ چلے گا نا ظل!'' اس نے اس کی انگلیوں پر اپنی انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ''میں سمجھتا تھا کہ کچھ بن جاؤں گا تو بہت بولڈ ہو جاؤں گا مگر مجھے لگتا ہے جیسے میں بولڈ ہونے کے بجائے کمزور ہو رہا ہوں۔ میں آج ساری شام صرف اتنا کہنے کے بارے میں سوچتا رہا کہ تم اتنی گرمی میں کھانا کیوں بنا رہی ہو مگر میں اماں سے یہ بات کہہ نہیں پایا۔ اس سے زیادہ کمزور ہونا اور کیا ہو گا۔''

''تم خوامخواہ محسوس کرتے ہو۔'' اس کے ہاتھ اس کے بالوں میں اٹک گئے۔ ''تم مت محسوس کرو، مجھے اب عادت ہو گئی ہے میں کام نہ کروں تو عجیب سا لگتا ہے۔''

''عجیب لگنے کی نوبت ہی کہاں آتی ہے، کب ایسا ہوتا ہے کہ تم کام نہ کر رہی ہو۔'' وہ بے بسی سے مسکرایا۔

''اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ کیسی گزر رہی ہے؟'' اس نے موضوع بدل دیا۔

''اچھی بہت اچھی۔'' وہ اپنے ہاتھوں میں پکڑا اس کا دایاں ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔''تمہاری دعائیں لگ جاتی ہیں مجھے۔''

''مجھ سے زیادہ بڑی امی کی لگتی ہیں۔ان سے زیادہ کس کے دل سے نکلتی ہوں گی دعائیں۔'' وہ مسکرائی۔

''تمہارے دل سے نکلتی ہیں اور اثر کرتی ہیں۔'' ہمایوں نے اپنی بات دُہرائی۔''میرا دل گواہی دیتا ہے اس بات کی، میرے ساتھ تمہاری دعائیں نہ ہوں تو میں دنوں میں آسمان سے زمین پر آجاؤں۔''

''یہ تمہارا وہم ہے۔'' وہ اپنی مخصوص بے پرواٹون میں واپس آگئی۔''مجھے تو کئی کئی دن دعا کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔''

''بکواس نہ کرو۔'' ہمایوں نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔''بہت اچھی طرح جانتا ہوں میں تمہیں، نماز تو تم ضرور پڑھتی ہو، چاہے فرض نماز ہی پڑھ لو اور رات سونے سے پہلے تم میرے لیے دعا کر کے سوتی ہو۔ اتنی پرانی عادت کبھی نہیں چھوٹتی۔''

''اتنی جلدی میں مانگی دعائیں قبول کہاں ہوتی ہیں۔'' وہ اپنے ہاتھ آپس میں رگڑتے ہوئے بولی۔ ''میں تو دعا بھی یوں مانگتی ہوں جیسے رٹا رٹایا سبق سنا رہی ہوں۔''

''قبول کرنے والا دعا کرنے والے کی نیت دیکھتا ہے سٹائل نہیں۔'' ہمایوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔''اور یہ ہاتھ اٹھیں نہ اٹھیں، یہ دل ضرور دعا مانگتا ہے میرے لیے اور وہ قبول بھی ہوتی ہے۔''

''اچھا چلو چھوڑو، کوئی اور بات کرو۔'' اس نے بات بدلی۔''پھر اس مرتبہ تم ٹھیک تو رہے۔''

''ہاں۔'' ہمایوں اس کا ہاتھ چھوڑ کر سیدھا ہوا۔''میں تو بھول ہی گیا کہ میں تمہیں کون سی بات سنانے کے لیے بے چین تھا۔''

''ہاں سناؤ۔'' اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں نے تمہیں مائرہ کے بارے میں بتایا تھا نا!'' ہمایوں نے چاندنی میں اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔''جس کی فیملی سے میرے تعلقات اچھے استوار ہو گئے تھے۔''

''ہاں۔'' وہ بولی۔

''اس کی ماما نے مجھ سے کہا کہ میں مائرہ سے شادی کرلوں۔'' ہمایوں نے دھماکہ کیا۔

''ارے، یہ تو بہت اچھی خبر ہے، اب سنا رہے ہو۔'' اس کی توقع کے برعکس وہ خوش ہو کر بولی۔

''تمہارے لیے یہ اچھی خبر ہے؟'' ہمایوں نے بھونچکا کر پوچھا۔

''تو اور کیا۔'' وہ خوش ہو کر اپنی دھن میں بولی۔''تمہارا مستقبل محفوظ ہو جائے گا، تم بتا رہے تھے وہ اچھے کھاتے پیتے لوگ ہیں اور وہ لڑکی بہت پڑھی لکھی ہے۔

''تم خوش ہو رہی ہو؟'' ہمایوں کو ابھی بھی اس بات کا یقین کرنے میں تامل تھا۔

''خوش ہونے والی بات پر ہی خوشی کا اظہار کیا جا سکتا ہے نا......'' وہ اظہارِ مسرت روک کر بولی۔

''ظل تمہارے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے......'' ہمایوں نے چونک کر سوال کیا۔ ''یا تم مذاق کر رہی ہو؟''

''دل میں جگہیں کبھی ختم نہیں ہوتیں ہمایوں۔'' وہ مسکرا کر بولی مگر ہمایوں کو لگا یہ ایک بے بس مسکراہٹ تھی۔ ''مگر اسی جگہ کا اسی دل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس میں بسنے والے شخص کی خوشیوں کا احترام کریں اور اس کی اچھی زندگی پر خوش رہیں۔''

''پاگل ہو تم'' ہمایوں کے دل میں پل بھر کو آئی رنجش ختم ہو گئی۔ ''کوئی ضرورت نہیں اتنا بڑا دل کرنے کی اور میری خوشیوں کے اہتمام کے لیے اپنا من مارنے کی۔ میں تو یونہی تمہیں ستانے کی غرض سے مذاق کر رہا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے مائرہ اور اس کی والدہ سے کیا کہا ہے؟''

''ہاں، مجھے پتہ ہے۔'' ظل ہما نے اعتماد کے ساتھ کہا۔

''جیو۔'' ہمایوں خوش ہو کر بولا۔ ''یہی چاہتا ہوں میں، تمہیں مجھ پر اعتماد رہے، میرا اعتبار رہے اور میری ذات پر تمہارا یقین یونہی سلامت رہے۔''

''انہوں نے یہ تو پوچھا ہو گا ہمایوں کہ تم نے جس کی وجہ سے منع کیا ہے وہ کون ہے؟'' اسے ایک اور خیال آیا۔

''نہیں، ابھی تک تو نہیں پوچھا۔ مائرہ نے البتہ پوچھا تھا۔'' اس نے سچائی سے جواب دیا۔

''تم نے کیا کہا پھر......؟'' ظل نے فوراً پوچھا۔

''بس دے دیا جواب۔'' ہمایوں نے ٹالنے کے سے انداز میں کہا۔

''تم میری وجہ سے خود کو مشکل میں ڈال رہے ہو ہومی خوامخواہ ادھر گھر میں بھی تمہارے لیے مشکل ہو گی اور مستقبل میں بھی۔ تمہارے سامنے ایک شاندار مستقبل ہے۔ جس کا تم نے ہمیشہ خواب دیکھا اور جس کے لیے اتنی محنت کی۔ میری ذات کو اپنے لیے پریشانیوں کا منبع مت بناؤ ہومی پلیز۔ میں تمہاری محبت اور تمہارے خیال کو خوب جانتی ہوں۔ میرے دل میں ان کی بہت قدر ہے، بڑا احترام ہے مگر ضروری تو نہیں کہ ہر کمٹمنٹ پوری کی جائے یا ہو جائے۔ میں بہت گلٹی فیل کرتی ہوں جب دیکھتی ہوں کہ تم ایک سے بڑھ کر ایک اچھے چانس کو مسترد کرتے چلے جا رہے ہو۔''

''تم سے کسی نے مشورہ لیا یہ تمہاری رائے لی ہے۔'' اس کی اس بات نے ہمایوں کو ہمیشہ کی طرح بھڑکا دیا تھا۔ ''یہ میری زندگی کی بات ہے۔ مرا اس سے تعلق اہم فیصلہ ہے اور اتنی آزادی تو مجھے ہے کہ میں جو بہتر سمجھوں وہ کروں، تم اتنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنے کی پریکٹس مت کیا کرو۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ

مجھے کیا کرنا ہے۔"

"تم اتنی جلدی ناراض کیوں ہو جاتے ہو؟" ظل ہما نے نظریں اٹھا کر کہا۔

"تم اس قسم کی بکواس نہ کیا کرو، میں ناراض نہیں ہوں گا۔" اس مدھم روشنی میں بھی ہمایوں کو اس کی آنکھوں میں چمکتا پانی نظر آ گیا تھا۔ اس کا لہجہ نرم پڑ گیا۔

"تم جانتی ہو ظل۔" پھر اس نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "تمہاری خواہش میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔ تمہیں اس مقام پر دیکھنے کو میری آنکھیں ترس رہی ہیں جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں نہ تو عہد شکن ہوں اور نہ کمٹ منٹ سے دستبردار ہونے والا۔ اگر مجھے اماں کے جذبات اور اسد اور رخشی کے مستقبل کا خیال نہ ہوتا تو میں کل ہی یہ کام کر ڈالوں مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ خود غرض کہلاؤں اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی آنچ آئے۔ مجھے تھوڑا سا بہت تھوڑا سا وقت اور چاہئے۔ اسد واپس آ رہا ہے۔ یہاں وہ ایڈجسٹ ہو جائے گا کہیں نا کہیں، رخشی کا پڑھائی میں دل نہیں لگتا اس کے لیے دوسرا آپشن اس کی شادی ہے وہ بھی ہو جائے گی عنقریب انشاءاللہ پھر میں آزاد ہوں گا اپنی اور تمہاری زندگی بنانے کے لیے، وہ سارے وعدے پورے کرنے کے لیے اور وہ سارے سپنے حقیقت بنانے کے لیے جو ہم ایک عرصے سے اکٹھے دیکھ رہے ہیں۔" ظل ہما نے اسی مدھم روشنی میں اس کے اونچے لمبے سراپا کو دیکھا وہ خوش شکل تھا۔ اس کی شخصیت میں اس جاب کے بعد بہت نکھار آیا تھا۔ وہ یقیناً بہت سوں کے خوابوں کا شہزادہ بن سکتا تھا مگر شکل صورت اور وجاہت سے زیادہ اہم اس کے وہ گن تھے جو ہمیشہ اس کی شخصیت کا حصہ تھے۔ وہ اصول پرست تھا، معاملہ فہم تھا اسے خود پر حد سے زیادہ کنٹرول حاصل تھا وہ جذبات کے بجائے عقل سے کام لینے کا عادی تھا۔ وہ اتنی اہم پوسٹ پر پہنچنے کے باوجود اپنے ماضی کو کبھی نہیں بھولا تھا۔ اس کا ماضی اتنا تلخ تھا اس نے کچھ پانے کے لیے بے شمار محنت کی تھی اور بہت کچھ کھویا بھی تھا مگر پھر بھی اسے اپنے ماضی سے پیار تھا۔ عہدے کے تام جھام اور پیسے کی فراوانی کے باوجود اس میں ایک عجیب سی عاجزی تھی۔ اس نے کبھی خود پر فخر نہیں کیا تھا، نہ ہی وہ کبھی غرور میں مبتلا ہوا تھا۔ وہ دوسروں کی مدد کے لیے ہر دم تیار رہتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی کسی کا ناجائز کام نہیں کیا تھا۔ ظل ہما کو ایک لمحے کے لیے اپنی تمام عمر کی ساری محرومیاں بھول گئیں اور اسے صرف یہ یاد رہ گیا کہ اس قابل رشک شخص کے دل میں بسنے والی شخصیت وہ خود تھی اور اس کی خاطر وہ سب سے ٹکر لینے کا عزم رکھتا تھا۔ وہ وقت کب آنا تھا، کبھی آنا بھی تھا کہ نہیں اس کا اسے علم نہیں تھا مگر جو احساس معتبر ہونے کا اس کے دل میں لمحے بھر کو جاگا تھا اس سے بڑھ کر قیمتی احساس کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔



مائرہ منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔ اس کے باپ نے سیکشن آفیسر کے گریڈ سے جاب شروع کی تھی مگر ان کی محنت اور حوصلے نے انہیں سیکرٹری کے عہدے پر پہنچا دیا تھا۔ وہ ایک

طویل سفر تھا اور اس میں سے بیشتر کی مائرہ چشم دید گواہ تھی۔ اس کے بابا کی ان ترقیوں میں اس کی ماما کا بڑا ہاتھ تھا وہ عمر بھر دیکھتی رہی تھی۔ ماما بھی کالج میں جاب کرتی تھیں۔ وہ اکنامکس کی لیکچرار تھیں اور اپنی ذاتی اقتصادیات کا بڑا خیال رکھتی تھیں۔ انہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مائرہ کے کالج پہنچنے کے وقت تک ان کا شمار معاشرے کے معزز اور مانے ہوئے خاندانوں میں ہونے لگا۔ مائرہ کو اسی اسٹیٹس اور اسی کلاس کی عادت بن چکی تھی جس میں اس کی پرورش ہوئی تھی۔ اس کی ذہانت خداداد تھی، اپنی ماما کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں اس کا شمار کامیاب ترین طلباء میں ہوتا تھا۔ اس نے سکول اور کالج کے زمانے میں نصابی اور غیر نصابی ہر قسم کی سرگرمیوں میں بے شمار میدان سر کیے تھے۔ اس کا تعلیمی کیریئر شاندار تھا۔ لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز سے فنانس میں ایم بی اے کرنے کے بعد سکالرشپ پر انگلینڈ چلی گئی تھی اور وہیں اس کی ملاقات ہمایوں مرتضیٰ سے ہوئی تھی۔

ہمایوں ایک ملٹی نیشنل کمپنی کے سیلز اینڈ ٹریڈ ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ کے طور پر کمپنی کے ہیڈ آفس میں پوسٹڈ تھا۔ مائرہ کو ہمایوں کی شاندار شخصیت نے متاثر کیا ہی تھا مگر اس سے زیادہ اس بات نے کہ وہ منفرد تھا۔ دوسروں سے بہت مختلف تھا۔ اسے اپنے بارے میں اور اپنے پس منظر کے بارے میں کوئی کامپلیکس نہیں تھا۔ مائرہ نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اس نے احترام کے ساتھ اسے قبول کیا تھا۔

''میرا کیا کہتی ہو، تم خود یہاں موجود دوسری پاکستانی لڑکیوں سے خاصی مختلف ہو، اس نے اسے ایک دوبار کہا تھا۔'' اور یقیناً اس میں تمہارے گھر کے ماحول، تمہاری تربیت کا بہت دخل ہے۔'' اس نے یہ بھی کہا تھا وہ اس کی ذہانت اور قابلیت کا مداح تھا اور دل سے اس کی تعریف بھی کرتا تھا۔ ان کی دوستی لندن میں قیام کے دوران ہی خاصی مضبوط ہو گئی تھی۔

مائرہ کی وطن واپسی کے کچھ عرصے بعد ہی ہمایوں کا ٹرانسفر کمپنی کے لاہور آفس میں ہو گیا تھا اور دوبارہ ایک دوسرے سے میل ملاقات شروع ہو گئی۔ جبھی مائرہ کے والدین سے اس کا تعارف ہوا اور اس نے کئی بار کھل کر اس کی ماما کی تعریف کی تھی۔ وہ ان کی شخصیت سے خاصا متاثر تھا اور مائرہ نے محسوس کیا تھا کہ ماما بھی ہمایوں کو دل سے پسند کرنے لگی تھیں اور یہ بہت خاص بات تھی۔ ماما کے معیار پر عموماً کم ہی کوئی پورا اترتا تھا۔ مائرہ کو ڈر تھا کہ وہ ہمایوں کے پس منظر پر ضرور معترض ہوں گی مگر وہ اکثر اس کے سیلف میڈ ہونے کی مثال دیا کرتی تھیں اور اس کی محنت اور جدوجہد کی معترف نظر آتی تھیں۔ ہمایوں سے اتنا تعلق بڑھا کہ رفتہ رفتہ وہ مائرہ کی سب سے بڑی خواہش بن گیا۔ ماما سے اس کی بے تکلفی اتنی بڑھی کہ مائرہ کو محسوس ہوا کہ وہ بھی ہمایوں کے لیے اسی طرح سوچنے لگی ہیں۔ ہمایوں سے بہتر داماد ان کو کہیں اور کہاں مل سکتا تھا اور وہ خود ان لوگوں سے اتنا گھل مل چکا تھا کہ مائرہ اور رفیعہ دونوں کو ہی گمان ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اس آئیڈیا کو اپنے لیے باعث فخر سمجھنے کے بجائے انہیں اتنے رسان سے منع کر دے گا اور یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہمایوں کہیں

... پنی کمٹ ... ن بات کرے گا۔ وہ ایک عجیب سے احساس شکست سے دوچار ہوگئی تھی۔ اس نے کبھی اپنے قد سے بڑی خواہش نہیں کی تھی مگر جو بھی خواہش کی وہ ہمیشہ پوری ضرور ہوئی اور یہ تو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی اس نے کچھ دیر اپنی ماما کے ردعمل کا مشاہدہ کیا۔ وہ بہت پرسکون تھیں۔ ایسے جیسے انہیں کوئی شاک نہ پہنچا ہو۔ پھر اس نے اپنے دل میں جھانک کر دیکھا جس میں ابال اٹھ رہے تھے۔ اس کا دل اور دماغ دونوں ہی اس صورتحال کو قبول نہیں کر پا رہے تھے وہ بہت بے چین ہو رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے مزاج کے عین خلاف اپنے جذبات پر قابو کیوں نہیں پا رہی تھی۔ اس کا دل توڑ پھوڑ کرنے کو چاہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور مٹھیاں بھینچی ہوئی۔ اس کے دماغ میں صرف ایک بات نقش ہو کر رہ گئی تھی اسے ہمایوں کو حاصل کرنا تھا ہر حال میں۔



اس روز اس نے بہت دنوں کے بعد اور بڑی فرصت سے اپنے پسندیدہ مشغلے سے لطف اندوز ہونے میں وقت گزارا تھا۔ اس نے اس روز تصور میں ایک چھوٹے سے گھر کے بارے میں سوچا تھا جس میں وہ اپنے والدین کے ساتھ بہت ہنسی خوشی رہ رہی تھی۔ اپنے تصور میں اس نے اپنے والد کو اپنی ہر خواہش پورے کرتے دیکھا تھا اور گھر کے اندر کی ساری خوشیوں کا سرچشمہ اپنی ماں کے روپ میں اسے نظر آیا تھا۔ معمول کی نارمل زندگی، جس میں ذمے داریوں کو نبھانا بھی شامل تھا اور مقدور بھر زندگی کی خوشیوں سے لطف اندوز ہونا بھی شامل تھا۔ میل ملاقات، عزیز رشتے دار وہ سب کو دیکھتی رہی جو ان سے ملنے ان کے اس چھوٹے سے گھر میں آتے تھے۔ وہ مختلف مواقع پر مختلف طرح کے لباس پہنتی تھی۔ اس کی بھی بہت سی دوستیں تھیں جو اس سے ملنے اس کے گھر آتیں اور جن سے ملنے کے لیے وہ ان کے گھر جاتی تھی۔ تحفے تحائف کا تبادلہ ہوتا، من پسند کھانا پکتا اور حسب خواہش کھایا جاتا۔

یہ دل خوش کن ڈے ڈریمنگ اس نے بہت دنوں بعد کی تھی۔ وہ جتنی سنجیدہ اور سمجھ دار نظر آتی تھی اس کو اچھی طرح جاننے والا کوئی بھی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ حقائق سے اس قسم کا فرار بھی حاصل کرنا جانتی تھی مگر یہ صرف اسے ہی معلوم تھا کہ یہ تصوراتی دنیا اس کے ساتھ نہ ہوتی تو حقائق کا سامنا کرتے کرتے وہ کبھی کی ختم ہو چکی تھی۔ اسے یہ ڈے ڈریمنگ، دنیا کی سب سے بڑی عیاشی لگتی تھی اور اس روز اس نے یہ عیاشی خوب کی تھی۔



''میری سمجھ میں نہیں آیا بلکہ مجھے یقین ہی نہیں آیا اب تک کہ تم ایسا بھی کر سکتے ہو۔'' ہمایوں نے لائٹ گرے اسٹریچ جینز اور بلو ایمبرائیڈ کرتی پہنے نظر لگ جانے کی حد تک حسین مائرہ کو کہتے سنا تھا۔ وہ اس کے آفس کے ایک کونے میں رکھے انڈور پلانٹ ہولڈر کے قریب کھڑی پودے کے پتوں کے مختلف رنگوں کو

غور سے دیکھتے ہوئے بہت سنجیدگی کے ساتھ اس سے مخاطب تھی۔

•''میں نے کیا، کیا ہے مائرہ......؟'' وہ اس کی بات سمجھتے ہوئے بھی انجان بن گیا اور انجان پنے کا یہ مظاہرہ بھی اس نے خاصی تاخیر سے کیا۔ حقیقت میں اسے پودے کے قریب کھڑی مائرہ کا روٹھا روٹھا سا چہرہ دیکھنے میں اتنا مزہ آرہا تھا کہ وہ کوئی بات کر کے اس منظر کے حسن کو خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''یہ بھی اب میں بتاؤں کہ تم نے کیا، کیا ہے؟'' اس کا جواب سننے کے کچھ دیر بعد اس نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے یوں کہا گویا اس کے جواب پر اچھی طرح غور کر لینے کے بعد اسے سمجھ میں آیا ہو کہ اسے کیا جواب ملا تھا۔

''ہاں نا۔'' ہمایوں نے کمال معصومیت کا مظاہرہ کیا۔''میں نے ایسا کیا، کیا ہے مائرہ جو تم ناراض ہو گئیں اور تمہیں اس پر یقین بھی نہیں آرہا؟''

''تم نے ماما سے کہا کہ تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتے۔'' کچھ دیر کے توقف کے بعد اس نے وہیں کھڑے کھڑے پودے کے ایک پتے کو نرمی سے ہاتھ میں پکڑ کر دوسرے ہاتھ کی انگلی اس پر پھیرتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت وہ یقیناً ہمایوں کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی۔

''اوہ، اچھا۔'' ہمایوں نے چونکنے کا شاندار مظاہرہ کیا۔ یوں جیسے اسے اب ہی سمجھ آئی ہو۔

''تم نے ایسا کیا؟'' اب کے وہ پتے کو چھوڑ کر پوری کی پوری اس کی طرف مڑ گئی۔ اس نے اپنے بازو سامنے باندھ لیے تھے۔

''ہاں!'' ہمایوں نے پیپر ویٹ گھماتے ہوئے سچائی کے ساتھ کہا۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتی اس کی ٹیبل کے قریب آئی اور عین اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

''تم نے ایسا کیوں کیا ہمایوں؟'' اس کا لہجہ تھکا تھکا سا ہو گیا تھا۔

''میں نے ایسا کیا کر دیا مائرہ، جس پر تم اتنی پژمردہ ہو رہی ہو۔'' ہمایوں کو یکدم احساس ہوا کہ اس کی بات کا مائرہ نے خاصا اثر لے رکھا تھا۔

''ہم تین سال سے اکٹھے کیریئر بلڈنگ کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔'' مائرہ نے ٹیبل سے بال پوائنٹ اٹھا کر اس کا پریس بٹن دباتے ہوئے کہا۔''میں تمہیں اور تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو، کیا مجھ سے بھی زیادہ کسی کے ساتھ تمہاری انڈرسٹینڈنگ ہو سکتی ہے۔ مجھ میں کس چیز کی کمی ہے جو تم اپنی شریک حیات میں دیکھنا چاہتے ہو۔''

''تم میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے مائرہ۔'' اس نے کچھ دیر سوچنے اور الفاظ کو تولنے کے بعد نرمی سے کہا۔''تم ایک مکمل لڑکی ہو۔''

''پھر......، پھر تم نے......'' وہ بے تابی سے بولی۔''پھر تم کیا چاہتے ہو، پھر تم نے یہ کیوں کہا کہ تم مجھ

سے شادی نہیں کر سکتے؟"

"شادی ایک علیحدہ سوال ہے۔" ہمایوں نے اپنی ریوالونگ چیئر کی پشت سے ٹیک لگا کر اسے پیچھے کی طرف جھکاتے ہوئے جواب دیا۔ "شادی کے لیے شخصیت کی پرفیکشن کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی ضروری ہوتی ہیں۔"

"وہ کیا......؟" مائرہ کا لہجہ مضطرب تھا۔

"وہ خاص اینگل جس کے ساتھ آپ اپنے لائف پارٹنر کو دیکھنا چاہتے ہیں اور سب سے بڑھ کر کمٹ منٹ۔"

"میری سمجھ میں تمہاری بات نہیں آئی، تم مجھے تفصیل سے بتاؤ۔" مائرہ نے اس بات کی تفصیل پر بھی اس طرح ہی اصرار کیا جیسے وہ کسی پیشہ ورانہ معاملے کو زیرِ بحث لاتے ہوئے اس سے اس کی رائے مانگتے ہوئے کرتی تھی۔

"ایک مختصر سی تفصیل تو یہ ہے مائرہ میں کسی اور کے ساتھ کمٹڈ ہوں۔" ہمایوں نے لمبی چوڑی تاویل دینے کے ارادے کو منسوخ کرتے ہوئے مختصر بات کی تھی۔ "یہ کمٹ منٹ تم سے پہلی ملاقات سے بھی بہت پہلے کا واقعہ ہے اور میرے متعلق تم اتنا تو جانتی ہو کہ میں کمٹ منٹ سے پھرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"کون ہے وہ......؟" مائرہ کے لہجے میں ناراضی عود کر آئی۔ "کیا مجھ سے بہت بہتر ہے۔" وہ یقیناً وہ اس انجانی شخصیت پر دانت پیس رہی تھی۔

"وہ ویسی ہے جیسی میں چاہتا ہوں کہ ہو۔ وہ میرے برے دنوں کی ساتھی ہے اور برے دنوں میں کی گئی کمٹ منٹ کو اچھے دنوں میں بھول جانے والے کبھی کسی اچھے انجام سے دوچار نہیں ہوتے۔ یہ میں جانتا ہوں اچھی طرح اور میں اس کمٹ منٹ سے منحرف تو تب ہو جاؤں جب مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز متاثر کر جائے۔ میری آنکھوں میں بسی اس شخصیت کی چکا چوند کے سامنے سب امیج ماند پڑ جاتے ہیں۔" ہمایوں یہ بات کہتے ہوئے سامنے خلاء میں دیکھ رہا تھا۔ یقیناً اس کی نظروں کے سامنے اسی انجان شخصیت کا ہیولہ تھا۔ اس کے لہجے میں عجیب سی چاشنی گھل گئی تھی۔ مائرہ گردن ایک جانب جھکائے غور سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی بات سن رہی تھی۔ ہمایوں کے چہرے پر ایسا تاثر اور لہجے میں ایسی حلاوت اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی، سنی تھی۔ اس ایک لمحے میں اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کی کوئی بھی دلیل کسی بھی قسم کی طویل بحث نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ ہمایوں کسی انجانے سحر میں گرفتار تھا اور جب تک اس سحر کی نوعیت معلوم نہ ہو جاتی وہ اس کے توڑ کا کوئی انتظام کرنے سے قاصر تھی۔ سو اس نے مزید کوئی بات کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے کرسی کی پشت پر لٹکے اپنے بیگ کو پکڑ کر شانے پر لٹکاتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہاری کمٹ منٹ کے بارے میں علم نہیں تھا اس لیے میں تم سے وجہ پوچھنے چلی آئی میں چلتی ہوں۔

اس ان دیکھی شخصیت کے تصور میں مزے لو۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ہمایوں اس کو یوں خاموشی سے جاتے ہوئے دیکھ کر چونک گیا تھا۔ وہ مائرہ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اپنی مرضی سے کوئی کام نہ کر سکنے کی صورت میں وہ جھنجھلا کر کتنا چیختی اور بحث کرتی تھی وہ حیران تھا کہ اس روز وہ اتنی جلدی اور اتنی خاموشی سے کیوں وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

''ہوں۔'' اس نے ایک بار پھر چیئر کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے سوچا۔ ''غالباً وہ سمجھ گئی ہے کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں چیخنے چلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' پھر وہ مسکرا دیا۔ ''تم میں کیا جادو ہے میری جان۔'' وہ اپنے تصور میں موجود اس ہیولے سے مخاطب تھا ''جو اتنے پرکشش چانسز کو رجیکٹ کروا دیتا ہے۔''



''اچھا تو یہ تمہارا بھائی اسد ہے۔'' رفیعہ نے اپنے سامنے بیٹھے نوجوان کو دیکھتے ہوئے ہمایوں کو مخاطب کیا۔

''جی..... یہ آج صبح ہی پہنچا ہے۔ رات کو ہمیں گھر کی طرف نکلنا تھا، سوچا آپ سے ملاتا چلوں۔'' ہمایوں نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ رفیعہ کی گہری نظریں اسد کا بغور مشاہدہ کر رہی تھیں۔ وہ بزنس سائنسز میں پڑھ رہا تھا اور اپنی آخری ٹرم پوری ہونے کے بعد اسی روز واپس پہنچا تھا۔ اسد کے ساتھ غائبانہ تعارف ہمایوں پہلے ہی کروا چکا تھا۔ وہ ہمایوں سے عمر میں دو سال بڑا تھا مگر ہمایوں کے اس اعلیٰ پوسٹ پر پہنچنے کے بعد اسی کے اصرار پر اسد نے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا تھا اور اب اس کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ یقیناً ہمایوں اس کے لیے کوئی بہت اچھی ملازمت تاڑ چکا تھا۔ اس کا ہلکا سا اشارہ اس کی گزشتہ ملاقات میں گفتگو کے دوران ملا تھا۔ رفیعہ نے محسوس کیا اسد میں ہمایوں کی سی بے ساختگی نہیں تھی۔ وہ بہت پر اعتماد بھی نہیں تھا۔ اس کے مینرز بھی ہمایوں سے مختلف تھے۔ شکل صورت میں اگرچہ وہ ہمایوں جیسا نہیں تھا مگر اس سے کم بھی نہیں تھا لیکن اس کی مکمل شخصیت میں ہمایوں کے مقابلے انہیں کچھ کمی سی محسوس ہوئی۔

''ٹھیک ہی تو ہے سب ایک جیسے ہو بھی نہیں سکتے۔'' انہوں نے دل میں سوچا اور نئے مہمان کی تواضع میں مصروف ہوئیں۔

اسد چار سال کے بعد پاکستان لوٹا تھا۔ وہ اپنے دل میں اپنے سے چھوٹے بھائی ہمایوں کا احسان مند تھا۔ ہمایوں کو شروع ہی سے اس کی نسبت پڑھنے اور آگے بڑھنے کی لگن زیادہ تھی۔ اپنے والد کی وفات کے وقت وہ دونوں ہی کچھ زیادہ سمجھدار نہیں تھے۔ مگر اسد لاشعوری طور پر اپنے ہر شوق اور خواہش سے اسی روز یکطرفہ طور پر دست بردار ہو گیا تھا۔ اسے اپنے مالی حالات سے مکمل آگاہی تھی۔ وہ پڑھنے کے معاملے میں مکمل طور پر بدشوق نہیں تھا تو بہت شوقین بھی نہیں تھا۔ اس نے اسی دن پڑھنے کا خیال دل سے نکال دیا تھا۔

ان دنوں وہ آئی کام کے پرچے دے کر فارغ تھا اس نے آگے پڑھنے کے بجائے کوئی کام کرنے کی ٹھان لی۔ یہ اور بات کہ اسے ڈھنگ سے کوئی کام کبھی نہیں ملا۔ کبھی وہ کسی کیمسٹ کے پاس بیٹھتا تو کبھی کسی فوٹوگرافر سے کام سیکھتا، اس نے کپڑے کی دکان پر چند ماہ کپڑا بھی بیچا اور جنرل سٹورز پر مختلف آئٹمز بھی۔ ان تمام کاموں میں اسے تھوڑی تھوڑی آمدنی ہی ہوتی تھی مگر اس کی اماں مطمئن تھیں۔ وہ فارغ نہیں رہتا تھا۔ وہ بری صحبت سے بچا ہوا تھا اور اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ تھا۔ اس کے کمائے ہوئے روپوں سے گھر کا کچھ آٹا دال تو چلتا ہی تھا۔ اس کے برعکس ہمایوں کو کام کے بھی اچھے مواقع ملتے تھے اور وہ پیسہ بھی اس سے زیادہ کما لیتا تھا مگر وہ جو کماتا تھا اپنی پڑھائی پر صرف کر دیتا تھا جو وہ پڑھتا تھا اور جو پڑھنا چاہتا تھا اس کے لیے اس کے کمائے ہوئے کے علاوہ اسے اور بھی پیسہ چاہیے ہوتا تھا۔

''تم اپنے حالات دیکھو یار، تم زیادہ سے زیادہ کیا پڑھ جاؤ گے اور کتنا.....'' وہ کبھی کبھار ہمایوں سے کہہ بھی دیتا تھا مگر ہمایوں مسکرا کر اس کی بات ٹال دیتا تھا۔ اسد کو ہمایوں سے کبھی حسد محسوس نہیں ہوا تھا نہ ہی کبھی اسے اس بات پر اعتراض ہوا تھا کہ وہ گھر کے مالی معاملات سے آگاہ ہوتے ہوئے اپنا کمایا ہوا اپنے اوپر کیوں خرچ کیے جاتا تھا۔ اس نے اپنے استادوں، دوستوں اور ملنے والوں سے اکثر سنا تھا کہ ہمایوں جس شدومد اور جذبے کے ساتھ اپنا مستقبل بنانے میں مصروف تھا وہ ایک روز ضرور بڑا آدمی بن جائے گا۔ اسد کو ان سب کی باتوں پر یقین سا ہونے لگا تھا اور یوں وہ ازخود اپنی زندگی کی ضرورتوں سے دست بردار ہو کر اس دن کا انتظار کرنے لگا تھا، جس دن ہمایوں کو بڑا آدمی بن جانا تھا۔

وہ جدوجہد طویل تھی اور اس کی کہانی کا بیان اس سے بھی طویل ہو جاتا اگر بیان کیا جاتا مگر ان سب نے اس وقت کو خود پر سے خاموشی سے گزار دیا تھا اور وہ دن بالآخر آ ہی گیا تھا جب ہمایوں کو آئی بی اے سے ڈگری مل گئی تھی۔ یہ ان ساتھ آٹھ نفوس کے لیے ہفت اقلیم کی دولت سے کم نہیں تھی۔ اس ساری جدوجہد میں کس، کس کا پیٹ کٹا تھا اور کس، کس نے کہاں، کہاں اپنا حصہ ڈالا تھا اس جمع تفریق میں کوئی نہیں پڑا تھا جو حقیقت تھی وہ یہ تھی کہ اس گھرانے نے مشکل ترین حالات کے سامنے ہتھیار نہ ڈالتے ہوئے اپنے لیے متعین کی ہوئی منزل پا لی تھی اور اب ان کے سختی کے دن ختم ہونے کو کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ ہمایوں کو ڈگری ملنے کے فوراً بعد ہی کئی ملکی کمپنیوں میں جاب ملنے کی توقع پیدا ہو رہی تھی اور پہلی جاب ملنے کے ساتھ ہی اس نے پہلا کام اسد کو دوبارہ سے تعلیم حاصل کرنے کی پٹڑی پر چڑھانے کا کیا تھا۔ وہ نہ، نہ اور ہیں، ہیں کرتا رہ گیا تھا مگر ہمایوں کی آنکھوں میں وہی شوق اور عزم نظر آ رہا تھا جو ان میں اس کے اپنے لیے نظر آتا تھا۔

ہمایوں کو ایک کے بعد دوسری جاب ملی اور پھر تیسری وہ بہتر سے بہترین کی طرف رواں دواں ہوا اور اسد کی انگلی پکڑے پکڑے اسے بھی اس زینے پر ساتھ لیتا چلا گیا جو بہترین کی طرف جاتا تھا۔ اپنے لندن میں قیام کے دوران ہی اس نے اس کا ایڈمیشن وہاں بزنس سائنسز میں کروا دیا تھا اور اسد ابھی وہاں

ہی تھا جب اس کا ٹرانسفر واپس پاکستان ہوا گیا تھا۔ تعلیم کیا ہے اس کو حاصل کرنے میں کتنا مزہ ہے اسے حاصل کر لینے کے بعد انسان کو محسوس کرتا ہے۔ اس کی شخصیت کس حد تک بدل جاتی ہے اور وہ کیسے مرکز نگاہ بنتا ہے۔ ان سب تجربوں سے اسد اس سارے سلسلے کے دوران آشنا ہوا تھا، ایک عمر اس نے کام کے میدان میں خانہ بدوشوں کی طرح گزاری تھی۔ اسے مہذب انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کی ترغیب ہمایوں نے دی تھی۔

ہمایوں کی تعلیم کے دوران وہ اپنے تئیں محنت مزدوری کر کے گھر کا سلسلہ چلا رہا تھا۔ اسے اس نئے سفر پر گامزن کر کے ہمایوں نے گھر کی مکمل ذمہ داری سنبھال لی تھی اور وہ اس پوزیشن میں بھی تھا کہ گھر، اپنی اور اسد کی تعلیم کے اخراجات بیک وقت چلا سکے۔ ذمہ داریوں سے آزادی اور مہذب زندگی کے ذائقے نے اسد کو ایک نئی اور بالکل مختلف زندگی سے روشناس کیا تھا۔ اب وہ اس روز چار سال بعد وطن واپس آ کر ہمایوں کے سامنے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ان میں سے کس کا کس پر زیادہ احسان تھا۔ کس پر قرض زیادہ تھا اور کون واجب الادا قرض کو ادا کرنے کی زیادہ توفیق رکھتا تھا۔ اسی روز اس پر منکشف ہوا تھا کہ اگر ہمایوں کی طرف اس کا کوئی قرض واجب الادا تھا بھی تو اس نے مع سود کے ادا کر دیا تھا مگر جو قرض اس پر ہمایوں کا واجب تھا وہ اسے شاید عمر بھر ادا نہ کر سکے۔ اس کے سامنے مسز رفیعہ عمر بیٹھی تھیں۔ اس شاندار گھر میں اس شاندار شخصیت کے سامنے بیٹھنا محض ایک خواب ہی ہوتا اگر ہمایوں اس کی انگلی پکڑ کر اسے قدم بہ قدم وہ زینہ چڑھنے پر مجبور نہ کرتا۔ آج وہ کس عزت و احترام کے ساتھ وہاں بیٹھ گیا تھا۔ اس نے آنکھیں ذرا دیر کو بند کر کے دل ہی دل میں اپنے چھوٹے بھائی ہمایوں کی عظمت کا اعتراف کیا تھا۔

جب اس نے ذرا دیر کو بند کی ہوئی آنکھیں کھولیں تو اسے ایسا لگا جیسے وہ الف لیلہ کے کسی باب کی ڈرامائی تمثیل کے سیٹ پر موجود تھا۔ ہمایوں کے ساتھ بیٹھی لڑکی نے ایسا ہی لباس پہن رکھا تھا جیسا اس نے بچپن میں الف لیلوی داستانوں کے نسوانی کرداروں کے بارے میں پڑھ رکھا تھا۔ اس نے حسن کے بارے میں سن رکھا تھا، پڑھ رکھا تھا مگر اس قدر حسن کو اتنا مجسم زندہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''تمثیل کی جو ڈائریکٹر ہیں مسز مراد وہ ماما کی دوست ہیں انہی کے کہنے پر بلکہ انہی کے اصرار پر مجھے یہ سب کرنا پڑا۔'' وہ اپنے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہمایوں کو بتا رہی تھی اور اس دوران اس کے بازو میں پڑا زیور آہستہ آہستہ بج رہا تھا۔ اس کی بات کے دوران کانوں میں پڑے بالے ہل رہے تھے۔ اسد ایک آزاد اور کھلے ماحول سے نکل کر یہاں پہنچا تھا اور اس کی نظروں کو یہ منظر نامانوس مگر بہت دلچسپ، بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''یہ اسد ہے، میرا بڑا بھائی۔'' کچھ دیر بعد ہمایوں نے اس کا تعارف اسد سے کرواتے ہوئے کہا تھا۔

''اور یہ مائرہ۔'' اس نے اس حسین پری کا نام بتایا۔ ''یہ وہیں انگلینڈ میں ہی تھی تمہارے والے کالج

میں مگر اس کا ڈسپلن مختلف تھا اور اس نے تمہارے وہاں جانے سے پہلے ہی اپنی ڈگری مکمل کی۔''

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔'' اسد نے رسمی سا جملہ کہا وہ اپنے دل کی بات کو بہت تفصیل سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس لڑکی کو دیکھ کر اسے جتنی خوشی ہو رہی تھی اس کا بیان ناممکن تھا۔

''میں چینج کر کے آتی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''اُف بہت الجھن ہو رہی ہے۔'' وہ گھیر دار شلوار، لمبی پشواز نما فراک، بھاری دوپٹے کو سمیٹتی اٹھتی اور اندر کی سمت چلی گئی۔ اس قدیم لباس پر اس نے کوئی بہت جدید خوشبو لگا رکھی تھی۔ وہ اس لباس اور خوشبو کے سحر میں کھو سا گیا۔ اس نے مائزہ کے جانے کے بعد ہمایوں کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح فارمل انداز میں بیٹھا تھا۔

''جمع، تفریق میں یہ اتنی بری طرح کھو چکا ہے کہ اسے زندگی کی لطافتوں کا مزہ ہی بھول گیا ہے۔'' اسد نے دل میں سوچا۔ ایسا سوچتے ہوئے اسے بھول گیا تھا کہ ہمایوں کو نمبرز میں کبھی بھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ جبھی تو اس نے مارکیٹنگ کا شعبہ اپنایا تھا۔ وہ حسن پری اس کے بعد نظر نہیں آئی۔ مسز رفیعہ عمر نے انہیں پر تکلف لنچ کے لیے روک لیا تھا۔ وہ لنچ کے دوران بھی نظر نہیں آئی اور جب وہ دونوں وہاں سے رخصت ہو رہے تھے، وہ بیرونی دروازے سے نکل کر اینٹرنس پر آ کر کھڑی ہو گئی، مسکراتی ہوئی اور بہت ہشاش بشاش۔ اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا اب وہ جینز اور کاٹن شرٹ میں ملبوس تھی۔ اس کے براؤن سلکی بال کھلے تھے اور شانوں سے ذرا نیچے آ رہے تھے۔ کچھ دیر پہلے اسے دیکھ کر اسد کو اپنا آپ قدیم بغداد کی گلیوں میں کھڑا محسوس ہوا تھا اور اب اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے شانزے، لیزے کے بازاروں میں پہنچ گیا ہو۔ اس کی وجہ یقیناً اس کے وجود سے اٹھتی کسی قیمتی پرفیوم کی خوشبو تھی جو فاصلے پر کھڑے ہونے کے باوجود فضا میں بکھر رہی تھی۔

میں بہت تھک گئی ہوں۔ آئی ایم سوری میں لنچ پر تم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھ سکی'' وہ ہمایوں سے مخاطب تھی۔

''میں جانتا ہوں، ایکسکیوز کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' ہمایوں گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''سوری اسد۔'' پھر وہ اس کی جانب مڑی۔ ''میں اتنی بری میزبان نہیں ہوں مگر یقین جانو میں بہت بری طرح تھک گئی تھی۔ وہ بزبانِ انگریزی اس سے مخاطب تھی۔

''کوئی بات نہیں، تھکا ہوا انسان اچھی کمپنی دے بھی نہیں سکتا۔'' الفاظ بے اختیار اسد کی زبان سے پھسلے تھے۔ ''بہت اچھی بات ہے جو آپ تکلفات میں نہیں پڑتیں۔''

''پڑتی ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''کبھی کبھار تکلفات میں پڑنا پڑتا ہے مگر یہ ہمایوں کی بات تھی۔ اس کے ساتھ تکلفات میں پڑنے کی مجھے ضرورت نہیں۔'' وہ اب ہمایوں کی طرف دیکھ رہی تھی اور نہ جانے کیوں اور کس خیال کے تحت اسد کو لگا اس کے جسم کا سارا خون اچانک بے حد گرم ہو کر ابلنے لگا تھا۔ اس کے

کان تپنے لگے تھے اور یقیناً بہت سرخ ہو رہے ہوں گے مگر شاید کسی نے بھی غور نہیں کیا۔ وہ تیز قدموں سے چلتا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''وہی راستے ہیں، ویسی وہی سڑکیں ٹوٹی پھوٹی، وہی گرد، وہی گائے بھینسیں۔'' راستے میں اسد ناک بھوں چڑھاتا اسی قسم کی گفتگو کرتا رہا تھا اور ہمایوں اس کی باتیں سن کر زیرِ لب مسکراتا رہا۔

''یار، کیا مسئلہ ہے اس ملک کی انتظامیہ کے ساتھ......؟'' اپنے علاقے کی حدود شروع ہوتے ہی وہ پھر بڑبڑایا'' اتنے سالوں میں کچھ بھی تو نہیں بدلا۔'' ہمایوں قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''تم کیوں ہنسے اس طرح؟'' وہ چونک کر بولا۔

''مجھے ولی چاچا یاد آ گئے۔'' وہ موڑ کاٹتے ہوئے بولا۔

''کون ولی چاچا......؟'' اس کو فوری طور پر یاد نہیں آیا۔

''تم ولی چاچا کو بھی بھول گئے اب۔'' ہمایوں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔'' چاچا ولایت جو بلجیم چلا گیا تھا نہ جانے کس گورا صاحب کے ساتھ کس طرح اور جب واپس آتا تھا کبھی تو اسی طرح کی باتیں کیا کرتا تھا۔ گرد، ٹوٹی سڑکیں، مکھیاں، گند، ہاہا۔'' ہمایوں نے قہقہہ لگایا'' پاکستان کے سوشل اور اکنامک یعنی سماجی اور اقتصادی حالات پر جمود چھایا ہوا ہے میرے بھائی۔ تم تو ورلڈ اکنامکس پڑھ چکے تمہیں تو خوب اندازہ ہوگا کہ یہ کس کی سازش ہے!''

''اکنامکس پڑھ چکا، سیاست نہیں اور نہ ہی مجھے اس سے کبھی دلچسپی ہے۔'' اسد نے روکھے پن سے کہا۔'' تم ذرا گاڑی دھیان سے چلاؤ یہ ٹرالر سر پر چڑھا آ رہا ہے۔''

''ڈونٹ وری۔'' ہمایوں نے ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔'' یہ ہمیں جگہ نہیں دے گا ہم ہی اس کے آڑ میں ہٹ جاتے ہیں۔''

''اسد کا موڈ نہ جانے کیوں خراب تھا۔ ہمایوں اس بات کا اندازہ لگا چکا تھا مگر اس کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس کے دل میں ایک خدشے نے البتہ سر اٹھایا تھا۔'' اسد کا دل اب اس ملک میں لگ جائے گا کہ نہیں۔''



''یہی عزیز رشتہ دار تھے۔'' اماں نے ناشتے کی میز پر رکھے لوازم پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''کیسے اڈے چلے آ رہے ہیں سلیمہ آپا تمہارے تو دونوں بیٹے ولایت پلٹ ہو گئے۔ کیا اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی دونوں نے کیا قسمت پائی تم نے، آفرین آفرین کرتے پھر رہے ہیں۔ کوئی جتاتا ہے میں تمہارا ماموں زاد ہوں دوسرا جتاتا ہے میں تمہارا پھوپی زاد ہوں۔ ایک چلی آئی میں تمہاری ماسی کی نند کی بیٹی ہوں۔ خوب یاد آئی میں نہیں بڑے موقع پر۔ جب مجھ پر کڑے دن آئے تھے جب میں اور میرے بچے مشقتیں کرتے اپنے ہاتھ چھل

کیے بیٹھے تھے۔ اس وقت تو کبھی کسی کو ان گلیوں کا راستہ یاد نہیں آیا تھا۔ جب تو سب کہتے تھے آج کل تو ہر کسی کا اپنا گزارہ مشکل ہے کسی پر کوئی کیسے ہاتھ رکھے۔'' وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں۔ اسد اور ہمایوں خاموشی سے ناشتہ کرتے یہ گفتگو سن رہے تھے۔

''ان سب کی نظریں تم پر لگی ہیں، تم دونوں پر۔'' انہوں نے ان کو اتنا بے نیاز دیکھ کر تنک کر کہا۔ ''کسی کو اپنی بیٹی کی تعلیم یاد آ رہی ہے تو کسی کو سگھڑاپا کوئی اپنی بیٹی کو کپوڈر (کمپیوٹر) کے آگے بٹھا کر دکھاتا ہے تو کوئی انگریزی کی کتابیں ہاتھ میں پکڑا کر مگر میری بھی ایک رہی۔'' انہوں نے چمچ زور سے پلیٹ میں پٹخا۔ ''کسی عزیز رشتے دار کی بیٹی کا جو رشتہ لے لوں تو نام بدل ڈالنا میرا، چاہے میری دہلیز پر جوتے اور ماتھا دونوں ہی گھس ڈالیں۔'' ہمایوں اور اسد نے اس بلند آواز میں کیے گئے دعوے پر ایک دوسرے کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اور دوبارہ اپنی توجہ ناشتے کی طرف کر لی۔

''پوری چیزیں ایک دفعہ میں لانا تو تیری قسمت میں ہی نہیں۔'' ان دونوں کی خاموشی انہیں بے حد کھلی تھی جبھی چائے دان اندر لاتی ظل ہما کی شامت آ گئی تھی۔

''نمک ہے تو چینی غائب، مکھن ہے تو چھری غائب، بندے چار ہیں تو کپ دو، تیرا دماغ کدھر غائب رہتا ہے آج کل۔'' انہوں نے اس کا بازو جھنجھوڑا۔ نتیجتاً گرم چائے، چائے دان سے نکل کر اس کے ہاتھ پر چھلک گئی۔ اس نے تیزی سے چائے دان میز پر رکھا۔ ہمایوں نے اس کے ہاتھ پر بکھری چائے کی پتی اور تیزی سے پڑتے سرخ نشان کی طرف دیکھا اور اپنی پلیٹ آگے کھسکا دی۔

''میرا موبائل کمرے میں رہ گیا، وہ لے آؤں۔'' وہ کہتا باہر نکل گیا اس سے یہ منظر برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

''ادھر آؤ۔'' وہ گیلری میں ہی کھڑا تھا جب ظل ہما ڈائننگ روم سے باہر نکلی تھی۔

''رخشی کے لیے پراٹھا بنانا ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ ہمایوں نے مزید کوئی بات کیے بغیر اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے کمرے کی طرف دھکیلا۔

''بڑی امی ابھی ہنگامہ کھڑا کر دیں گی۔'' اس نے یاد دلایا۔

''کرنے دو۔'' وہ سنجیدہ تھا۔ اپنی الماری کے دواؤں کے خانے سے اس نے ٹیوب نکالی تھی۔

''یہ معمولی تکلیف ہے۔'' ظل کو اس ہنگامے کی شدت کا اندازہ تھا جو اس کے یوں غائب ہونے پر ہو سکتا تھا۔

''ہاں، معمولی ہے۔'' وہ کریم اس کے ہاتھ پر لگاتے ہوئے بولا۔ ''جتنے زخم یہ ہاتھ کما چکے ہیں اور جتنی جلن سہہ چکے ہیں۔ ان کے سامنے تو معمولی ہی ہے لیکن یہ میرے سامنے ہوا ہے اور یہ جلن مجھے اپنے دل پہ محسوس ہو رہی ہے۔'' ظل نے دم بخود ہو کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے

وہ کسی بات کو برداشت کر جانے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے کریم اس کے ہاتھ پر پھیلا دی۔

''کوئی ضرورت نہیں اب پراٹھے بنانے اور چولہے کے آگے جانے کی۔'' اس نے ظل ہما کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔

''تم جانتے ہو، بہت اچھی طرح جانتے ہو۔'' ظل نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن پھر بھی جب تم ایسی بات کرتے ہو تو مجھے زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ ہمایوں تم اپنے آپ کو خوامخواہ کی مشکل میں مت ڈالو۔ گھر میں سب ہیں تم اپنا وقت انجوائے کرو۔'' اس نے رخ موڑا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

ہمایوں کو اس کا یوں چلے جانا اچھا نہیں لگا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ کتنی حقیقت پسند تھی۔ اسے خود پر افسوس ہونے لگا وہ یوں اپنے جذبات کا اظہار کر کے اس کے دل کے تار چھیڑ دیتا تھا۔ زندگی کی حقیقتوں کا مردانگی سے سامنا کرتی اس لڑکی کو خود پر قابو پانا کتنا مشکل ہو جاتا ہوگا۔ یہ اسے اس روز ہی اندازہ ہوا تھا۔ اس نی روح اس کے اندر پھڑپھڑائی اور اس کا دل چاہا کہ وہ اسی وقت جا کر اماں سے کہہ دے کہ اسے صرف اسی لڑکی ظل ہما سے ہی شادی کرنا تھی مگر پھر اسے چند ایسے اہم کام یاد آ گئے جن کا مکمل ہونا اس کی اپنی شادی سے زیادہ ضروری تھا۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر باہر آ گیا۔ ڈائننگ روم میں اسی موضوع پر گفتگو جاری تھی جس پر اس کے یہاں سے اٹھنے سے پہلے بات ہو رہی تھی۔

''تم میں سے کسی نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' اماں نے اس کو دیکھ کر کہا۔

''اماں یہ کہانی بڑی پرانی ہے، برا وقت آنے پر جو عزیز رشتے دار قریب نہیں آتے وہ حالات بہتر ہوتے ہی بہت اپنائیت جھاڑتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ سے سنتے چلے آ رہے ہیں۔ کوئی نئی بات کریں۔'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''نئی بات تو یہ ہے کہ پرانے گلے شکوے بھلا کر انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوتے ہوئے کسی پھپھو کی بیٹی سے تمہاری اور کسی ماموں کی بیٹی سے میری شادی ہو جائے۔'' اسد نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''ہاں یہ خوب کہا تم نے۔'' ہمایوں نے اس کی بات سے خط اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''پھر کیا خیال ہے تم سے آغاز نہ کیا جائے۔ پھپھو نعیمہ کی بیٹی صوبیہ خاصی طرح دار چیز ہے۔''

''زہے نصیب.....'' اسد پر بھی غالباً گھر کا مخصوص ماحول اثر کر گیا تھا۔ جبھی وہ پہلی مرتبہ ہنس کر بولا۔

''بکو مت تم دونوں۔'' اماں کو طیش آ گیا۔ ''میرے جیتے جی کسی رشتے دار کی بیٹی اس گھر کی بہو بن کر نہیں آ سکتی۔ چاہے وہ میرا رشتے دار ہو، چاہے تمہارے باپ کا۔''

''ٹھنڈ رکھیں، اماں، کول ڈاؤن۔'' ہمایوں نے بے ساختہ کہا۔ ''اس قسم کے دعوے کرنے کی کیا ضرورت ہے، جب دل میں ایک بات سوچ لی تو سوچ لی۔ یوں سب سے بے رخی برت کر کیا ہم یہ ثابت نہیں

کریں گے کہ ہم ان سے چنداں مختلف نہیں۔''

''تو تمہارا کیا خیال ہے انہیں سر آنکھوں پر بٹھالیں۔''

''ضروری نہیں۔'' ہمایوں نے رخشی سے چائے کا کپ لیتے ہوئے کہا۔''بس فارمل انداز میں ملا کریں سب سے۔ یوں اس طرح کی باتیں زعم اور غرور کے زمرے میں آ جاتی ہیں اور جو خدا اتنے برس کی ریاضت کے بعد مہربان ہوا ہے اسے نامہربان ہوتے اور دوبارہ سے آزمائش میں ڈالنے کو کونسا کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہے۔''

''ہوں۔'' یہ وہ دلیل تھی جس کا جواب اماں کے پاس نہیں تھا۔''اب دیکھ لینا تھوڑی دیر بعد لائن لگ جائے گی مٹھائی کے ڈبوں اور کیک لے کر آنے والوں کی۔ اسد کی واپسی کی مبارکباد دینے والوں کی۔ جب گیا تھا اس وقت سب کہتے تھے ساری عمر یہاں آوارہ گردی اور دکانداریاں کرتے گزار دی، یہ لڑکا کیسے پڑھے گا باہر جا کر۔ اب کسی کو یہ بات یاد نہیں ہوگی۔''

''چلتا ہے اماں، سب چلتا ہے ہم بھی مختلف نہیں، شاید ہم ان کی جگہ ہوتے تو یہی کچھ کرتے۔'' اسد نے بات ختم کرنا چاہی مگر اماں مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

''تم دونوں اتنا خیال تو کرو گے ہی میرا کہ میرا دل جلا کر خاک کر دینے والوں سے کوئی ایسا تعلق نہیں جوڑو گے۔''

''ہم آپ کی مرضی کے بغیر کوئی بھی تعلق جوڑنے کا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں اماں۔'' اسد ان کے شانوں پر ہاتھ رکھے انہیں یقین دلا رہا تھا۔ ہمایوں کے دل نے ایک دھڑکن مس کر دی۔



اس روز گھر میں بے حد ہنگامہ رہا۔ محلے والی آپا صالحہ کی علاوہ لاہور سے آپا شمیم اور فیصل آباد سے سعدیہ بھی اسد سے ملنے آ گئی تھیں۔ اماں کے بقول کب کے سوئے رشتے دار بھی جاگ پڑے تھے۔ وہ ایک مصروف اور ہنگامہ خیز دن تھا۔ ظل ہما کو اپنے جلے ہوئے ہاتھ کی جلن کو یکسر فراموش کر کے کاموں کے انبار نمٹانے پڑے تھے۔ آپا سکینہ کو کام نمٹانے سے زیادہ مہمانوں کے ساتھ خوش گپیاں کرنے کا شوق تھا وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کام چھوڑ کر کسی بہانے سے باہر نکل جاتی تھیں اور وہ اکیلی کچن میں رہ جاتی تھی۔ ہمایوں کی لگائی کریم کب کی اتر چکی تھی اور ہاتھ پر سرخی بڑھتی جا رہی تھی مگر اسے اس ہاتھ کی طرف دیکھنے کی بھی فرصت نہیں مل پائی تھی۔

وہ مصروفیت سے بھرپور دن رات گئے ختم ہوا تھا۔ اس نے برتنوں کا آخری ڈھیر دھو کر رکھا اور کچن کے سلیب صاف کر رہی تھی جب اسے سیڑھیوں کی طرف جاتا سایہ نظر آیا۔''وہ ابھی بھی نہیں تھکا۔'' اس نے دل میں سوچا مگر وہ جانتی تھی کہ وہ اپنا معمول کبھی بھی بدل نہیں پایا تھا اور اس سے اگلی صبح تو اسے واپس چلے جانا

تھا۔ اس نے کچن کا فرش صاف کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور لائٹ آف کر کے باہر نکل آئی۔ دبے قدموں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتے ہوئے اسے وہ تمام پرانے دن یاد آ گئے جب وہ اسی طرح کام نمٹا کر ہمایوں سے چند باتیں کرنے کے لیے اوپر چھت پر آنے کو بے چین ہوا کرتی تھی۔ زندگی کے سخت کٹھن اور ناخوشگوار دنوں میں یہی ایک واحد تفریح اسے میسر تھی۔ محبت پر ہونے والی باتیں کتنی معصوم اور بے ضرر ہوتی تھیں۔ وقت کے اہم مسائل، آنے والے دنوں کے پلان، ایک خوشگوار مستقبل کے خواب اور چند وعدے۔ برسوں سے یہ معمول ایسے ہی چلا آ رہا تھا۔ جب ہمایوں یہیں تھا اور یہیں پڑھتا تھا اس وقت وہ مختلف ٹیوشنز پڑھا کر رات گئے لوٹتا تھا۔ بڑی ماں نیند میں ہی اسے آواز دیتیں۔

''ظل اٹھ، ہمایوں کو کھانا دے۔'' اور ظل تو ان کے کہنے سے پہلے ہی باورچی خانے میں گھس چکی ہوتی تھی۔ نیچی پیڑھی پر بیٹھ کر چھوٹی سی میز پر رکھا کھانا کھاتے ہوئے وہ زبردستی چند نوالے اس کے منہ میں بھی ڈالا کرتا تھا۔

''مجھے معلوم ہے تم نے کھانا نہیں کھایا۔'' وہ کہتا یا پھر...... ''مجھے پتہ ہے تم نے یہ والا سالن ہرگز نہیں کھایا ہوگا۔'' اس وقت سب گھر والے گہری نیند سو چکے ہوتے تھے اور کسی کے ذہن کے کسی کونے میں بھی یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ ہمایوں، ظل ہما کو اتنی لفٹ کروا سکتا تھا کہ رات گئے اس کے ساتھ رومانس میں مصروف ہو جاتا۔

بعض اوقات خود ظل ہما کو بھی حیرت ہوتی ہمایوں کے دل میں اس کے لیے اتنی نرمی خدا نے کیسے ڈال دی تھی۔ جب سے اپنی امی کی وفات کے بعد وہ اس گھر میں ترس کھا کر لائی گئی تھی اس نے یہاں کے سب مکینوں کی نظروں اور دلوں میں اپنے لیے حقارت محسوس کی تھی، گلے پڑ جانے والی مصیبت کا سا احساس دلاتی نظریں۔ یہاں آنے کے چند دن کے بعد ہی اس نے گھر میں اپنی حیثیت متعین کر لی تھی۔ وہ یتیم تھی، بے آسرا تھی اس کے سر پر کوئی چھت نہیں تھی اور یہ بڑے ابو (اس کے تایا) کا بڑا احسان تھا جو وہ اسے اپنے پاس لے آئے تھے۔ اس کی محرومیاں کسی کی وجہ سے نہیں خدا کی طرف سے آئی تھیں اور اب اسے اپنے حالات سے سمجھوتہ کرنا تھا۔ ان دنوں وہ چوتھی جماعت میں پڑھتی تھی۔ اس نے بڑے ابو کو یقین دلایا تھا کہ وہ گھر میں رہ کر بھی اتنی ہی محنت سے پڑھے گی جتنا وہ سکول جاتے ہوئے پڑھتی۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ بڑے ابو اس کو سکول داخل کروا کر اس کے اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس نے گھر کے کاموں میں بھی از خود دلچسپی لینا شروع کر دی تھی یہ اور بات کہ اس کا بہت محنت اور شوق سے کیا ہوا کام بھی بڑی اماں کو کبھی پسند نہیں آیا تھا۔ یہی حال باقی لوگوں کا تھا۔ سوائے بڑے ابو کے۔ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے بڑے بڑے کام کرنا جلد ہی سیکھ گئی تھی مگر ڈانٹ اور کبھی کبھی کی مار جیسے اس کی زندگی کا حصہ بن گئی تھی۔

اسے اس گھر میں آئے تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا کہ بڑے ابو اچانک فوت ہو گئے۔ یہ گھر والوں کے لیے

ایک بڑا صدمہ تھا مگر ظل ہما کے لیے دنیا ہی اندھیر ہو جانے والی بات تھی۔ دنیا بھر میں ایک وہ واحد سہارا، وہ واحد تسلی، وہ واحد دلاسہ جو خدا کے بعد اسے حاصل تھا ختم ہو گیا تھا۔ اب وہ بالکل ہی حالات کے رحم و کرم پر تھی اور یہی وہ دن تھے جب بڑی اماں کی بدسلوکی، اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ اس نئی صورتحال میں جب انہیں اپنے چھ بچوں کی کفالت انتہائی مشکل نظر آ رہی تھی تو اس کا وجود ان کی نظروں کو پہلے سے زیادہ بڑا بوجھ نظر آنا ایک قدرتی بات تھی۔ ان دنوں میں تو انہیں ایسا لگتا تھا کہ جیسے سایہ بھی ان کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ وہ اس کی زندگی کے بدترین دن تھے مگر یہی وہ دن تھے، جب ہمایوں اس پر مہربان ہونا شروع ہوا تھا۔ اپنے حصے کے کھانے میں سے اس کے لیے کھانا بچانا، اپنی کتابیں اسے پڑھنے کے لیے دینا اور کبھی کسی پچیس، پچاس پیسے کے سکے سے اس کے لیے کوئی رنگ برنگ ٹافی یا میٹھی سونف لانا اس کا معمول بننے لگا تھا۔

انہی دنوں صالحہ آپا اور آپا شمیم نے سلائی کڑھائی کا کام شروع کیا تھا گھر میں کاغذ کے لفافے بننے کے لیے آتے تھے اور کروشیے کے دستانے بنانے کے لیے دھاگہ پھر فٹ بال سینے کا گر جانا جانے لگا اور گھر بھر ایک ایسی طویل جدوجہد میں مصروف ہوا جس کا ماحصل ہمایوں اور اسد کا آج تھا۔ ظل ہما کا اس جدوجہد میں کیا حصہ تھا۔ اس نے کب، کب اور کہاں کہاں اپنی محنت سے جمع کیے ہوئے پیسے ہمایوں کی نذر کیے تھے یہ صرف ایک شخص کو یاد تھا اور وہ شخص ہمایوں ہی تھا۔ خود ظل ہما کو وہ سب حساب کتاب یاد نہ تھا جو اس نے ہمایوں کی خاطر جوڑا تھا مگر ہمایوں کو سب یاد تھا۔ ظل ہما کو صرف اتنا یاد تھا کہ اس کے بدلے شاید ایک ٹوکن آف تھینکس کے طور پر وہ اپنی کتابیں اسے پڑھنے کو دے دیا کرتا تھا پھر ان کتابوں میں لکھے ہوئے پر تبادلۂ خیالات کا وقت آیا اور یہ اس وقت ہوتا جب ہمایوں دن بھر کی مصروفیت کے بعد رات گئے گھر آتا تھا اور وہ اسے کھانا دیا کرتی تھی پھر کھانے کے بعد وہ چھت پر چلا جاتا اور کتنی ہی دیر تک وہ کتابوں میں لکھی باتوں کو دُہرایا کرتے تھے۔ وہ اسے اپنے دوستوں سے کہانیوں کی کتابیں، ڈائجسٹ اور پرانے اخبار لا کر دیا کرتا تھا اور وہ پڑھنے کی انتہا سے زیادہ شوقین وقت ملنے پر ایک ایک لفظ پڑھ ڈالتی۔ ان کتابوں اخباروں اور رسالوں نے اسے شعور کی وہ پختگی عطا کی جو ان لوگوں کو بھی کم ہی نصیب ہوتی ہے جنہیں پڑھنے کی تمام سہولتیں میسر ہوتی ہیں۔

یہ معمول برسوں جاری رہا اور اب تک جاری تھا۔ اب جب کہ ہمایوں اپنی من چاہی منزل پا چکا تھا اور دنیا کی نظروں میں ایک کامیاب اور معتبر شخص تھا۔ ظل ہما کو اس پر بھی حیرت ہوتی تھی وہ اتنی دنیا دیکھ چکا تھا اس نے زندگی کے بہت سے اچھے اور سنہرے رنگ ڈھنگ بھی دیکھ لیے تھے پھر وہ اس کی اس محدود سی دنیا میں اب تک اتنا انوالو کیوں تھا۔ کیا وہ صرف پرانے وعدوں کی زنجیر میں جکڑا ہوا تھا اور بے بس تھا۔ کیا وہ اتنا بامروت تھا کہ مروت نبھانے کی خاطر ایک اچھے پرکشش مستقبل سے منہ موڑنا چاہتا تھا۔ ہمایوں کی جدوجہد اور اس کی منزل کا حصول ظل ہما کا بھی سب سے بڑا خواب تھا مگر اس خواب کی تعبیر پا لینے کے بعد اس کے ذہن و دل ایک نئی کشمکش میں پڑ گئے تھے۔ اپنی زندگی اور حالات سے وہ ایک طرح کا سمجھوتہ کر چکی تھی مگر ہمایوں کی محبت

اس کے دل میں اس طرح جاگزیں تھی کہ وہ اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتی تھی۔ اس نے راتوں کو جاگ کر محبت کے موضوع کے ہر پہلو پر غور کیا تھا اور اسے اپنے سوالوں کے مختلف جواب ملے تھے۔ محبت کا سب سے بڑا تقاضا قربانی ہے اور قربانی کا تقاضا اس سے محبت پر آہنی پردے ڈال دینا تھا۔ وہ ایسا کرنے کی ہمت مجتمع کرنے کی کوشش میں بے حال ہوئی جا رہی تھی مگر اسے لگتا تھا اس کوشش میں اس کے حصے میں ناکامی ہی آئے گی۔ اس کا ایک بڑا ثبوت اس رات اس کے ارادے کے برخلاف دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھنا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ قربانی کے پہلے قدم کے طور پر وہ ہمایوں کو انتظار کرتا چھوڑ دے گی اور اوپر نہیں جائے گی۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکی تھی۔ وہ پورے چاند کی رات تھی اور چھت پر روشنی پھیلی تھی۔

''مل گئی تمہیں فرصت......؟'' وہ منڈیر کے ساتھ لگا چاند کی طرف دیکھ رہا تھا اور اسے اپنے عقب میں اس کے بے آواز قدموں کی آواز سنائی دے گئی تھی جبھی پیچھے مڑے بغیر یقین سے بولا۔

''کام بہت تھا۔'' ظل نے نیچی آواز میں کہا۔

''کام اتنا نہیں تھا ظل، تم نے اسے دانستہ دیر سے نمٹایا۔'' اب وہ اس کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

''میں اوپر آتے ہوئے تمہارا باقی بچا کام دیکھ آیا تھا۔'' وہ کیوں بھول گئی تھی کہ وہ اسے بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ ظل نے دل میں سوچا۔

''اور یہ'' پھر اس نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ جس پر مدھم سے داغ پڑ چکے تھے اور اب ہلکے سرمئی ہو رہے تھے۔

''اس اجتناب کی، گریز کی اور فرار کی وجہ پوچھ سکتا ہوں ظل......'' اس نے اس کے ہاتھ کے نشان کو دیکھتے ہوئے پوچھا ''میں آج سارا دن نامحسوس طریقے سے تمہیں واچ کر رہا ہوں۔ تمہارے قدرتی انداز کا ردھم بدلا بدلا سا ہے کیا مسئلہ ہے، مجھے نہیں بتاؤ گی؟'' اس کے لگاوٹ بھرے آخری جملے کو سن کر ظل ہما کا دل بھر آیا۔ وہ اپنے آنسو ہمایوں سے چھپانا چاہتی تھی مگر ہمایوں نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنی طرف موڑ لیا۔

''کیوں، مجھ پر شک ہو گیا کیا؟'' وہ مسکرا کر بولا ''میں نے برا کیا جو اس روز وہ بات تمہیں بتا دی مگر ذرا عقل سے سوچو کہ میری نیت میں کوئی فتور ہوتا تو تم سے وہ بات کیوں شیئر کرتا۔''

''بولو نا......؟'' اس کی خاموشی پر اس نے دوبارہ پوچھا۔

''مجھے تمہارے خلوص اور تمہاری چاہت پر کوئی شک نہیں ہے ہمایوں۔'' کچھ دیر بعد ظل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''مگر میرا دل مجھے مجرم قرار دیتا ہے جب یہ سوچتا ہے کہ تم ایک بہت اچھی زندگی کو محض ایک جذباتی عہد کو نبھانے کے لیے نظر انداز کر رہے ہو۔''

''شٹ اپ۔'' وہ ڈپٹ کر بولا ''مجھ سے بات کرتے ہوئے تمہارے لہجے میں ایسی شرمساری اور ندامت کا احساس اتر آئے تو میرے لیے اس سے بڑا سانحہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ تم مجھے اردو ادب کے اولین اصلاحی ناولوں کا کوئی کردار ثابت کرنے پر کیوں تلی ہوئی ہو۔ یہ میں ہوں اور میں اپنا علیحدہ تشخص رکھتا ہوں۔

میں آج کے دور کا انسان ہوں۔ مطلب پرست اور خود غرض۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ ہی میں میری خیریت ہے اور تمہارا ساتھ اسی لیے میری سب سے بڑی خواہش ہے۔'' ظل نے دیکھا اس کا چہرہ انتہائی سنجیدہ تھا اور پر یقین بھی۔ اسے خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا اور وہ شدت سے رونے لگی۔ وہ کس قدر محروم تھی لیکن کتنی بڑی دولت سے فیض یاب تھی۔

''میری جان، جہاں اتنا عرصہ صبر سے کاٹا ہے وہاں کچھ دیر اور بس کچھ دیر اور.....'' ہمایوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز جذبات سے بوجھل ہو رہی تھی۔

''اسد کہیں سیٹل ہو جائے اور رخشی کی رخصتی ہو جائے، میں نہیں چاہتا کہ میرے اظہار کے ردعمل کے طور پر ہنگامہ اٹھتا ہے وہ ان دونوں کاموں کے راستے میں رکاوٹ بن جائے۔ میں اماں کے ردعمل سے پوری طرح واقف ہوں۔ اس کا سامنا کرنے کی ہمت بھی رکھتا ہوں مگر میں اپنے فرائض سے مکمل طور پر سرخرو ہونا چاہتا ہوں۔ ان سب کی محنت اور کوشش بھی تو میری کامیابی میں شامل حال رہی ہے مجھ پر بڑا قرض ہے ان کا۔''

''میں جانتی ہوں۔'' ظل ہما نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔''

''اس بار تمہارے لیے نیا جوڑا ابھی تک نہیں آیا۔'' ہمایوں نے اب موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ وہ اس کے گھسے ہوئے ملگجے کپڑوں کو دیکھ رہا تھا۔ ظل ہما کی نظروں کے سامنے وہ رنگ برنگے، نت نئے پرنٹ گھوم گئے جنہیں دیکھتے ہوئے وہ ہمیشہ کی طرح کھو سی گئی تھی۔

''اس مرتبہ مہمانداری بہت رہی، بڑی اماں کے پاس گنجائش نہیں رہی شاید۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح ایک تاویل گھڑی۔

''ہوں۔'' ہمایوں جیسے اس کی بات سے محظوظ ہوا۔ ''دیکھتے ہیں۔'' اس نے مبہم سی بات کی۔

''تم نے وہ کتاب ختم کر لی جو پچھلی مرتبہ میں نے دی تھی۔''

''نہیں، اتنا وقت نہیں ملا۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''وہ انگریزی ادب کے ایک کلاسیکل ناول کا آسان اردو ترجمہ ہے۔ تمہیں ضرور پڑھنا ہے اس کو یاد رہے۔'' ہمایوں نے تلقین کی ''اس مرتبہ بھی دو کتابیں لایا ہوں مختصر سی۔ تم نے وہ بھی ختم کرنی ہیں میرے اگلی مرتبہ آنے تک۔'' ظل ہما نے فرمانبرداری سے سر ہلا دیا۔

''اور یہ رکھ لو۔'' اس نے اپنے والٹ سے کچھ پیسے نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا ''یہ بڑی رقم نہیں ہے۔ چند سو روپے ہیں تمہاری چھوٹی موٹی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں گی۔ آپا سکینہ سے کہہ کر منگوا لیا کرو۔''

''وہ بڑی اماں کو پل پل کی خبر دیتی ہے۔ تم یہ پیسے رہنے دو ہمیشہ کی طرح پڑے ہی رہ جائیں گے۔''

''تم میری تسلی کے لیے رکھ لو، ہمیشہ کی طرح۔'' ہمایوں نے پیسے اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا

''اور.....'' اس نے اس کی گیلی آنکھوں پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا ''بس چند دن اور میری جان فقط چند دن۔''

''یہ تو فیض احمد فیض ہیں'' ظل نے بے اختیار کہا۔

''یہ بات صرف تمہیں ہی یاد رہ سکتی تھی۔'' وہ مسکرایا ''پہلے تم نیچے جاؤ، میں بعد میں آؤں گا۔'' اس نے کہا اور پھر اسے آہستہ قدموں سے واپس جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔



رفیعہ نے حیرت سے مائرہ کی طرف دیکھا۔ انہیں پہلے پہل تو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا لیکن پھر جیسے وہ اس کی کہی بھید بھری بات کے راز کو کچھ کچھ سمجھنے لگی تھیں۔

''آپ مجھے سمجھانے اور اس بات کی اونچ نیچ کو جان لینے کی نصیحت مت کیجئے گا ماما کیونکہ میں اس کے ہر پہلو پر غور کر چکی ہوں۔'' مائرہ نے ان کے چہرے پر پھیلے تعجب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' رفیعہ نے چونک کر سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''میں سمجھتی ہوں۔''

''کیا سمجھتی ہیں ماما.....؟'' مائرہ کو پہلی مرتبہ اپنی ماں کے فہم پر جھنجھلاہٹ محسوس ہوئی۔

''میں سمجھتی ہوں کہ تم اتنی نادان تو ہرگز نہیں کہ کوئی احمقانہ اور جذباتی فیصلہ کرلو یقیناً تم نے اس کے ہر پہلو کو سوچا ہوگا۔'' رفیعہ نے اپنی بات مکمل کی۔

''پھر آپ کے چہرے پر تذبذب اور لہجے میں ہچکچاہٹ کیوں ہے ماما.....؟'' مائرہ نے صاف بات کی۔

''وہ اس لیے کہ میرا تجربہ کہتا ہے کہ دنیا میں کبھی بھی دو انسان بالکل ایک جیسے نہیں ہوتے، ایک ساتھ پیدا ہونے والے دو بچے بھی نہیں، شکل صورت کی مشابہت رکھنے والے ٹوئنز بھی نہیں۔ ہر انسان اپنی الگ فطرت لے کر پیدا ہوا ہے۔''

''یہ میں نے کب کہا ہے کہ میں دوسرے کو پہلے سے مماثل کر رہی ہوں؟'' مائرہ نے تنگ کر کہا۔

''مجھے بھی علم ہے کہ فرق ہے بہت فرق ہے۔ مگر مجھے ہر صورت ہمایوں سے ایک تعلق جوڑنا ہے۔ وہ میرا آئیڈیل ہے۔''

''تمہارا آئیڈیل ہمایوں ہے اور ہمایوں جیسا کوئی دوسرا ہو نہیں سکتا۔ دنیا میں اس سے بہتر بہت سے لوگ ہوں گے اور کئی اس سے کم خصوصیات والے بھی ہوں گے مگر اس جیسا کوئی بھی نہیں ہوگا۔ وہ بھی نہیں جس کا ذکر تم کر رہی ہو۔ چاہے وہ ایک ہی ماں کے پیٹ کے جنے ہوں۔'' رفیعہ نے مائرہ کے لہجے کی قطعیت دیکھ کر دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

''میں نے یہ کب کہا ہے کہ وہ ہمایوں جیسا ہے۔'' مائرہ نے سختی سے کہا ''مگر وہ کئی لوگوں سے بہتر ہے اور جو فیصلہ میں نے کیا ہے اس میں کسی ردوبدل کی گنجائش نہیں ہے۔''

''ہوں۔'' رفیعہ نے کچھ سوچتے ہوئے گہرا سانس لیا ''پہلے اس سے بات تو کرلو کہیں وہ بھی تو پہلے

سے کمٹڈ نہیں ہے کہیں۔''

''ہوگا بھی تو میرے لیے اپنی کمٹ منٹ چھوڑ دے گا مجھے اس کا یقین ہے۔'' مائرہ نے تفاخر سے کہا

''آپ خود تو کہہ رہی ہیں کہ ہر کوئی ہمایوں نہیں ہوسکتا۔''

''مجھے تمہاری سمجھداری پر کبھی شک نہیں ہوا۔ تم اپنا برا بھلا بہت اچھی طرح جانتی ہو۔ پھر بھی میں احتیاطاً کہہ رہی ہوں کہ ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔'' رفیعہ نے کہا۔

''آپ کے کہنے پر ضرور سوچ لیتی ہوں مگر مجھے اپنے آئیڈیل کے غلط ہونے کا ذرا سا بھی اندیشہ نہیں ہے۔'' مائرہ نے بے نیازی سے جواب دیا تھا۔

☆

''تم نے غلط سنا ہوگا یا تم اب مذاق کر رہے ہو مجھ سے۔'' اسد نے ہمایوں کی طرف بے یقینی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں حق ہے ایسا سوچنے کا۔'' ہمایوں نے سنجیدگی سے کہا ''مگر نہ میرے کانوں نے غلط سنا نہ ہی میرے الفاظ غلط ہیں۔ حقیقت یہی ہے۔''

''مگر میں......وہ......'' اسد کے انداز میں اضطراب تھا۔

''میرا نہیں خیال کہ تم میں کوئی ایسی کمی ہے کہ تم تذبذب کا شکار ہو جاؤ تمہاری موجودہ پوزیشن کسی کے لیے بھی پرکشش ہوسکتی ہے۔'' ہمایوں کو اس کا یوں منمنانا اچھا نہیں لگا تھا۔

''میں جانتا ہوں'' اسد نے تیزی سے جواب دیا۔ ''میں مختصر سے وقت ہی میں جان گیا ہوں اعلیٰ تعلیم، پوزیشن، سیکیورڈ جاب ایک ایسا اعزاز ہے اس ملک میں کہ جسے پبلک سجدے کرتی ہے۔ میں نے اپنے لیے حقارت کا پیغام لیے ہوئے چہروں پر محبت اور اپنائیت دیکھی ہے۔ جن لوگوں کو کبھی ہم منہ اٹھا کر دیکھا کرتے تھے وہ ہمارے سامنے یوں بچھے جاتے ہیں کہ ان کا قد کاٹھ مختصر سا نظر آنے لگا ہے۔ صنف نازک کی وہ ہستیاں جن کے سیٹ اپ اور طرز زندگی کے باعث ہمیں ان کی جھلک صرف فٹ پاتھ سے خریدے فیشن میگزینز میں دیکھنے کو ملتی تھی دایاں ہاتھ خود سے بڑھائے دوستی کی خواہش مند نظر آتی ہیں مگر مائرہ...... مائرہ یار......'' وہ کہتے کہتے رکا ''مائرہ کا معاملہ ایک ڈفرنٹ بال گیم ہے۔ میں ایسا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ وہ مختلف ہے بہت مختلف۔ میں وہ گیم نہیں جانتا میں نے اس بال کو ہٹ کرنے کی پریکٹس کبھی نہیں کی۔''

''نہیں کی تو اب کرلو۔'' ہمایوں نے بے پروائی سے کہا ''تم پر بلاوجہ ہی ہیبت طاری ہوگئی ہے، اس میں کیا خاص بات ہے۔ جن لڑکیوں کی تم بات کر رہے ہو وہ ان سے مختلف تو نہیں۔''

''نہیں یار، وہ تو عام سی، سیدھی سادی بیوقوف سی لڑکیاں ہوتی ہیں دو چار باتوں میں آجانے والی۔ مائرہ از ڈفرنٹ شی از ڈیفینٹلی ڈفرنٹ، وہ جینیس ہے اور جینیس لڑکیوں کے ساتھ ڈیل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔''

''تم یہ بتاؤ کیا وہ تمہیں اچھی نہیں لگتی؟'' ہمایوں نے اس کی طویل بات کے جواب میں مختصر سوال پوچھا۔ اس کو اس سوال پر وہ پہلی ملاقات یاد آ گئی الف لیلوی دنیا کی وہ کردار جو زندہ اس کے سامنے موجود تھی اور جسے دیکھ کر اس ذہن کتنے سارنگا تھا اور پھر شانزے، لیزے کے بازاروں میں چلتی پھرتی لڑکی کا سادہ حلیہ جو اس ولایت پلٹ کو ایک لمحے کے لیے مرعوب کر گیا تھا۔

''یہ بات بڑی عجیب سی ہے۔ تم اس فیملی سے اور اس لڑکی سے بہت قریب ہو، تمہارے بجائے انہوں نے اور اس نے میرا انتخاب کیوں کیا؟'' اسے اچانک خیال آیا۔

''اپنے اپنے انتخاب کی بات ہے، ہوسکتا ہے جو بات انہیں تم میں نظر آئی ہو وہ مجھ میں نہ آئی ہو۔'' ہمایوں تحمل سے اس کی بات کا جواب دے رہا تھا۔

''یہ بات ماننے میں نہیں آتی۔ وہ وہاں تمہارے ساتھ تھی، یہاں تمہارے ساتھ ہے اتنے عرصے سے اور تم دونوں کے درمیان کسی قسم کے انڈرسٹینڈنگ ہی قائم نہیں ہو پائی۔'' اسد کے لہجے میں پھر شک تھا۔

''دیکھو اگر ایسا ہوتا تو وہ یہ بات کب کی مجھ سے کر چکی ہوتی، مگر ایسا نہیں ہوا البتہ تمہیں دیکھتے ہی تم پر لٹو ہو گئی۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارا دل کیا کہتا ہے؟''

''مجھے سوچنے دو، میں غور کروں گا پھر بتاؤں گا۔'' اسد نے سنجیدگی سے کہا اور ہمایوں مسکرا دیا۔ یہی بات جب پہلی مرتبہ اس سے کہی گئی تھی اور اس کے کانوں نے سنی تھی وہ بھی اسی طرح حیران ہوا تھا۔ اس کے لیے بھی یہ بات اتنی ہی شاکنگ تھی جتنی اسد کے لیے تھی۔ اسے رفیعہ آنی کی اس بات پر قطعاً یقین نہیں آیا تھا کہ وہ مائرہ کی شادی اسد سے کرنے کے لیے صرف اس لیے سوچ رہی تھیں کہ اسد بھی اسی ماں کا بیٹا اور اسی تربیت کا پرتو تھا جس نے ہمایوں کی شخصیت کو سنوارا تھا، وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ اسد اس سے بالکل مختلف شخصیت رکھتا تھا۔ اسے ان کی اس دلیل پر بھی یقین نہیں آیا تھا کہ وہ اس خاندان سے تعلق جوڑنا چاہتی تھیں جس سے ہمایوں کا تعلق تھا اور یہ کہ وہ اسد کو اچھی طرح جانچ چکی تھی۔ اسے اس روز اس بات پر بھی حیرت ہوئی تھی کہ جب سے اسد کو ایک امارات بیسڈ بینک میں نوکری مل تھی وہ کئی بار مائرہ کے گھر اس کے بغیر بلایا گیا تھا اور جاتا بھی رہا تھا۔ اسد نے اس سے اپنا وہاں جانا کیوں چھپایا تھا یہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا مگر رفیعہ آنی کا اسد کو یوں اپنے ہاں بلانا اسے بتائے بغیر یہ اس کی سمجھ میں اچھی طرح آ گیا تھا۔ اس نے رفیعہ آنی کی تجویز پر کوئی بھی تبصرہ کرنے سے پہلے اسد سے بات کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اسد کی گفتگو سے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا کیا خیال ہے۔



''جانتے تو وہ تمہیں تھے اتنے عرصے سے، یہ اسد ان کی نظروں میں کیسے سما گیا؟'' یہ تجویز جب اماں کے سامنے رکھی گئی تو ان کا ردعمل بھی حسب توقع تھا۔

''بس چوائس کی بات ہے نا اماں......!'' ہمایوں نے نیچی آواز میں کہا ''جس حیثیت سے وہ اسد سے تعلق جوڑنا چاہتے ہیں ہوسکتا ہے میں انہیں اس کے لیے موزوں نہ لگتا ہوں۔''

''ایسے ہی موزوں نہ لگتے ہو۔'' اماں نے ہاتھ نچا کر کہا ''تم میں کیا کمی ہے؟'' ہمایوں ان کی کلغی میں لگا ایسا پر تھا جوان کے خیال میں دل لبھانے کے سارے لوازم رکھتا تھا۔

''اماں ایسے فیصلے جذبات سے نہیں عقل سے کیے جاتے ہیں۔'' ہمایوں نے ان کے قریب سے اٹھتے ہوئے کہا ''اور وہ بہت پڑھے لکھے سمجھدار لوگ ہیں۔ انہوں نے بھی بہت سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اب کے اماں کی آواز پست پڑی ''میرا تو دل تھا کہ ایسے اونچے اور شاندار گھرانے میں تمہاری شادی کروں گی اور ایسی دھوم دھام سے کروں گی کہ دنیا دیکھتی رہ جائے گی۔ یہ اسد ہے ہی قسمت کا دھنی، اتنے سال چپ شاہ کا روزہ رکھے ادھر اُدھر گھومتے گزار دیئے پھر تم نے اس کی انگلی پکڑ لی حالانکہ تم چھوٹے تھے اس سے، ولایت میں پڑھائی کسی کسی کے نصیب میں ہوتی ہے یہ گلیوں میں رلتا ولایت پہنچ گیا۔ پڑھ بھی لیا، نوکری بھی لگ گئی اور اب چند ملاقاتوں میں ہی ان لوگوں نے اسے داماد کے طور پر قبول بھی کرلیا۔'' وہ خود سے باتیں کررہی تھیں۔

''چلو خیر، تمہارے لیے کونسی کمی ہوگی۔ جب کرنے لگیں گے تو انشاء اللہ بڑے بڑے لوگ خود رشتہ ڈالیں گے جیسے انہوں نے ڈالا۔''

ہمایوں ان کی گفتگو سنتا تیزی سے کروٹ بدلتے حالات پر غور کررہا تھا۔ اس ویک اینڈ پر اسد اس کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ اسے مائرہ کے ہاں سیچرڈے نائٹ ڈنر پر جانا تھا۔ اسے محسوس ہورہا تھا کہ آنٹی رفیعہ اور انکل عمر اسے یکسر نظر انداز کررہے تھے اور اسد کو ضرورت سے زیادہ پروٹوکول دیا جارہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ لوگ اسد کے گرد گھیرا تنگ کررہے تھے۔ وہ ہر وقت ان کی تعریفوں میں رطب اللسان رہتا تھا اور مائرہ پر تو وہ جی جان سے فدا ہوچکا تھا۔ اس کے دن رات ہی بدلے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ہمایوں یہ بھی جانتا تھا کہ خود اس کے اپنے گھر میں اس پروپوزل کا ردعمل خوشگوار ہوگا۔ وہ سب لوگ تو اس بات کے منتظر تھے کہ اسد اور اس کی موجودہ پوزیشنز سے متاثر ہوکر تگڑی آسامیاں ان سے رشتہ جوڑنے کی چاہ میں ان کی دہلیز تک آئیں۔ وہ اپنے عزیزوں، رشتے داروں کو دکھانا چاہتے تھے کہ بگڑی ہوئی قسمتیں کس طرح اور کس حد تک سنورتی ہیں۔ وہ اپنے ذہن میں فیصلہ نہیں کرپارہا تھا کہ اس صورتحال سے وہ مطمئن تھا یا نہیں۔ اسے رفیعہ کی فراست پر پہلی دفعہ شک ہوا تھا مگر پھر اسے اپنے تجربے اور معاملہ فہمی میں کمی یاد آجاتی شاید وہ ہی غلط سوچ رہا تھا۔ اس سارے قصے میں اسے اسد کی خوشی پر البتہ خوشی ضرور محسوس ہوتی تھی۔ اسد مطمئن اور بشاش نظر آتا تھا اور یہ اس کے خیال میں اچھی بات تھی۔

☆

ظل ہما نے اسی سیزن میں دوسری مرتبہ گھر میں شاپنگ بیگز کے ڈھیر دیکھے تھے ان شاپنگ بیگز سے سیزن کے کپڑے برآمد نہیں ہوئے تھے۔ اس شاپنگ کو دیکھتے ہی گمان ہوتا تھا کہ گھر میں کسی تقریب کا امکان تھا بلکہ عام تقریب کی نسبت کسی شادی بیاہ کا امکان نظر آتا تھا۔ چند ہفتوں سے بڑی اماں اور تینوں بڑی آپاؤں کے صلاح مشورے اور آنا جانا معمول سے زیادہ ہو گیا تھا۔ بڑی اماں اور سب بہنیں دو دن کے لیے لاہور چلی گئیں۔ واپسی پر ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ صاف دکھ رہا تھا کہ انہوں نے کوئی بڑی دولت پائی تھی پھر گھر کی صفائی ستھرائی اور رنگ و روغن کا اہتمام ہونے لگا۔ گھر کی سجاوٹ سے متعلق بے شمار شاپنگ کی گئی یوں کہ دنوں میں گھر کی شکل ہی بدل گئی۔ اس دوران ویک اینڈ پر بلکہ کبھی آگے پیچھے بھی اسد ہی گھر آتا رہا ہمایوں کو گھر آئے کئی ہفتے گزر گئے تھے وہ یقیناً اس سارے معاملے کو سمجھ نہیں پائی تھی۔ آخری مرتبہ جب ہمایوں گھر آیا تھا اس رات بارش کی وجہ سے ان کی ملاقات بھی نہیں ہو پائی تھی۔ شاید وہ اسے کچھ بتاتا مگر...... ساتھ ہی اس کا دل وہموں کا شکار ہو جاتا۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا اور کس کے سلسلے میں ہو رہا تھا۔ رخشی کا رشتہ ایک سال سے طے تھا اور اس کے سسرال والے کئی مرتبہ ادھر آ چکے تھے۔ یہ تمام اہتمام اس کے سلسلے میں تو نہیں ہو سکتا تھا۔ اسد بھائی کو تو ابھی جاب ملے ہی تھوڑا عرصہ گزرا تھا پھر اس کی سوئی ہمایوں پر اٹک جاتی تھی۔ کیا یہ سب ہمایوں کے لیے ہو رہا تھا۔ ہمایوں اپنی بات کا اتنا کچا ہو سکتا تھا وہ دن میں دس امکان سوچتی اور دس کے دس کو رد کر دیتی۔ وہ اس قدر خلجان میں مبتلا تھی کہ اس نے اپنے پسندیدہ مشغلے یعنی شاپنگ کو شوق سے دیکھنے کا کام بھی نہیں کیا تھا پھر اس نے سنا کہ لاہور سے کچھ مہمان آنے والے تھے۔ اس کا دل بری طرح دھڑک گیا۔ ہمایوں کی اتنی لمبی غیر حاضری بھی اسے کھٹک رہی تھی۔ لاہور سے آنے والے مہمانوں کے لیے نئی کراکری کا اہتمام کیا جا رہا تھا اور ان کی خاطر تواضع کے مینیو ترتیب دیئے جا رہے تھے۔ اس کے ذمے بہت سے کام لگائے گئے تھے اور وہ ان سب کاموں کو غیر حاضری دماغی کے ساتھ بنٹا رہی تھی۔ ان دنوں وہ ایسی غائب دماغی میں مبتلا تھی کہ اسے بڑی اماں کی ڈانٹ پھٹکار اور چاروں بہنوں کے ہاتھوں اکثر ہونے والی بے عزتی پر بھی رنج کرنا بھول گیا تھا۔ اسے خیال آتا تھا اس نے ہمیشہ ہمایوں کو اپنے لیے بہتر مستقبل کا انتخاب کرنے کی تلقین کی تھی اور اب وہ سوچتی تھی کہ وہ ایسا صرف اوپری دل سے کرتی تھی۔ اس تلقین میں خلوص شامل نہیں تھا۔ وہ ایسا کہتی بھی اس اعتماد کے سر پر تھی جو اسے ہمایوں کی ذات پر تھا۔ اس کا دل جانتا تھا کہ ہمایوں ایسی ہر بات رد کر دے گا مگر اب جو ہونے جا رہا تھا اگر وہ وہی تھا جو اس کا دماغ کہہ رہا تھا تو پھر اس کا دل کیوں بیٹھا جا رہا تھا اس نے اپنے دل کو سمجھانے کی کئی مرتبہ کوشش کی تھی مگر دل پر کس کا اختیار تھا۔

مہمانوں کی آمد کے مقررہ دن سے ایک دن پہلے ہمایوں بھی شام کے وقت آیا تھا۔ اس وقت ظل ہما آنے والے کل کے طعام کے لیے آیا سامان سمیٹ رہی تھی بڑی اماں خریداری کی لسٹ پکڑے ایک، ایک

چیز گن گن کر سنوار رہی تھیں ہمایوں کی آمد پر وہ ذرا دیر کو رکیں اور مسالوں کے پیکٹ ایک شاپر میں رکھتے ہوئے ظل ہما کی آنکھوں میں نہ جانے کیوں آنسو آ گئے تھے۔ اس نے سر جھکا لیا۔ بڑی اماں سے باتوں میں مشغول ہمایوں نے ایک اچٹتی سی نظر اس کے جھکے سر پر ڈالی پھر ٹھٹک گیا عین اس جگہ جہاں اس کا سر جھکا تھا فرش پر پانی کے چند قطرے چمک رہے تھے۔ اس کا دل گھبرا گیا ''نہ جانے کیا انہونی ہوئی میری غیر حاضری کے دوران جو یہ یوں مجھے دیکھتے ہی مضطرب ہوگئی۔ یقیناً کسی نے اسے بہت سخت سنائی ہیں جبھی اس کا دل اتنا بھرا ہوا ہے۔'' اسے اپنی لمبی غیر حاضری پر افسوس ہوا۔ ''باقی سب کی تو خیر ہے اس کی تسلی تو صرف میں ہوں۔'' اس نے سوچا۔

جھکے ہوئے سر کے ساتھ ظل ہما نے سنا ہمایوں کہہ رہا تھا ''کسی قسم کی کمی نہیں ہونی چاہئے امی وہ بہت وضع دار اور پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ آپ نے اس روز ان کے گھر کا انتظام اور سلیقہ تو دیکھا ہی ہوگا۔ اب اگر وہ لوگ ہم سے تعلق جوڑنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی خود کو ان کے معیار کے مطابق ثابت کرنا ہوگا۔'' اس کے دل نے ایک دھڑکن مس کر دی۔

''تو کیا بت بنی بیٹھی ہے کام چور، جاہل......! سودا اٹھا اور ہمایوں کے لیے پانی بنا کر لا اس لڑکی کو تو کن رسی کی عادت ہے بہت بری۔'' بڑی اماں کے کرخت لہجے نے اسے چونکا دیا۔



لاہور سے جو مہمان آئے، وہ میاں بیوی تھے اور ان کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی تھی۔ خوبصورتی کے ہر معیار پر پوری اترتی وہ لڑکی شاید وی آئی پی مہمان تھی۔ چاروں بہنوں نے اسے سر آنکھوں پر بٹھا رکھا تھا اور بڑی اماں، ہمایوں اور اسد بھائی اس کوشش میں مصروف تھے کہ مہمان داری میں کوئی کجی، کوئی کمی نہ رہ جائے۔ ظل اس روز کچن میں بری طرح مصروف رہی اندر کی سب خبریں آپا سکینہ اسے سناتی رہی تھی۔ وہی مختلف کاموں کے سلسلے میں اندر باہر آ جا رہی تھی۔ گھر والوں نے ان لوگوں کو سارے معاملے سے مکمل طور پر بے خبر رکھا ہوا تھا۔

''بڑی آزاد لڑکی ہے، اس کے کپڑے دیکھے تم نے؟'' آپا سکینہ نے ایک مرتبہ باہر آ کر ظل کو مخاطب کیا۔ ظل کو اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پتھر میں تبدیل ہو چکی ہو۔

''لڑکوں جیسے کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ پینٹ اور بش شرٹ۔'' ظل کو اس کے بش شرٹ کہنے پر بھی ہنسی نہیں آئی۔ ''بھلا یہ تو سوچتی مہمان بن کر جا کدھر رہی ہے۔ اب یہ پتہ نہیں رشتہ ہونا کس سے ہے، ہمایوں باؤ سے یا اسد باؤ سے۔'' آپا سکینہ خود سے گفتگو میں مشغول تھی۔ ''پھل مٹھائی تحفے تحائف تو بہتیرے آئے ہیں۔''

''ہمایوں کے لیے، ہمایوں کے لیے۔'' ظل ہما کو کچھ اور بات سمجھ نہیں آ رہی تھی سوائے اس کے اور

انہی الفاظ کی بازگشت اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

وہ دن کب اور کیسے تمام ہوا اور رات کب اور کیسے آئی، ظل کو کچھ پتہ نہیں چلا۔ بس شام کے پھیلتے اندھیروں کو دیکھ کر اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ اندھیرے ہی عمر بھر کے لیے اس کے ساتھی بننے والے تھے۔ وہ جو اندھیرے کی دنیا میں کہیں اسے مقدر کا ایک ستارہ چمکتا نظر آتا تھا اب معدوم ہوا جا رہا تھا اور اس کے معدوم ہو جانے کا تصور کر کے اس کے دل کا جو حال ہو رہا تھا وہ صرف وہی جانتی تھی۔

گھر والے دن بھر کے تھکے ہوئے تھے اگرچہ تھکنے والا کوئی کام ان میں سے کسی سے نہیں کیا تھا مگر اتنے مختلف قسم کے مہمانوں کے سامنے خود کو تقریباً ان جیسا بنا کر پیش کرنا بھی ایک کار دار تھا، جس نے انہیں یقیناً تھکا دیا تھا مگر چہرے سے مطمئن اور خوش باش نظر آ رہے تھے۔ دیر تک خوش گپیاں اور تبصرے چلتے رہے۔ آپا سکینہ نے سننے کی پوری کوشش کی مگر خاک پلے نہ پڑا۔ ان لوگوں سے ہر بات مخفی رکھی جا رہی تھی، بڑی اماں خوب جانتی تھیں کہ آپا سکینہ کا ان کی برادری کے ہر گھر میں آنا جانا تھا اور وہ ابھی محتاط رہنا چاہتی تھیں۔ ان کا رویہ اتنا سخت تھا کہ کسی کو بھی ان سے مہمانوں اور پھل، مٹھائی کی بابت پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ظل خاموشی سے کام نبٹاتی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی مگر اس کا دل انجانے اندیشوں میں گھرا ہوا تھا وہ آپا سکینہ کے کسی بھی تبصرے سے حظ نہیں اٹھا پا رہی تھی۔

پھر وہ سب ایک، ایک کر کے آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گئے۔ ظل ہما کام ختم ہو جانے کے بعد بھی باورچی خانے میں بیٹھی رہی۔ اسے خیال آ رہا تھا کہ اگر اس کے سامنے راکھ والا چولہا ہوتا تو وہ اس کی راکھ کریدتے ہی رات گزار دیتی۔ اس کے ذہن میں کوئی خیال آ رہا تھا نہ سوچ...... نہ ہی اس کا دھیان کہیں قریب سے آتی قدموں کی چاپ پر گیا۔

''تم کس چیز کا سوگ منانے میں مشغول ہو کل سے......؟'' آنے والا گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ کر بولا۔ وہ ساری جان سے کانپ گئی مگر بغیر جواب دیئے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اب کہنے کو رہ ہی کیا گیا تھا۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے ظل......؟'' اس نے اس کے ماتھے پر انگوٹھا رکھ کر زبردستی اس کا چہرہ اونچا کیا۔ ظل نے دیکھا اس کے بال گیلے تھے اور پیچھے کو برش کیے ہوئے تھے۔ اس کے جسم سے کسی لائٹ یوڈی کلون کی ہلکی ہلکی سی مہک اٹھ رہی تھی۔ ظل نے بمشکل تمام اس کے سحر کو خود پر طاری ہونے سے روکا۔

''تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے......؟'' وہ پھر پوچھ رہا تھا۔

''اب اتنی اپنائیت کا اظہار کر رہے ہو ہمایوں، مجھے کسی اشتباہ کا شکار مت ہونے دو خدا کا واسطہ ہے۔'' ظل نے دل میں سوچا۔

''ظل تمہاری خاموشی مجھے الجھا رہی ہے۔'' وہ پریشانی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ ''کیا مسئلہ ہے ظل تمہیں پتہ ہے کل سے تمہیں یوں رنجیدہ دیکھ کر میرے دل کا کیا حال ہے۔ تم کیوں خاموشی کی مار، مار رہی ہو

مجھے......؟'' وہ چڑ کر بولا۔

''کچھ نہیں، میں تھکی ہوئی ہوں۔'' ظل نے اپنا چہرہ اس کی گرفت سے چھڑا کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ ہمایوں نے کچھ دیر خاموش رہتے ہوئے اس کی بات اور لہجے پر غور کیا

''اب تم مجھ سے جھوٹ بولنے لگی ہو۔'' کچھ دیر کے توقف کے بعد وہ بولا۔ ''میں اتنے دن اس لیے نہیں آ سکا کیوں کہ اسد کے رشتے کے سلسلے میں میرا وہاں موجود رہنا ضروری تھا بہت۔'' وہ اس کے اضطراب کو اپنی غیر حاضری سے منسلک کرتے ہوئے بولا۔

''اسد بھائی کا رشتہ......؟'' ظل کے جھکے سر میں جنبش ہوئی اور اس نے بے اختیار سر اٹھا کر ہمایوں کی طرف دیکھا۔ کچن میں اندھیرا تھا مگر سامنے کی کھڑکی سے صحن میں روشن ٹیوب کی روشنی چھن کر اندر آ رہی تھی اور ہمایوں کا پراعتماد چہرہ صاف نظر آ رہا تھا، اس کی نظروں میں موجود الجھن کے آثار بھی نظر آ رہے تھے۔

''وہ مہمان جو آج آئے تھے، وہ کیوں آئے تھے؟'' اس کے دل کو حوصلہ ملا تو اس نے بے دھڑک پوچھ ڈالا۔ ہمایوں کچھ دیر اس کے چہرے کو دیکھتا رہا اور پھر جیسے بہت کچھ سمجھ گیا۔

''اچھا......تو تمہیں مجھ پر شک ہو گیا تھا۔'' اس نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔ ظل نے سر جھکا لیا۔

''شرم تو نہیں آتی مجھ پر شک کرتے ہوئے۔'' ہمایوں کا دل چاہا وہ اسے بری بری سناتا چلا جائے۔

''تم نے میری ساری ریاضت، محنت، محبت اور جذبات کو ایک دم سے ٹھکانے لگا دیا بنا سوچے سمجھے۔'' اس نے ناراض ہو کر کہا۔

''اسد بھائی کا تو کسی نے نام بھی نہیں لیا۔'' ظل کو یوں لگا جیسے وہ نزع کے عالم سے نکل آئی ہو۔

''میرا نام لیا تھا کسی نے؟'' وہ بدستور ناراض لہجے میں بولا۔ ظل کو اس کے ناراض لہجے پر ذرا بھی اعتراض نہیں ہوا وہ ایسے بولنے میں حق بجانب تھا۔

''اتنی رازداری برتنے کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ اپنی جھینپ مٹانے کو بولی۔

''ضرورت ہے۔'' وہ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''جب توقع سے بڑے اتفاقات ہونے لگیں تو پھر رازداری برتنا ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ معاملات کو نظر لگ جانے اور ان میں رخنہ پڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔'' اس نے ظل کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اسے بھی اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

''تمہیں یہ خیال کیسے آیا کہ جو کچھ ہو رہا ہے میرے لیے ہو رہا ہے؟'' وہ نیچی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''تمہیں شاید خود پر یقین ہے نہ مجھ پر۔''

''مجھے اپنی قسمت پر یقین نہیں ہے۔'' ظل نے اس بارے میں پہلی دفعہ مضبوط آواز میں جواب دیا۔

''مقدر کے اندھیروں میں اگر ہمیں دور کہیں تھوڑی لو نظر آتی ہے تو ہم اس کے بارے میں اتنے ہی بے یقین

ہوتے ہیں جتنی میں ہوں کیونکہ وہ لو ہماری نظر کا دھوکہ بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"تم جانتی ہو کہ یہ لو تمہیں ہمیشہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے اور خود تک پہنچنے کا حوصلہ دیتی رہی ہے، اس کے بارے میں بے یقین رہ کر تم خود ہی کو ہلکان کرو گی۔" وہ مسکرا کر بولا" ایسی بے یقینی اور اتنا شک......" اس نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا۔ "تم جانتی ہو تم نے اپنا کیا حال کر رکھا ہے......"

"وہ لوگ کون تھے جو اسد بھائی کے لیے آئے تھے؟" ظل نے اس کے سوال کے جواب میں دوسرا سوال کیا۔ "وہ لڑکی کون تھی؟"

"وہ مائرہ کے والدین تھے۔" ہمایوں نے اس کے بکھرے بال پیچھے سمیٹتے ہوئے کہا۔ "اور وہ لڑکی مائرہ تھی، جس سے اسد کی شادی طے ہو رہی ہے۔" ظل کا دل زور سے اچھلا۔ مقدر کی اس یاوری پر ہمایوں نے اس کو ترجیح دی تھی۔ اسے یکا یک اپنا آپ بہت معتبر اور بلند محسوس ہونے لگا۔

☆

وہ جو کچھ کہنے کا ارادہ لے کر اس مرتبہ گھر آیا تھا اس کے ردعمل سے بخوبی واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اپنے گھر والوں کے سامنے وہ اپنا مدعا نہیں بیان کر رہا تھا بلکہ ان کی سماعتوں پر بم گرا رہا تھا مگر یہ وہ لمحہ تھا جسے بہر حال اس کی زندگی میں آنا تھا۔ اسد اور رخشی کی شادی طے ہو چکی تھی اور اماں کا اصرار بڑھنے لگا تھا کہ وہ بھی اپنے سلسلے میں کوئی پیش رفت کرے۔ سو اس نے بحث مباحثے اور شدید ردعمل والے اس موضوع کو بالآخر چھیڑ ہی دی تھا۔ جس کے چھیڑنے سے وہ ایک عرصے سے بچتا چلا آیا تھا۔

"تم ہوش میں تو ہو؟"

"تم جانتے ہو، تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا؟"

"یہ تمہاری چوائس ہے، اتنی گھٹیا......!"

"مذاق مت کرو۔"

"کیا اتنی تگ و دو اور اتنی کامیابیاں اس لیے حاصل کی تھیں کہ اپنی زندگی کو جہالت کے سمندر میں ڈبو دو۔"

"اس چڑیل نے تم پر کوئی جادو تو نہیں کروا دیا۔"

"شکل دیکھی ہے اس کی، اور حلیہ اور مزاج جو انتہائی فقیرانہ ہے۔"

"تمہیں تو ایک سے ایک لڑکی مل سکتی ہے، حماقت کی بات مت کرو۔"

ہر قسم کی رائے اور تبصرہ اس کے سامنے آ رہا تھا اور وہ اسی قسم کی باتوں کی توقع کر رہا تھا مگر ان سب پر بھاری اماں کا فیصلہ کن انداز تھا۔

''یہ نہیں ہو سکتا کم از کم میری زندگی میں۔''

''آپ کی زندگی میں ہی ہو گا اماں اس طرح کے دعوے مت کریں۔'' وہ پہلی بار ان کی بات کی نفی کر رہا تھا۔

''ترس کھا کر یتیم سمجھ کر اسے اپنے گھر رکھ چھوڑا، توفیق بھر کھلاتے، پہناتے رہے اس لیے کہ وہ ہمارے سر پر چڑھ کر بیٹھ جائے۔'' وہ دس بار کی کہی ہوئی بات دُہراتے ہوئے بولیں۔

''انسانوں کی کیٹیگریز بنا لینا ہمارے ہی دماغوں کا فتور ہے اماں۔'' وہ رسان سے بولا۔ ''کوئی بھی کسی پر فوقیت نہیں رکھتا۔ سب ایک جیسے ہیں، ہاں قسمتوں پر کسی کا اختیار نہیں۔ اس میں ہمارا کیا کمال ہے کہ ہم ابا کی ڈیتھ کے بعد والی حیثیت سے اٹھ کر یہاں تک آ پہنچے ہیں اور ظل اپنے والدین کی وفات کے بعد والی پوزیشن پر ہی موجود ہے، نہ ہمارے حالات کے بہتر ہونے میں ہمارا کوئی کمال ہے نہ اس کے حالات جوں کے توں رہنے میں اس کی کوئی نااہلی ہے۔ یہ سب خدائی فیصلے ہیں اور اگر انصاف سے دیکھا جائے کہ وہ ابھی تک انہی حالات میں جی رہی ہے تو بھی ذمے داری ہم پر عائد ہوتی ہے، قصوروار ہم ہی ہیں۔ کیوں ہم نے اپنے حالات کو بہتری میں اسے شامل نہیں کیا جب کہ بدترین حالات میں ہماری تگ ودو میں وہ ہمارے ساتھ برابر کی شریک رہی ہے۔''

''یہ ساری پٹیاں تمہیں اسی نے پڑھائی ہوں گی۔'' اماں کا جواب حسبِ توقع تھا۔

''کیا آپ دل سے سمجھتی ہیں کہ وہ مجھے پٹیاں پڑھائے گی اور میں پڑھ لوں گا۔'' وہ اپنی مسکراہٹ دبا کر بولا۔ ''مجھے ملک سے باہر اور ملک کے اندر کہیں کوئی لڑکی پٹیاں نہیں پڑھا سکی تو ظل کیسے پڑھا سکتی ہے۔''

''پڑھا سکتی ہے، کم بخت کا سکینہ منحوس سے بڑا جوڑ ہے اور وہ جادو ٹونے کرنے میں بہت سوں کی کارندی ہے۔ مریدنی ہے ان کی۔'' اماں نے بھڑکتے ہوئے کہا۔

''کسی بھی وہم کو دل میں نہ لائیں اماں۔'' وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''میرے دل اور میرے دماغ نے یہ فیصلہ بہت پہلے سے کر رکھا ہے۔ شاید اس وقت سے جب میں حالات کے بھنور میں پھنسا اس سے نکلنے کے لیے بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ میرے دل و دماغ کے اس فیصلے میں کسی کا نہ تو کوئی کمال ہے نہ کوئی قصور سوائے میرے اپنے۔''

''تم اپنی اہمیت اور حیثیت جانتے ہو......؟'' وہ خشمگیں نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''بڑے بڑے گھرانوں کے لوگ تم سے تعلق جوڑنے میں فخر محسوس کریں گے۔''

''اور میں ظل ہما سے تعلق جوڑنے میں فخر محسوس کروں گا۔'' ہمایوں نے ان کی بات کا مختصر ترین جواب دیا تھا۔

وہ بری طرح جھلا کر رہ گئی تھیں۔ ان کی کسی بات، کسی دلیل، کسی دھمکی کا اثر ان کے اس بیٹے پر

نہیں ہو رہا تھا جس نے کبھی ان کی کسی بات کی نفی اور کبھی کسی حکم سے سرتابی نہیں کی تھی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس لڑکی ظل ہما کا سرتن سے جدا کر دیں۔ انہوں نے کئی مرتبہ اسے مار آستین قرار دیا تھا اور کئی مرتبہ دو ٹکے کی لڑکی جوان کے ٹکڑوں پر پلنے کے بعد انہی کی پلیٹ کے نوالوں پر منہ مارنے کا سوچنے لگی تھی پھر انہیں خیال آتا کہ انہیں کیوں پتہ نہیں چلا کب ان کے خزانے پر نقب لگ گئی اور یہ سوچتے ہوئے انہیں رہ رہ کر طیش آتا۔ ان کے اس مزاج اور ردعمل کی وجہ سے گھر کی فضاء پر عجیب سا خوف طاری تھا۔ افسردگی اور جمود کا عالم تھا۔

ہمایوں کو اپنی بہنوں سے بھی اس ردعمل کی توقع تھی جو وہ ظاہر کر رہی تھیں۔ ان سب کے لیے یہ انتہائی غیر متوقع بات تھی اور قطعی نا قابل قبول وہ ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی بات کے ردعمل میں ان سب کا سلوک ظل ہما کے ساتھ اور بھی اذیت ناک ہو جائے گا۔ اس کے وہاں موجود رہنے کا یہ اثر ضرور ہوا کہ اگرچہ انہوں نے ظل کو بلانا تک چھوڑ دیا مگر اسے کسی اذیت کا نشانہ بنانے سے گریز کرتی رہیں۔ اس خوف، افسردگی اور جمود کے عالم کو اسد کی آمد نے توڑا جسے اماں نے ایمرجنسی کال کیا تھا۔

''اتنے مہینوں سے ہم اکٹھے رہ رہے ہیں تم نے مجھ سے بھی ذکر نہیں کیا؟'' اسد نے ان سب کی نسبت بہت بہتر انداز میں اس سے بات کی۔

''ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب وقت آتا میں کہتا اور تمہیں پتہ چل جاتا۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

''کیا تم سمجھتے ہو تمہارا فیصلہ درست ہے...... یہ جذباتی فیصلہ نہیں ہے؟'' اسد نے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا تم سمجھتے ہو تمام حالات جانتے ہوئے اگر میں ایسا فیصلہ کروں گا تو وہ سوچے سمجھے بغیر صرف جذبات پر مبنی ہو گا؟'' ہمایوں نے الٹا اسی سے سوال کیا۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' اسد نے شانے اچکائے۔ ''میں نے آج تک کبھی تمہاری نظروں میں ظل ہما کے لیے پسندیدگی کی جھلک نہیں دیکھی۔''

''اگر یہ نظر آجاتی تو کیا وہ لڑکی اس گھر میں آج تمہیں نظر آتی؟'' ایک مرتبہ پھر ہمایوں نے سوال کیا تھا۔ ''تم میرے شب و روز سے واقف ہو، میرے تعلقات اور کام کو بھی جانتے ہو تم کیا سمجھتے ہو میں اتنی عمر میں اتنے زیادہ تجربوں سے گزرنے کے بعد بھی احمقانہ اور جذباتی فیصلہ کروں گا اپنے لیے......؟''

''جو تمہاری زندگی کا سیٹ اپ ہے، اس میں ظل تمہارا ساتھ دے سکے گی کیا؟'' اسد نے وہی سوال کیا جو باقی سب کر چکے تھے۔

''یہ میرا ہیڈک ہے، جب انسان سب کچھ جانتے ہوئے کوئی فیصلہ کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ

نتائج و عواقب سے واقف ہے۔''

''اور اگر اماں ڈٹ جائیں کہ وہ ایسا نہیں ہونے دیں گی تو......''

''تو پھر وہ بھول جائیں کہ ہمایوں نام کا بھی ان کا کوئی بیٹا تھا۔ اگر مجھے میرے جذبات اور سیکریفائس کا یہی صلہ ملنا ہے تو پھر میں یہاں موجود ہی کیوں رہوں۔ مجھے کیوں یہ یقین نہ ہو جائے کہ کسی کو یہاں اب ان کی ضرورت ہی نہیں رہی۔'' ہمایوں نے آخری جذباتی حربہ استعمال کیا۔ اسد اس کے مزاج سے بخوبی واقف تھا اور اسے بظاہر اس کے اس فیصلے پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا وہ صرف اماں کی وکالت کرنے اس کے سامنے آیا تھا ورنہ اس کی اپنی رائے یہ تھی کہ ہمایوں اپنا برا بھلا خوب جانتا تھا۔ اس نے اماں اور بہنوں کو بتا دیا کہ ہمایوں کے فیصلے میں لچک کی کوئی گنجائش نہیں اور اسے وہ کرنے دیا جائے جو وہ چاہتا تھا، پچھتاوا اگر اس کا مقدر بننا ہی تھا اسے اس مقدر سے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔

اماں کے لیے یہ ہتک کا سا ساں تھا مگر ان کے بچوں نے مصلحت آمیزی کا سبق پڑھا کر انہیں خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔ مگر ہمایوں اپنی بات پر قائم رہتے ہوئے ان سے وقتی ہی سہی قطع تعلقی اختیار کر لیتا تو کئی قسم کے نقصان ہو جانے کا خدشہ تھا، سب سے بڑھ کر اسد کو ایسا ہو جانے کی صورت میں اپنی بنی بنائی بات کے بگڑنے کا اندیشہ تھا سو مصلحتوں کے جال نے اماں کی ضد کو شکار کر لیا۔



ظل نے اپنے مہندی سے سجے ہاتھوں کو دیکھا۔ مہندی لگانے والی نے بڑی خوبصورتی اور ترتیب سے گل بوٹے بنائے تھے۔ مہندی کا رنگ بھی گہرا آیا تھا اور خوشبو بھی بہت اچھی تھی پھر اس کی نگاہ اپنے بازوؤں میں پڑے سونے کے کڑوں اور چوڑیوں پر پڑی دائیں بازو میں کنگن دار جڑاؤ کڑے تھے اور بائیں بازو میں پلاٹینیم پلینڈ چوڑیاں، انگلیاں، نازک اور خوبصورت انگوٹھیوں سے سجی تھیں۔ اس کے جسم پر نیا لباس تھا جو قیمتی تھا اور جاذب نظر...... اس لباس میں سے کسی قیمتی پرفیوم کی مہک بھی اٹھ رہی تھی۔ اس کے سیاہ لانبے بالوں سے قیمتی شیمپو کی خوشبو آ رہی تھی اور وہ چمکیلے اور لچکدار ہو گئے تھے۔ اس کے پیروں میں خوبصورت نازک چپل تھی۔

اس نے کئی مرتبہ اپنے سراپا پر موجود چیزوں کا جائزہ لیا اور اس خواب کی سی کیفیت کا اندازہ کیا جو پچھلے کئی دن سے اس پر چھائی تھی۔ یوں تو بچپن میں پڑھی کہانیوں میں ہی پڑھنے کو ملتا تھا۔ جادو کی چھڑی چلنے سے سنڈریلا شہزادیوں جیسے حلیے میں آ جاتی تھی اور شاہی محل پہنچ جاتی تھی۔ اسے اپنی زندگی کی یہ تبدیلی ہو بہو سنڈریلا کی سی لگتی اور اس کا دل دھڑکتا رہتا۔ کہیں قسمت کی دیوی بارہ کا گھنٹا نہ بجا دے مگر وہ ہمایوں تھا جو اس کے ساتھ تھا زندہ اور موجود، جس نے ایک عمر شیشے کا جوتا درست پاؤں میں پہنانے کی آرزو میں گزار دی تھی اور بڑی دقت اور دلیلوں سے سنڈریلا کو پانے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ اسے یقین دلانے والے احساس سے

دوچار کرتا تھا اور وہی تھا جو اسے اس جادوئی دُنیا میں انگلی پکڑ کر لے آیا تھا۔

ظل نے اس کمرے پر نظر ڈالی جس میں وہ اس وقت بیٹھی تھی۔ یہ لاہور میں خریدا گیا اور اپارٹمنٹ تھا جسے ہمایوں اور اسد شیئر کرتے تھے اور اپنے سامنے بیٹھی مائرہ کو دیکھا وہ لڑکی جو پہلی مرتبہ نظر آنے پر اسے آسمانی مخلوق لگی تھی قسمت نے اسے اس کی ہم حیثیت بنا کر اس گھر میں لا بٹھایا تھا گو اس کے اندر سے گزری عمر کی اذیت جا کر نہیں دے رہی تھی اور اس کی روح، جسم و دماغ نئی آسائشات اور سہولیات کے عادی نہیں ہو پا رہے تھے مگر اس کے دل میں عجیب سی طمانیت تھی۔ خدا کے وعدے کے سچے ثابت ہونے کی طمانیت...... اللہ پاک نے اپنے کلام میں بار بار اعلان فرمایا ہے۔

''اور خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' پتہ نہیں وہ صبر کرنے والوں کی درست تعریف پر پوری اترتی تھی یا نہیں یا پھر اس نے سب کچھ اس لیے برداشت کیا کہ اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا مگر ایک بات اسے پورے یقین کے ساتھ یاد تھی کہ اس نے کبھی خدا تعالیٰ سے گلہ نہیں کیا تھا بلکہ ہمیشہ یہ دعا مانگی تھی کہ خدا کبھی اسے برے حالات سے دوچار نہ کرے۔ اسے یقین تھا کہ تاریک اندھیروں میں جو روشنی کی کرن اسے نظر آتی تھی کبھی نہ کبھی وہ ضرور اس کی دسترس میں ہوگی اور اس کے خدا نے اسے روشنیوں میں لا کھڑا کیا تھا۔ اس نے پہلو بدلا اور اس کے بازو میں پڑی چوڑیاں بج اٹھیں۔



مائرہ نے ٹی وی سکرین سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا جو اس وقت اس کے سامنے بیٹھی تھی اور جس کے ساتھ اس کا دیورانی، جٹھانی کا رشتہ تھا۔ وہ قبول صورت تھی مگر خوبصورت نہیں، وہ بہت پڑھی لکھی نہیں تھی۔ اس نے ایک میڈ کی سی زندگی گزاری تھی شاید اس سے بھی کم، اس کے پس منظر اور گزشتہ زندگی کے حالات سے واقفیت کی بناء پر ہی شاید مائرہ کو اس کا لباس اور لوازمات اس کے سراپا پر اجنبی سے محسوس ہو رہے تھے۔

''لباس کی بھی عجیب کہانی ہے کسی شخصیت کو اسی وقت سوٹ کرتا ہے جب اس سے میل کھاتا ہو، ورنہ یونہی اجنبی محسوس ہوتا ہے۔'' مائرہ نے دل میں سوچا۔

مگر اتنا عام سا پروفائل رکھنے کے باوجود وہ لڑکی زندگی میں وہ مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی جس کی تمنا مائرہ نے شدت کے ساتھ کی تھی۔ وہ بنا کسی کاوش کے ہمایوں کی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل کر چکی تھی۔ اس کے برعکس زندگی نے اسے جو مقام عطا کیا تھا اس کی خواہش اس نے کبھی نہیں کی تھی۔ ہمایوں کے بھائی اسد سے شادی کرنا دنیا کا آخری کام ہونا تھا جو وہ کرنا چاہتی مگر وہ ایسا کر چکی تھی اور اپنی شادی کے دن سے لے کر اب تک اس سوچ میں غلطاں تھی کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔ اسد، ہمایوں تھا نہ کبھی ہو سکتا تھا۔ اس شادی سے پہلے بھی جانتی تھی مگر ہمایوں کے انکار نے اسے ایک ایسے جنون میں مبتلا کر دیا تھا جس کا

واحد علاج اسے اسد سے شادی میں نظر آیا تھا۔

''کیا ایک انسان میں اتنی کشش ہوسکتی ہے کہ اس کے قریب رہنے کے لیے اتنا بڑا جوا کھیلا جائے؟'' اس نے یہ سوال کئی مرتبہ خود سے کیا تھا اور اسے اپنے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔

اسے اس کمٹ منٹ کو دیکھنے کی بھی شدید خواہش تھی جس کی خاطر ہمایوں نے اسے انکار کیا تھا اور اسے دیکھ کر اسے ایک کمینی سی خوشی بھی ہوئی تھی۔ ظل ہما کسی طرح بھی اس کے ہم پلہ نہیں تھی اسے دیکھ کر مائرہ کو یقین آ گیا تھا کہ پریکٹیکل لائف کے اتار چڑھاؤ جلد ہی ہمایوں کو ایک نہ ختم ہونے والے پچھتاوے میں مبتلا کر دیں گے۔ اس کے اس خیال کو ہمایوں کے گھر والوں کے ظل ہما کے ساتھ رویے نے بھی تقویت دی تھی۔ ظل ہما ایک ان چاہی، زبردستی مسلط کی گئی بہو اور بھابی تھی۔ اسے ڈاؤن ٹو ارتھ رکھنے میں مائرہ کو کسی قسم کی دقت پیش نہیں آسکتی تھی۔ رقابت کا جذبہ پوری طاقت کے ساتھ اس کے اندر موج مارنے لگا تھا۔



''موقع، وقت اور تقریب کی مناسبت سے تمہارا لباس بالکل غیر موزوں ہے۔'' یہ پہلا ایسا جملہ تھا جسے بول کر مائرہ نے ظل ہما کو ایک عجیب سے کامپلیکس میں مبتلا کیا تھا۔ وہ ہمایوں کے ایک دوست کے ہاں ڈنر پر مدعو تھے ظل ہما نے اس موقع کے لیے ٹی پنک شلوار، قمیص کا انتخاب کیا تھا جس پر ہلکا ہلکا روپہلی کا کام بنا ہوا تھا۔

''رات کے فنکشنز میں ایسے لائٹ کلر نہیں چلتے مگر تمہیں کلر سینس کہاں......؟'' مائرہ نے دوسرا جملہ داغا تھا اور سوٹ سے میچ کرتا ہلکا سا جیولری سیٹ ہاتھ میں لیتے ظل ہما کے ہاتھ کپکپا گئے تھے۔

''کہو تو میں نکال دوں تمہارے لیے کوئی مناسب جوڑا۔'' وہ آگے بڑھ کر اس کے وارڈ روب کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اس کا پٹ کھول کر اس کے کپڑوں کو الٹ پلٹ کرنے لگی۔

''تمہارے سلسلے میں ڈنڈی مار گئیں آپا لوگ۔'' وارڈ روب کے اندر سے ایک اور کمنٹ سنائی دیا۔

''میرے تو سب کپڑے ڈیزائنر کلاتھ ہیں مگر تمہارے.....'' ہنسی کی آواز نے ظل ہما کے اندر اٹھتے احساس کمتری کو اور رسوا کر دیا۔

''چلو یہ پھر بھی بہتر ہے۔'' اس نے بالآخر ایک جوڑا نکال ہی لیا۔ ظل ہما ٹھٹک کر رہ گئی۔ وہ ڈیپ ریڈ سوٹ تھا اور اس پر اچھا خاصا کام بنا ہوا تھا۔

''اسکارلٹ از اِن دس سیزن'' مائرہ نے سوٹ اپنی آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ''اسکارلٹ لیڈی، جلدی سے چینج کر لو۔'' ظل ہما نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ اسے معلوم تھا ہمایوں کو سرخ رنگ پسند نہیں تھا مگر مائرہ اس روز اس کے ساتھ مذاق کرنے کے موڈ میں تھی۔ اس نے زبردستی وہ سوٹ اسے پہنایا اور اس کا میک اپ کیا۔ میک اپ میں مائرہ کو بلاشبہ مہارت حاصل تھی۔ ظل کو اپنا یہ روپ اچھا لگا اور وہ دل میں

مائرہ کی مشکور ہوئی۔ اس تقریب میں کئی لوگوں نے اسے سراہا بھی مگر وہ محسوس کر رہی تھی کہ ہمایوں نے اس کے لیے تعریف کا ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

''میں آج تمہیں اچھی نہیں لگی؟'' اس نے اس رات سونے سے پہلے ہمایوں سے پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے سیدھا اور صاف جواب دیا تھا۔ ''تم جانتی ہو میں یہ رنگ پسند نہیں کرتا، میں نے آپا سے کہا تھا کہ ظل کے لیے سرخ رنگ میں کوئی جوڑا نہ بنائیں مگر انہوں نے اپنی مرضی کر لی اور آج تم نے اپنی مرضی، ٹھیک ہے بلکہ اچھا ہے انسان کو اپنی مرضی کرنی چاہیے۔''

''مجھے مائرہ نے......'' ظل نے اسے بتانا چاہا مگر وہ تھکا ہوا تھا اس لیے کروٹ بدل کر گہری نیند سو گیا۔



اس روز جس احساس کمتری میں وہ مبتلا ہوئی تھی اس میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس لگژری اپارٹمنٹ میں ہر طرف مائرہ کا وجود چھانے لگا تھا۔ وہ بہت ایکٹیو تھی اور اسے خود کو محسوس کروانا بھی آتا تھا۔ شادی کے ٹھیک دو ہفتے بعد اس نے ہمایوں کی کمپنی جوائن کر لی تھی۔ اس کے والد نے بتایا تھا کہ وہ جاب حاصل کرنے کے لیے اسے خاصی تگ و دو کرنا پڑی تھی۔ اس نے ایسا کیوں کیا تھا یہ کسی کو بھی سمجھ نہیں آیا تھا مگر دو ہفتے بعد وہ ہمایوں کے ساتھ ہی آفس جانے، آنے لگی تھی۔ اسد اس کے جاب کرنے پر خوش نہیں تھا مگر وہ اس کی شخصیت پر اتنی حاوی ہو چکی تھی کہ وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔ ان تینوں کے گھر سے چلے جانے کے بعد ظل ہما اکیلی رہ جاتی اور دن بھر اس گھر کی صفائی، ستھرائی اور کھانا بنانے میں جی جان سے مشغول رہتی۔ اسے یہ وقت اچھا لگتا تھا جب وہ بلاشرکت غیرے اس گھر کی مالکن ہوتی مگر شام پانچ بجے کے بعد وقت بدل جاتا تھا پھر مائرہ کی خوشبو میں بسی متاثر کن شخصیت ہی ہر طرف چھائی نظر آتی۔ وہ ہمایوں کے ساتھ آفس سے واپس آتی اور آتے ہی اس کے اعتراضات شروع ہو جاتے۔ یہ چیز یہاں کیوں، وہ وہاں کیوں رکھی۔

''ہمایوں کو کافی چاہیے ہو گی، ٹھہرو میں بناتی ہوں، تم سے کیسے بنے گی۔'' پھر وہ کچن میں گھس جاتی اور کافی کے کپ پر وہ دونوں گھنٹوں اپنے شعبے کی، دفتری سرگرمیوں کی اور کولیگز کی باتوں میں کھو جاتے۔ ان کی دلچسپیاں اور کام ایک جیسی نوعیت کے تھے۔ ایسے میں مائرہ، اسد کی واپسی کی بھی پروا نہیں کرتی تھی اور ظل کو مجبوراً اسد کے لیے چائے، پانی کا انتظام کرنا پڑتا۔ ان دونوں کی گفتگو کے دوران وہ اور اسد اجنبیوں کی طرح بیٹھے یا تو ان کی گفتگو سنتے یا ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھے رہتے۔ کبھی کبھار اسد، مائرہ سے آؤٹنگ پر چلنے کو کہتا یا کسی سے ملنے کے لیے جانے کو تو وہ یوں جاتی جیسے دل پر بہت بوجھ لے کر جا رہی ہو اور ہمایوں، ظل کو لے کر باہر نکلتا تو مائرہ کو اسی وقت یاد آ جاتا کہ اسے اپنے ماما کی طرف جانا تھا اور بہتر یہ ہو سکتا تھا کہ وہ اسے ڈراپ کر دیں یا پھر اسی قسم کا کوئی کام...... اتنے غیر محسوس طریقے سے وہ ان دونوں کے درمیان آتی کہ پتا ہی نہیں چلتا۔ ایسا ہو چکنے کے بعد ظل ہما کو احساس ہوتا کہ وہ ان دونوں کے درمیان جان بوجھ کر آئی تھی مگر وہ ہمایوں سے اس

کا ذکر کرتے ہوئے جھجکتی تھی۔ وہ خود مائرہ کی خوبیوں سے متاثر تھا۔ اس کے خیال میں لڑکیوں کو اتنا ہی بولڈ اور ایکٹو ہونا چاہئے، جب سے اس نے ہمایوں کی کمپنی جوائن کی تھی وہ اور بھی اس کے ٹیلنٹ کا معترف ہو گیا تھا۔ وہ ظل کو بھی کبھی کبھار مائرہ کی مثال دے جاتا مگر ظل جانتی تھی کہ وہ چاہے بھی تو مائرہ کی تقلید نہیں کر سکتی تھی...... ہمایوں کی خاطر بھی نہیں۔



''تم اتنی دیر سے میرے ساتھ یہ سارا قصہ کیوں چھیڑے بیٹھے ہو۔'' ہمایوں نے اپنے سامنے بیٹھے اسد سے پوچھا۔ جس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں پر جھکایا ہوا تھا۔

''میں ان خوبیوں کی نمود کا منتظر تھا جن کا ذکر میرے ساتھ بار ہا ہوا۔'' اسد نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اسد پریشان لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں جیسے کئی راتوں سے جاگ رہا ہو۔

''وہ ایسی نہیں ہے دراصل تم اب تک اسے سمجھ نہیں سکے، اسے ہینڈل کرنے کا طریقہ ذرا مختلف ہے۔'' ہمایوں نے شاید اس کی تسلی کی خاطر یہ الفاظ کہے تھے۔

''کچھ بھی مختلف نہیں ہے یار، اسے ہینڈل کرنا ناممکن ہے۔'' اسد نے بے بسی سے کہا۔ ''اس نے مجھے ایک شوہر کی حیثیت سے قبول ہی نہیں کیا۔ وہ مرد کو فالو کرنے والی عورتوں میں سے نہیں ہے۔''

''یہی تو تمہاری غلطی ہے۔'' ہمایوں کے ہاتھ جیسے مسئلے کا کوئی سرا ہاتھ آ گیا۔ ''تم کیا مڈل کلاس مردوں والی ذہنیت کا مظاہرہ کر رہے ہو، مرد کو فالو کرنے والی عورتیں...... یار یہ کونسا زمانہ ہے جب مرد یہ چاہیں کہ عورتیں انہیں فالو کریں۔''

''فالو نہ کریں مگر برابری کی سطح پر تو رہیں، وہ تو اس کی بھی قائل نہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ میں اس کو فالو کروں کیونکہ زندگی گزارنے کے سارے ڈھنگ اور طریقے اسے ہی آتے ہیں۔'' اسد کا چہرہ اس کے اندر اٹھنے والے طوفان کا غماز تھا۔ ''تم نے دیکھا ہوگا ایسا ہی ڈومینیٹنگ رویہ رفیعہ آنٹی کا بھی ہے اپنے گھر میں۔''

''یہ غلط ہے۔'' ہمایوں نے اس کی بات کاٹی۔ ''ان کا رویہ بہت بیلنسڈ ہوتا ہے اور انہوں نے بڑے ڈھنگ اور طریقے سے اپنے گھر کا نظام چلایا ہے ہمیشہ۔''

''وہاں اختلاف اس لیے پیدا نہیں ہوتا کہ انکل نے ان کے سامنے بالکل ہی سرینڈر کیا ہوا ہے۔ ایسا ہی سرینڈر مائرہ مجھ سے چاہتی ہے۔''

''انہیں آنٹی پر اعتماد جو ہے، تم بھی ایسا ہی اعتماد ڈیولپ کر لو مائرہ پر، یقین رکھو وہ غلط سمت نہیں جائے گی۔''

''اعتماد ڈیولپ ہونے کا وقت ملے تو پھر نا، ابھی تو مجھے لگتا ہے جیسے میری زندگی گھن چکر بن گئی ہے اور مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔''

''یہ کلاس ڈفرنس کی وجہ سے ہے۔ ہمارے اور ان کے رہنے میں بہت فرق ہے۔ ہم چاہے کیسے ہی عہدوں پر پہنچ جائیں ہماری جبلت میں جو باتیں پختہ ہو چکی ہوتی ہیں جاتی نہیں'' ہمایوں مسلسل مائرہ کے حق میں بول رہا تھا۔

''تم مجھے کیا سمجھاؤ گے اور کیسے ہیلپ آؤٹ کرو گے تمہارے سر پر تو خود ان لوگوں کا جادو چڑھ کر بول رہا ہے۔'' اسد طیش میں آ گیا۔ ''تمہیں یہ باتیں اس شادی سے پہلے کیوں یاد نہیں آئیں۔ کلاس ڈفرنس، ماحول کا فرق، برابری کی سطح ہونہہ......!''

''میرا خیال تھا کہ تم لوگ اپنی آپس کی ملاقاتوں میں یہ سب طے کر چکے ہو گے، تمہارے اور آنی کے درمیان، تمہارے اور مائرہ کے درمیان کیا طے پایا تھا اس کے متعلق تم نے مجھے اعتماد میں لینا مناسب نہیں سمجھا تم یوں خوش تھے جیسے کوئی خزانہ پا گئے ہو حالانکہ یہ باتیں جو بحث طلب تھیں ان پر بات کیا جانا ضروری تھا۔'' ہمایوں نے تحمل سے جواب دیا۔

''تم نے طے کر لی تھیں ظل سے سب باتیں......؟'' اسد پریشان تھا اور اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا بات کر رہا تھا۔

''اس کے ساتھ کچھ طے کرنے کی مجھے ضرورت پیش نہیں آئی، ہم ایک جیسی زندگی گزارتے رہے اور ہمارے درمیان برسوں کی انڈرسینڈنگ تھی۔''

''خود تم نے اپنے لیے وہ سوچ لیا جو بہت بہتر تھا اور میرے لیے کچھ نہ سوچا......؟'' اسد بگڑ کر بولا۔

''تم بھول رہے ہو کہ میرے فیصلے کو قطعی غلط قرار دیا گیا تھا اور تمہارے فیصلے پر تالیاں بجائی گئی تھیں۔ تم نے بھی مجھ سے یہ کہا تھا کہ تم پچھتاؤ گے پھر میں تمہارے لیے کیسے سوچتا تم خود بالغ اور سمجھدار انسان ہو شادی کے معاملات دوسروں سے نہیں سوچے جاتے ان کو طے کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔'' ہمایوں آہستہ آواز میں بول رہا تھا۔ دونوں اس وقت گیسٹ روم میں بیٹھے تھے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کی آواز کوئی اور سنے۔

''میں اتنا بھی بچہ نہیں ہوں۔'' اسد بگڑ کر بولا۔ ''مجھے بھی آہستہ آہستہ سمجھ آ رہا ہے کہ تم نے اس شادی کی مخالفت کیوں نہیں کی۔ تم نے مجھے کیوں نہیں سمجھایا کہ میں غلط فیصلہ کرنے جا رہا ہوں۔''

ہمایوں نے اس وقت اس بات کو اس کی معمول کی خفگی سمجھا تھا۔ وہ خود ایسے کئی معاملات میں الجھا ہوا تھا جنہیں سلجھانے کی ترکیب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ظل ہما سے شادی کرنے کے بعد وہ اپنی کمٹ منٹ کے معاملے میں سرخرو ہو چکا تھا۔ وہ حتی الوسیع کوشش کر رہا تھا کہ ظل کو وہ سب سہولتیں اور خوشیاں بہم پہنچا سکے جن کا عمر بھر وہ وقتاً فوقتاً اس سے وعدہ کرتا رہا تھا۔ وہ اس کے چہرے پر آسودگی، اطمینان اور خوشی کے عالم کی جھلک دیکھنے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھا مگر دوسری طرف اسے اپنی اماں اور بہنوں کی شدید ناراضی کا سامنا تھا۔ ظل کو شادی کے چند روز بعد ہی وہ لاہور لے آیا تھا۔

مائرہ رخصتی کے بعد صرف ایک رات کے لیے ان کے ہاں رہی اور ولیمے کے بعد یہاں آ گئی تھی۔
اس کے بعد اس کی اماں اور بہنوں کا رویہ اس کے ساتھ بہت خشک اور کھردرا ہو گیا تھا۔ اس کے کئی بار کہنے کے باوجود ان میں سے کوئی ان کے گھر آنے کو تیار نہیں تھا۔ مائرہ اور اسد کے ساتھ فون پر اماں صرف ہوں، ہاں میں جواب دیتیں یا پھر اپنی ضرورتوں کے بارے میں بتا کر فون بند کر دیتی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ ان رویوں کو کیسے بیلنس کر سکتا تھا۔ رشتے داروں کو ان دونوں کی شادیوں سے مایوسی ہوئی تھی۔ ظل کے ساتھ اس کی شادی پر مختلف قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا مگر کنیوں نے اماں کے سخت رویے کی وجہ سے اس کے فیصلے کو سراہا تھا وہ جانتے تھے کہ اماں کو دل پر کیسے پتھر رکھ کر یہ فیصلہ کرنا پڑا تھا اور وہ اس پر مسرور تھے مگر وہ جو اپنی بیٹیوں کے لیے کسی امید میں بیٹھے تھے وہ یقیناً سخت مایوس ہوئے تھے۔ یوں وہ جو سب سے بنا کر رکھنا چاہتا تھا سب سے ملنا چاہتا تھا۔ وہ سلسلہ بھی معطل ہو گیا تھا۔
اب یہ نیا معاملہ اسد نے اٹھا دیا تھا۔ وہ اس شادی کی کامیابی کے بارے میں پہلے بھی کچھ پرامید نہیں تھا مگر رفیعہ آنی کے دعوؤں نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔ ان کے بقول انہوں نے اور مائرہ نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا کیونکہ انہیں ایک ایسے گھرانے کی تلاش تھی جس کا بیٹا پڑھا لکھا اور اعلیٰ جاب کرتا ہو لیکن ساتھ ساتھ وہ گھرانہ اعلیٰ اخلاقی روایات پر بھی یقین رکھتا ہو، یہ دونوں چیزیں بقول ان کے انہیں صرف اسی گھرانے میں یکجا ملی تھیں۔ وہ کسی کی نیت پر شک کرنے کا قائل نہیں تھا مگر یہ بات اسے نہ جانے کیوں اس وقت ناقابلِ یقین لگی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے تک وہ اس کی آرزومند تھیں پھر اچانک اسد ان کا منظورِ نظر بن گیا وہ اس تضاد پر غور کرنا چاہتا تھا مگر پھر معاملہ سیدھا اسد کے پاس چلا گیا۔ اماں اور بہنوں سے ان کا میل جول بڑھ گیا اور معاملہ اس کے ہاتھ میں نہیں رہا پھر وقت تیزی سے گزرا اور شادی ہو گئی۔
وہ رات اس نے اسد اور مائرہ کے معاملے پر غور کرتے گزار دی اور اسے محسوس ہوا کہ کچھ واقعی غلط تھا۔ مائرہ، اسد کی ذات کی نفی کر رہی تھی، اس کی شخصیت اسد پر حاوی ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اسے اسد کی ذہنی اور قلبی حالت کا بھی اندازہ ہونے لگا۔ اسے اپنے بھائی سے دلی ہمدردی محسوس ہونے لگی۔ اس سے پہلے کہ معاملہ زیادہ بگڑ جاتا اسے اپنا کردار ادا کرنا ہی چاہیے تھا۔



''لاؤنج میں آنے کی ضرورت نہیں، وہاں میرے دوست آئے ہوئے ہیں۔'' مائرہ نے ظل کو اس کے بیڈ روم میں جا کر اطلاع دی تھی۔
''میرے دوست یا میری دوست۔'' ظل سوچتی رہ گئی۔ اس روز ہمایوں اسلام آباد گیا ہوا تھا اور اسد بھائی کے ہاں کلوزنگ چل رہی تھی۔ اسے پہلے ہی رات گئے تک مائرہ کے ساتھ اکیلے رہنے کے تصور سے گھبراہٹ ہو رہی تھی اوپر سے نیا اعلان اس نے آن فرمایا تھا۔ وہ رات گئے تک بیڈ روم میں تنہا بیٹھی رہی اس

دوران دو مرتبہ ہمایوں کا فون خیریت پوچھنے کے لیے آیا مگر نہ جانے وہ اسے کیوں نہیں بتا سکی کہ گھر میں کیا صورت حال تھی۔ مائرہ کے بارے میں کوئی بھی بات ہمایوں سے کرنے سے وہ ہمیشہ جھجکتی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ ہمایوں مائرہ سے متاثر تھا اور اس کی، کی ہوئی کسی بھی بات کو غلط فہمی یا پھر شاید کم فہمی پر معمور کرے گا۔ ایسا ہی اس روز بھی ہوا تھا۔

رات گئے تک لاؤنج سے خوش گپیوں، قہقہوں اور کھانے پینے کی آوازیں آتی رہیں۔ ظل ہما کے پاس اس گھر کا حق ملکیت آنے سے پہلے ہی چھن چکا تھا۔ پہلے زندگی میں اس کا دل بڑی اماں اور ہمایوں کی بہن کے خوف سے ہلکورے لیتا تھا۔ اب مائرہ کا خوف اس کے اعصاب پر سوار ہو رہا تھا۔



وہ دونوں پندرہ منٹ سے آمنے سامنے بیٹھے تھے مگر نہ تو ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے اور نہ ہی کوئی بات کر رہے تھے۔ اپنے سامنے فرش پر نظریں گاڑے وہ یوں بیٹھے تھے جیسے تعزیت کے لیے بیٹھے ہوں۔ پندرہ منٹ بعد اسد نے وال کلاک پر نظر ڈالی اور دوبارہ فرش پر نظریں گاڑ دیں۔

''اس کا موبائل آف ہے نا، تم نے ٹرائی کیا ہے؟'' اس کے دس منٹ بعد اس نے یونہی بات کرنے کی غرض سے ظل سے پوچھا۔

''جی۔'' وہی مختصر جواب آیا جو پہلے اس نے اس بات کے جواب میں دیا تھا۔ اسد دوبارہ اسی پوزیشن میں چلا گیا۔ مائرہ نے نظریں اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ اس پر پریشانی تھی، دکھ تھا، بے خوابی کے آثار تھے اور اضطراب تھا۔

''کیا ہوتا جا رہا ہے۔'' اس نے سوچا۔ ''ان دونوں بھائیوں کی شادیاں ہی ان نیچرل تھیں شاید، ایک کو توفیق سے بہت زیادہ مل گیا تھا دوسرے کو بہت کم، ان دونوں کے دریان انڈرسٹینڈنگ تھی ہی نہیں مگر ہمایوں تو انڈراسٹینڈنگ کا دعویٰ کرتا تھا پھر کہاں کچھ غلط ہوا......'' اسے پچھلے کئی دن ایک، ایک کر کے یاد آنے لگے۔

مائرہ کے مہمانوں کا آنا اور رات گئے تک بیٹھے رہنا معمول بن گیا تھا۔ اس کا لباس روز بروز مختصر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ وجہ بے وجہ بلند قہقہے لگاتی، چٹاخ چٹاخ بولتی رہتی تھی۔ ایسی لڑکی کا اس گھرانے میں موجود ہونا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بڑی اماں کا ظل ہما سے سلوک ناروا سہی مگر انہوں نے بڑے سخت حالات میں بھی اپنے بچوں کی تربیت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ ان کی بیٹیاں اپنے، اپنے گھروں میں اپنے سلیقے اور ہنر کی وجہ سے اپنی متانت اور رکھ رکھاؤ کی وجہ سے اہم مقام پا چکی تھیں۔ ان کے بیٹے بھی شاید اسی تربیت کے اثر کی وجہ سے ایک خاص کشش کے حامل تھے۔ خود ظل کی اپنی تربیت بھی اسی ماحول میں ہوئی تھی اور وہ اخلاقیات کے تمام اوامر و نہی سے اچھی طرح واقف تھی، مائرہ کا روز بروز بدلتا کردار اس ماحول میں یقیناً اجنبی محسوس ہونے لگا تھا جو اسد، ہمایوں اور ظل کے مزاج اور شخصیتوں نے بنایا تھا پھر اس کا دھیان

ہمایوں کی طرف چلا گیا جس نے اپنی کمٹ منٹ نبھانے کی خاطر اس سب گھر والوں کی مخالفت مول لے کر شادی کی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سب بہنیں اور بڑی اماں ہمایوں سے دل میں سخت خفا تھیں اور وہ اس بات پر اپنے آپ میں شرمندہ بھی ہوتی رہتی تھی مگر ہمایوں نے اس بارے میں کبھی اس سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ مصروف ترین زندگی گزارتا تھا۔ اس کی جاب کے تقاضے بہت سخت تھے۔ اسے اکثر شہر سے اور کبھی کبھار ملک سے باہر بھی جانا پڑتا تھا اور رات دیر تک آفس کے کاموں میں الجھے رہنا بھی پڑتا تھا مگر اس گھر میں وہ تمام سہولتیں بہم پہنچانا نہیں بھولتا تھا۔ اسد عمر میں اس سے بڑا تھا مگر اس نے گھر کی کوئی ذمے داری ابھی تک نہیں اٹھائی تھی۔ اخراجات کے سلسلے میں اگر وہ رقم شیئر کرتے بھی تھے تو ظل کو اس کا علم نہیں تھا۔ ظل کے ساتھ ہمایوں کی تفصیلی ملاقات اکثر ویک اینڈ پر ہی ممکن ہو پاتی تھی۔ اس میں بھی وہ زیادہ تر شعر و شاعری کی اور کتابوں کی باتیں کیا کرتا اور اسے پڑھنے کے لیے لا کر دی ہوئی کتابیں ڈسکس کرتا۔ دوران گفتگو وہ اس کے بال سنوارتے ہوئے یہ جملہ بار بار ضرور کہتا۔

''تم خوش رہا کرو ظل، تمہارے چہرے پر خوشی کا جو رنگ میں دیکھنا چاہتا ہوں وہ مجھے کیوں نظر نہیں آتا......؟''

''میں خوش ہوں۔'' ظل مختصر جواب دے کر اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتی جب کہ وہ اس سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ ایک پیہم خوف میں مبتلا تھی، اسے اپنی موجودہ حیثیت کا ابھی یقین ہی نہیں آیا تھا۔ وہ خواب کی حالت میں تھی۔ سوتے میں بھی اور جاگتے میں بھی۔ اس کا دل لاشعوری طور پر بارہ کا گھنٹا بج جانے سے خوفزدہ رہتا تھا مگر وہ یہ سب باتیں ہمایوں سے کہہ نہیں پاتی تھی ایسا کیوں تھا، اس کے اور ہمایوں کے درمیان یہ کمیونی کیشن گیپ کیوں آیا تھا اس کی وجہ جاننے سے وہ قاصر تھی مگر اس کے کہتے لب خاموش ہو جاتے تھے ہمیشہ ویک اینڈ ختم ہوتا۔ روزانہ کے معمولات دوبارہ شروع ہو جاتے۔ ظل نے اپنا سگھڑاپا اور گھر کے کاموں میں مہارت پوری جان سے اس گھر میں استعمال کی تھی مگر مائرہ کا اندازِ حاکمیت اس راہ میں حائل ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ بڑی اماں کے ایک نئے روپ کے سامنے محکوم قوم کی سی حیثیت اختیار کر گئی ہو۔

ابھی تک حالات یونہی اتار چڑھاؤ کا شکار تھے کہ مائرہ والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ظل کو لگتا اسد، ہمایوں اور وہ خود مائرہ کے نئے روپ کو دیکھ رہے تھے، مگر کہہ کوئی بھی کچھ نہیں کر پا رہا تھا پھر اس نے دیکھا اسد اور ہمایوں اکیلے بیٹھے کافی دیر تک گفتگو کرتے رہتے۔ ادھر ادھر آتے جاتے، کام کرتے وہ ان کی باتیں تو سن نہیں پاتی مگر چہروں کے تاثرات سے اسے نظر آ جاتے تھے۔ اس قسم کی آخری گفتگو دو دن پہلے ہی ہوئی تھی جب مائرہ رات ایک بجے کہیں سے گھر واپس آئی تھی۔ اسد اور ہمایوں کی گفتگو وہ سن نہیں پائی تھی مگر آخری جملہ جو اسد نے بلند آواز میں کہا تھا۔

''تم......تم ہو وجہ اس کی۔'' اس نے سنا تھا۔ اس رات ہمایوں تقریباً تمام رات جاگتا رہا تھا مگر اس

نے ظل سے کوئی ایسی بات نہ کی تھی جس سے معاملے کا سرا پکڑا جا سکتا اور ٹھیک دو دن بعد ہمایوں اور مائرہ دونوں ہی رات گئے تک غائب تھے اور دونوں کے موبائلز آف تھے۔ اس نے اپنی سوچ سے چونکتے ہوئے ایک بار پھر اسد کی طرف دیکھا وہ اب آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ غالباً اسے نیند آ گئی تھی۔

''نیند کا کیا ہے وہ تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔'' اسے بہت پہلے کہیں پڑھی ایک بات یاد آ گئی۔ ''کیا یہ صورتحال اسد بھائی کے لیے کسی سولی سے کم ہے۔'' اس نے سوچا۔



''تمہیں پتہ ہے وہ پینے لگی ہے۔'' اسد کی اس بات نے ہمایوں کو بری طرح چونکا دیا تھا۔

''امپاسیبل......'' اس نے بے اختیار کہا تھا۔ ''گھٹیا الزام مت لگاؤ۔''

''یہ الزام نہیں حقیقت ہے، کل رات وہ نشے میں دھت واپس آئی تھی۔'' اسد نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ ہمایوں گہری سوچ میں پڑ گیا۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی تو وہ رفیعہ آنی سے مل کر ان سے مائرہ کی تمام صورتحال ڈسکس کر کے آیا تھا۔ اس کی طرح وہ بھی مائرہ کی روش پر ششدر تھیں اور انہوں نے اسے اطمینان دلایا تھا کہ وہ مائرہ کے ساتھ کسی رعایت سے کام لینے کے بجائے اسے درست راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیں گی۔

''اور پرسوں، جب تم یہاں نہیں تھے، وہ اپنے جن دوستوں کو یہاں لے کر آئی تھی وہ سب بھی پیے ہوئے تھے، تم جانتے ہو۔'' اسد نے ایک اور انکشاف کیا۔

''وہ کون دوست ہیں؟'' ہمایوں نے سوال کیا۔

''عجیب انسان ہو تم......!'' ہمایوں غصے میں آ گیا۔ ''تمہاری بیوی تمہارے سامنے غیر مردوں کو گھر لانے لگی وہ بھی نشے کی حالت میں، تم اس سے یہ بھی نہیں پوچھ سکے کہ وہ کون لوگ تھے اور یہاں کیوں آئے تھے؟''

''وہ مجھے کیا سمجھتی ہے جو میری باز پرس کو خاطر میں لائے گی۔'' اسد پھنکارا۔ ''مردوں والا، شوہروں والا حق تو اس نے آج تک مجھے دیا نہیں، وہ میرے پوچھنے پر مجھے کیا بتائے گی۔'' اسد طیش میں آ کر ایک اور انکشاف کر بیٹھا جس نے ہمایوں کو ششدر کر دیا۔

''تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی مجھے......!'' وہ اپنی آواز کو قابو میں کرتے ہوئے بولا۔ ''تم جیسا دبو مرد بھی کوئی ہو گا دوسرا، تم نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کبھی کہ اس نے تم سے شادی کی ہی کیوں تھی۔''

''وہ کہتی ہے کہ اسے مجھ سے، میری شکل سے میرے گھر والوں سے سب سے نفرت ہے۔'' اسد کی آواز بھرا گئی۔ ''اسے ہم سب سے نفرت ہے، اس گھر سے، اس گھر میں موجود ظل کے وجود سے بھی۔''

''ایسا کیوں ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟'' ہمایوں نے ان نت نئے انکشافات کو ہضم کرنے کی کوشش

کرتے ہوئے پوچھا۔

''تم......تم ہو وجہ اس کی۔'' اسد نے چلا کر کہا تھا۔



''کیا میں خود کو اس سوال کا جواب دے سکتی ہوں کہ میں نے اسد سے شادی کیوں کی؟'' اس نے اپنی دوست کے بھائی کے بارے میں بیٹھے ہوئے سوچا اور اپنے سامنے رکھا شیمپین سے لبریز کانچ کا گوبلٹ اٹھا کر اپنے لبوں سے لگا لیا۔ وہ اس روز اس کا تیسرا جام تھا۔

''اسد خوبصورت تھا......!'' اس نے خود کو جواب دینا چاہا۔

''نہیں......'' اس کے دل نے نفی کی۔

''اسد پڑھا لکھا تھا اور بڑی رقم کماتا تھا۔''

''نہیں......'' ایک اور نفی۔

''اس سے مجھے محبت ہو گئی تھی......؟'' تیسرا سوال ذہن میں ابھرا۔

''ہرگز نہیں۔'' جواب آیا۔

''اس کا پس منظر باعث کشش تھا۔ ماں باپ کی پسند تھا اس سے شادی میں فائدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ ہے ہی اس قابل کہ اس سے شادی کر لی جاتی۔''

''نہیں، نہیں، نہیں۔'' ہر سوال کا جواب نفی میں تھا۔

''پھر کیا تھا پھر کیا تھا جو میں نے اس سے شادی کا فیصلہ کر لیا۔'' اس نے اپنے سامنے لگے آئینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ہر آئینے میں اس کی نظروں کے سامنے ایک ہی چہرے کی شبیہہ ابھرنے لگی۔ وہ شبیہہ اس کے ہر سوال کا جواب تھی اور اسے لگا ہر آئینہ اس کے سوالوں کا جواب دینے لگا تھا۔

''ہمایوں، ہمایوں، ہمایوں۔''

''اسد ہمایوں کا بھائی تھا اس لیے۔'' کسی نے اس کے کان میں سرگوشی سی کی۔

''تو کیا اسد سے شادی کر کے میں نے ہمایوں کو پا لیا......؟'' اس نے ہچکی لیتے ہوئے خود سے ایک اور سوال کیا۔ سامنے موجود آئینے میں ایک اور شبیہہ ابھر آئی۔

وہ منحوس ازلی و ابدی حقیقت، جس نے اسے کسی بھی صورت ہمایوں کو پانے نہیں دیا تھا۔

''میں تمہیں اجاڑ دوں گی ظل ہما، میں تمہیں ہمایوں کی زندگی سے نکال پھینکوں گی۔ تم دو ٹکے کی لڑکی اس شخص کی زندگی میں رہ بھی کیسے سکتی ہو جو میرا انتخاب تھا۔ مجھے تو تم سے اسی روز چڑ ھ اور ضد ہو گئی تھی جس روز تمہاری وجہ سے اس نے مجھے انکار کیا تھا۔ تمہیں کیا معلوم یہ دل کی چوٹ کیا چیز ہوتی ہے۔ دل کی چوٹ جو ہر وقت، ہر محبت، ہر قسم کے اخلاق کو عاق کروا کے صرف خود کو مندمل کرانا جانتی ہے۔'' ایک، ایک کر کے ہمایوں

اور ظل کے اکٹھے رہنے، گھومنے پھرنے، خوشیاں اور بیڈ روم شیئر کرنے کے منظر یاد آنے لگے۔ اس نے ہمایوں کی توجہ اپنی جانب مبذول رکھنے کے لیے اپنی اچھی بھلی جاب چھوڑ کر ہمایوں کی کمپنی جوائن کر لی تھی پھر تسمہ پا کی طرح وہ ہر دم اس کے ساتھ رہنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ دفتر کے بعد گھر میں بھی یہاں، وہاں ہر جگہ اپنے وجود کو نظروں کا مرکز بنائے رکھنے کی کوششوں میں مشغول رہی تھی مگر اس پر کچھ عرصے بعد ہی یہ انکشاف ہو گیا تھا کہ وہ ہمایوں کے لیے ایک اچھی کولیگ، ایک بڑا ٹیلنٹ، ایک اچھی دوست تو ہو سکتی تھی مگر زندگی کی ساتھی کے طور پر اس کا آئیڈیل ظل ہما ہی تھی۔ اس نے بارہا یہ جاننے کی کوشش کی ظل ہما میں ایسی کیا خاص بات ہے جو ہمایوں جیسے مزاج کا لڑکا اسے آئیڈل بنائے بیٹھا تھا مگر اسے اس زرد رو، وبو، خاموش، کم تعلیم یافتہ لڑکی میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی تھی مگر ہمایوں کی نظروں میں اس کے لیے پیار ہی پیار تھا وہ بغیر کسی کو محسوس کرائے جو اہمیت اس کو دیتا تھا وہ مائرہ کے اندر باہر آگ لگا جاتا تھا۔ ہمایوں کے اس رویے نے اسے ایک عجیب سی شکست سے دوچار کر دیا تھا۔

اب اسے لگتا تھا کہ وہ صرف شکست خوردہ ہی نہیں زخم خوردہ بھی تھی۔ وہ ہمایوں کو پانے کی کوشش میں اسد جیسا طوق اپنے گلے میں ڈال چکی تھی مگر نہ تو ہمایوں کو پا سکی تھی نہ ہی اسد کو دل میں بٹھا سکی تھی۔ اب اسد کا طوق اس کے گلے سے اتارے نہیں اتر رہا تھا۔ دو دن پہلے ہی اس کی ماما نے اپنے گھر بلا کر اس کی کلاس لی تھی۔ وہ کسی بھی طرح اس کی نئی روش سے کمپرومائز کرنے پر تیار نہیں تھیں۔ انہیں اسد میں کوئی برائی نظر نہیں آئی تھی۔ انہوں نے کئی مرتبہ اسے یاد دلایا تھا کہ اسد سے شادی کرنا خالصتاً اس کی اپنی چوائس تھی۔ انہوں نے اس سلسلے میں اسے ہر اونچ نیچ سمجھائی تھی پھر بھی وہ اپنے فیصلے کے درست ہونے پر مصر رہی تھی پھر اتنے کم ٹائم میں اسے اسد میں کونسی ایسی برائی نظر آ گئی تھی جو اس کے ساتھ ایڈجسٹمنٹ مشکل نظر آ رہی تھی۔

''وہ میری ٹائپ کا لڑکا نہیں ہے۔'' مائرہ نے ماما کی ڈانٹ ڈپٹ سے تنگ آ کر صاف بات کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اس سے ہمایوں کا بھائی سمجھ کر شادی کی تھی مگر اس پر ہمایوں کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہے۔''

''اس سے بڑی احمقانہ بات کیا ہو گی۔'' ماما نے اور بھی اشتعال میں آتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ ایک ہی گھر میں رہنے والے دو لوگ کبھی بھی ایک جیسے نہیں ہوتے تم ہمایوں کی شخصیت کا سایہ اس میں کیسے ڈھونڈنے لگیں۔ ایسا ممکن ہی نہیں بلکہ یہ پہلے ہی صاف نظر آ رہا تھا۔''

''جو بھی ہے، میرا اسد کے ساتھ گزارہ ممکن نہیں۔ وہ لوئر مڈل کلاس ذہنیت کا حامل ایک عام سا شخص ہے۔ اس کی نہ تو کوئی شخصیت ہے نہ سوچ، نہ خیال، وہ اپنی نہیں دوسروں کی زندگی جیتا۔ اپنے ذہن سے نہیں دوسروں کے ذہن سے سوچتا ہے۔ وہ ایک ایگزیکٹو سیٹ پر پہنچ گیا، اس نے بیرون ملک سے تعلیم بھی حاصل کر لی مگر اس کا ذہن وہی گلیوں میں پھرنے والے ایک عام سے مڈل کلاس آدمی کا سا ہے۔ مجھے اس کی ذہنیت سے نفرت ہے۔'' اتنے کھلے اور اتنے شدید تبصرے پر ماما چند لمحوں کے لیے ششدر رہ گئیں۔

''یہ سب تم اس شخص کے لیے کہہ رہی ہو مائرہ، جس کے ساتھ تم نکاح کے رشتے میں بندھ چکی ہو......؟'' چند لمحوں بعد وہ بمشکل کچھ کہنے کے قابل ہوئیں۔

''تم جانتی ہو کہ تم کس خاندان سے تعلق رکھتی ہو، میں اور تمہارا باپ تمہیں جیسی چاہیں آزادی دے دیں مگر یہ ہرگز پسند نہ کریں گے کہ تم اس حد تک اپنی من مانی کرتی پھرو۔ تم نے شادی کے لیے اپنی من مانی کر لی۔ اب اس کو تم ہی نبھاؤ گی بھی۔ اسد کو چھوڑ دینے کا خیال دماغ سے نکال دو۔ ہمارے خاندان میں کبھی ایسی نوبت نہیں آنے دی گئی کہ بیٹے، بیٹیاں اپنی بیویوں یا شوہروں کو چھوڑ دینے کا سوچنے لگیں۔ میں نے، میری بہنوں نے اور تمہاری پھوپیوں نے ہمیشہ برے ترین حالات میں بھی بہترین حکمت عملی اختیار کرنے اور زندگی بھر کا ساتھ نبھانے کی مثالیں قائم کیں۔ چھوڑ دینا بہت آسان مگر نبھانا بہت مشکل ہے اور ہم مشکل پسند لوگ ہیں پھر اسد میں ایسی کوئی خامی یا برائی نہیں ہے کہ تم اسے چھوڑنے کا اعلان کرتی پھرو۔ وہ ایک نیک سیرت لڑکا ہے، محنتی اور قابل ہے، اچھا کماتا ہے، باقی شخصیت میں پرفیکشن عمر اور تجربے کے ساتھ آتی ہے۔ اس کی شخصیت میں بھی آجائے گی۔ تم اپنا اثر اس پر قائم کرو، اسے گائیڈ کرو، وہ جو نہیں جانتا جلد جاننے لگے گا لیکن یہ کبھی مت سوچنا کہ تم اس کو چھوڑ کر اس گھر میں آنے کی حماقت کرو گی تو ہم تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔''

مائرہ کا یہ الوژن اس کی ماں نے توڑا تھا کہ وہ اس کے ہر فیصلے کی سپورٹ کریں گی۔ فی الوقت اس کے لیے کوئی اور جائے اماں نہ تھی۔ ردا یوسف اس کی کلاس فیلو اور قریبی ترین دوست تھی۔ اس نے اسد کے ساتھ اس کی شادی کو کبھی بھی نہیں سراہا تھا۔ اس کی طرح وہ بھی ہمایوں کی شخصیت سے متاثر تھی۔ مائرہ نے اسد کے ساتھ شادی کو ایک مایوس کن صورتحال میں پہلے ردا کے سامنے ہی قرار دیا تھا اور ردا کو جیسے اس خبر کے آنے کا یقین تھا۔ اس نے اس کے اس فیصلے کے خلاف لمبی تقریر کی اور اسے فوراً اسے پہلے یہ رشتہ ختم کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ ردا کے توسط سے ہی اس کی ملاقات شہزاد، جمشید، مائیکل اور ماریہ سے ہوئی تھی۔ یہ وہی گروپ تھا جو اکثر ان کے اپارٹمنٹ میں مہمان بن کر آتا تھا اور جمشید ہی کے ذریعے اس نے اپنی شکست خوردہ حالت کو بھلانے کے لیے شراب کو ہاتھ لگایا تھا۔ ایک بار، دو بار اور پھر شاید بار بار اسے اس بے فکری کی زندگی میں مزہ آنے لگا تھا۔ اس پرائیویٹ منی بار میں بیٹھ کر وہ نشے کی حالت میں ظل ہما کو برباد کرنے اور ہمایوں کو اپنا مطیع بنانے کے منصوبے بناتی رہتی۔



مگر وہ ایک مختلف سہ پہر تھی۔ وہ آفس سے فارغ ہونے کے بعد سیدھی جمشید کے ہاں پہنچی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ہمایوں کی گاڑی اس کا تعاقب کر رہی تھی اور اس کے وہاں پہنچنے کے ٹھیک دس منٹ بعد وہ بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ ردا نے چہک کر ہمایوں کا استقبال کیا تھا مگر وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ مائرہ کی طرف بڑھا تھا۔

''دس از دی لمٹ مائرہ......!'' اس نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا تھا۔ ''تم جانتی ہو تم کیا کر رہی ہو؟'' وہ سر جھکائے ٹیبل پر بکھرے تاش کے پتوں کے ساتھ کھیلتی رہی۔

''تم کیا اور کیوں کر رہی ہو مائرہ؟'' اس نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''تم جانتی ہو یہ بہت بڑی زیادتی ہے، میرے خاندان کے ساتھ اور میرے بھائی کے ساتھ۔''

''اور تمہارے ساتھ......؟'' اس نے نظریں اٹھا کر کہا۔

''میں ان دونوں سے غیر متعلق نہیں ہوں بلکہ شاید مجھے ہی سب سے زیادہ فرق پڑتا ہے کیونکہ میں بھی اعلیٰ خاندانی روایات کا پرچار کرنے والوں میں سے ہوں اور میں تمہارے اس رویے پر بے حد پریشان ہوں کہ تم کیوں کر رہی ہو ایسا......''

''تم نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں راہِ فرار حاصل کر لوں۔'' کچھ دیر بعد اسے مائرہ کی تھکی تھکی آواز آئی۔



''یہ جو بھی ہے، غلط ہے اور ناقابل برداشت ہے۔'' اسد نے ظل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ جواب میں وہ خاموش رہی۔

''تمہیں پتہ ہے مائرہ دراصل ہمایوں سے شادی کرنا چاہتی تھی۔'' اس ایک انکشاف پر ظل ہما کے دل نے ایک دھڑکن مس کر دی۔ وہ کیا بتاتی کہ وہ جانتی تھی، بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ اسے ہی تو پہلی مرتبہ ہمایوں نے یہ خبر سنائی تھی پھر مائرہ اور اسد کی شادی کی خبر نے بھی اسی لیے اسے ششدر کر دیا تھا۔ ہمایوں نے اسے ہر موقع پر بات کی تفصیل سنا کر مطمئن کیا تھا۔ ہمایوں میں مائرہ کی دلچسپی ان کی شادی کے بعد بھی چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ وہ ہمایوں کے ارد گرد چھائے رہنے کی کوشش میں ہی مصروف رہتی تھی۔ یہ سب صورتحال ظل کے لیے کیا تھی وہ کسے بتاتی۔ اس کا دل کیوں مضمحل رہتا تھا۔ اس کے چہرے پر ہمایوں کو وہ خوشی کیوں نظر نہیں آتی تھی کہ ہمایوں نے اس سے شادی محض ایک پرانا وعدہ نبھانے اور خود کو سچا ثابت کرنے کے لیے کی تھی، جبکہ اس کی دلچسپی کا اصل محور مائرہ کی ذات ہی تھی۔

وہ ہمایوں کو اس معاملے میں حق بجانب قرار دینے کی کوشش کرتی۔ اسے بڑی اماں اور بہنوں کی باتیں یاد آتیں۔ یقیناً وہ ہمایوں کے سوشل سیٹ اپ میں چلنے کے قابل نہیں تھی۔ اس کے تقاضے صرف مائرہ جیسی لڑکی ہی پورے کر سکتی تھی۔ اسے لگتا جیسے ہمایوں مطمئن نظر آنے کی صرف کوشش کرتا تھا۔ درحقیقت وہ اک بڑے پچھتاوے میں مبتلا تھا۔ حالات اور واقعات اس کے دل میں وہم کی جڑیں گہری اور مضبوط کرتے جا رہے تھے اور اب اسد بھائی بھی وہی بات کہہ رہے تھے۔ ''اس نے مجھے خود بتایا۔'' اس نے ایک اور انکشاف کیا۔ ''اس نے ہمایوں کے قریب رہنے کے لیے مجھ سے شادی کی تھی۔ اسے مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں۔'' ظل کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے چونک کر اسد بھائی کی طرف دیکھا۔ اسد کے دل کو اطمینان ہوا کوئی بات تو اسے

چونکانے میں کامیاب ہوئی تھی۔

''اور اب تک تو مجھے لگتا ہے وہ اتنے عرصے میں ہمایوں کو اپنے جال میں پھنسانے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ تم نے دیکھا ان دونوں کے موبائلز.....'' کال بیل نے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ پہلے مائرہ اور پھر ہمایوں اندر داخل ہوئے۔ مائرہ کسی کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے چلتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ظل نے دیکھا ہمایوں کا چہرہ تھکا ہوا تھا اور وہ پریشان لگ رہا تھا۔

''دودھ کا ایک گلاس ظل۔'' اس نے مختصر بات کی اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ظل نے اسد کی طرف دیکھا۔ وہ گہری سوچ میں تھا جبکہ اس کا خیال تھا وہ ہمایوں اور مائرہ سے کچھ باز پرس کرے گا مگر وہ خاموش تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر کچن میں چلی گئی اور دودھ کا گلاس لے کر اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ ہمایوں واش روم میں تھا وہ دودھ کا گلاس بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر سیٹی پر بیٹھ گئی۔

اس کا دل عجیب سی صورتحال سے دوچار تھا کچھ دیر بعد ہمایوں واش روم سے نکلا۔ اس نے لائٹ بلو نائٹ سوٹ کا صرف پاجامہ پہن رکھا تھا۔ شرٹ اس کے کندھے پر پڑی تھی اور اس کے بال گیلے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے بالوں میں برش کیا اور آ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ نہانے سے اس کے چہرے پر موجود تھکن کے آثار کچھ کم ہو گئے تھے۔ دودھ کا گلاس اٹھا کر وہ چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرنے لگا۔

''تم سو جاؤ، مجھے کچھ کام کرنا ہے۔'' دودھ پینے کے بعد اس نے ظل کو مخاطب کیا جو ہاتھ گود میں رکھے اس کی جانب منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کندھے پر رکھی شرٹ پہنی اور اپنی اسٹڈی ٹیبل کی طرف چلا گیا۔ اب وہ اپنا لیپ ٹاپ کھول رہا تھا۔ ظل کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ اس نے گلاس اٹھا کر کچن میں رکھا اور واپس کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔ ہمایوں نے لائٹ آف کر دی تھی کمرے میں صرف لیپ ٹاپ سکرین کی لائٹ نظر آ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ظل، ہمایوں سے دل سے ناراض ہوئی تھی۔



''تم نے ان کا معمول دیکھا.....؟'' ظل نے دکھتے سر کے ساتھ اسد کی بات سنی۔ ''یہ ناقابل برداشت ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

اس روز رخشی اور آپا صالحہ پہلی مرتبہ ان کے گھر آئی تھیں۔ وہ بھی ہمایوں اور مائرہ کی اتنی دیر تک غیر موجودگی کے بارے میں بار بار پوچھ رہی تھیں۔ اس وقت وہ دونوں گیسٹ روم میں لیٹی تھیں اور ظل ان کے لیے رات کا کھانا بنا رہی تھی جب اسد کچن میں چلا آیا۔

''اب تک سب معاملہ ہمارے گھر والوں سے چھپا ہوا تھا، اب انہیں بھی اندازہ ہو جائے گا، ہمایوں اتنا کمینہ ہو جائے گا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' ظل کے دل کو یہ سخت بات چبھی۔

''آپ ان دونوں سے یہ سب باتیں کیوں نہیں کرتے اسد بھائی۔'' اس نے پیاز کاٹتے ہوئے پہلی

مرتبہ اسد کی کسی بات کا جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں کتنے آنسو پیاز کی وجہ سے آئے تھے اور کتنے دل کی حالت کی وجہ سے کون اندازہ لگا سکتا تھا۔

''جس دن میں نے یہ باتیں کیں اس دن اس گھر میں ایک طوفان آ جائے گا۔ میں منتظر ہوں۔ ہمایوں خود مجھ سے کچھ کہے۔'' اسد کی بات اسے بودی لگی مگر پھر اس نے اس پر حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ وہ مائرہ کو سرزنش کرنے کا حوصلہ خود میں نہیں پیدا کر سکے تھے، ہمایوں سے کیا پوچھتے۔

''تم کیوں نہیں اس کا گریبان پکڑتیں۔'' اب کے اسد نے اسے ترغیب دینے کی کوشش کی۔ ''پوچھو اس سے کہ کیا اس لیے تم سے یہ شادی والا احسان کیا تھا اس نے...... بڑا شوق ہے اسے سب کی نظروں میں عظیم بننے کا، ایثار و قربانی کی اعلیٰ مثال قائم کرنے چلے تھے موصوف...... کیا اس سے بہتر نہ ہوتا کہ وہ پہلے ہی مائرہ سے شادی کر لیتا۔ تم بیچاری خراب نہ ہوتیں یوں، تمہارا کوئی آگا پیچھا نہیں، تمہارے ساتھ تو یہ سخت زیادتی ہے۔ وہ تمہیں چھوڑ دے گا۔ مائرہ کی خاطر تو...... تم غریب کہاں جاؤ گی۔ پیچھے گھر والا آسرا تو ختم ہو گیا، اب اماں تو خیر ہرگز نہیں اپنے گھر میں نہیں رہنے دیں گی، سوچو کہاں جاؤ گی؟'' آنے والوں دنوں کے اس بھیانک نقشے کے بارے میں تو ظل نے سوچا ہی نہ تھا۔ اس کے متحرک ہاتھ رک گئے۔

''میرا تو جو نقصان ہو گا سو ہو گا مگر تم ایسے گھاٹے میں جاؤ گی جس سے عمر بھر نہیں نکل پاؤ گی۔'' اسد کے قیافے جاری تھے اور ظل ہما کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

گزشتہ رات اس نے ہمایوں سے اپنی طبعت کی خرابی کا ذکر کیا تھا اور اسے محسوس ہوا تھا کہ ہمایوں نے اس کی بات میں کوئی خاص دلچسپی نہ لیتے ہوئے اپنی تھکن اور کام کی زیادتی کا تذکرہ کر کے اسے آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ چند ماہ میں ہمایوں کی جس محبت اور توجہ کی وہ عادی ہوئی تھی وہ ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اسے لگا وہ نہ تین میں رہی تھی نہ تیرہ میں۔ اسے قسمت کی اس ستم ظریفی پر دکھ ہو رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ بارہ کے جس گھنٹے سے وہ لاشعوری طور پر خائف تھی وہ بجنے ہی والا تھا۔ اس نے کام روک دیا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

''آپ کب آئیں؟'' اسے لاؤنج سے ہمایوں کی آواز آئی۔ ''زہے نصیب آج تو میری بہنوں نے قدم رنجہ فرمایا'' کتنے دن بعد وہ اس ٹون میں بات کر رہا تھا۔ اس نے کچن کے کھلے دروازے سے باہر دیکھا۔ وہ دونوں بہنوں سے گلے مل رہا تھا۔

''اسد یار، مجھے فون ہی کر دیا ہوتا کہ آپا لوگ آئی ہیں، میں سب کام چھوڑ کر آ جاتا۔'' اس نے با آواز بلند اسد کو مخاطب کیا۔

''میں کر دیتا فون۔'' اسد کی آواز آئی۔ ''مگر تم سب کام چھوڑ کر چلے آتے، مجھے کچھ زیادہ یقین نہ تھا اس لیے سوچا جب آؤ گے تو دیکھا جائے گا۔'' اس کے لہجے میں جو تھا یقیناً اسے طنز کا نام دیا جا سکتا تھا۔ مگر

ہمایوں نے قطعی نوٹس نہیں لیا، وہ آپا اور رخشی سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا۔

''تم نے کچھ خاص اہتمام کیا آج کہ نہیں۔'' کچھ دیر بعد وہ کچن میں چلا آیا۔ ''گھر میں سب سامان تو موجود تھا نا، میں تو پچھلا پورا ہفتہ سخت مصروف رہا، اسد کچھ لایا؟'' وہ فریج اور فریزر کا جائزہ لے رہا تھا۔ ظل خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ یہ وہ شخص تھا جس کے بھروسے پر اس نے ایک تلخ ترین زندگی یوں گزاری تھی جیسے پروانہ ہو مگر جب خوابوں اور آرزوؤں کی نمود کا وقت آیا تھا یکدم ہی وہ شخص اجنبی سا لگنے لگا تھا۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' اس کی مسلسل خاموشی کو بھانپ کر وہ اس کی طرف چلا آیا اور اس کا چہرہ چھو کر دیکھنے لگا۔ ''گرمی ہے کچن میں، تمہیں پسینہ آ رہا ہے، کیا زیادہ کام کر لیا؟'' اس کی لگاوٹ بھری یہ بات بھی ظل کو دکھاوا لگی۔ شاید وہ اپنی بہنوں کو دکھانا چاہ رہا تھا کہ وہ ظل سے شادی کر کے بالکل مطمئن تھا۔

''چکن چلی بنالو اور فرائیڈ رائس۔'' اس نے پھر مشورہ دیا۔ ''یوں بن جاتے ہیں، لاؤ میں تمہاری مدد کروا دوں۔'' ظل اسی طرح خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''اگر طبیعت زیادہ خراب ہے تو میں کھانا منگوا لیتا ہوں جان، کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ اس کی خاموشی پر پہلی بار چونکا اور قدرے اٹکتے ہوئے بولا۔ ''اٹھو، آؤ میں تمہیں کمرے میں چھوڑ آؤں۔'' اس نے ظل کا ہاتھ پکڑا۔

''میں ٹھیک ہوں اور مجھے کھانا بنانا ہے۔'' ظل نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''ظل ہما۔'' وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ ''کیا مسئلہ ہے میری جان، مجھے نہیں بتاؤ گی، اب پلیز یہ نہ کہنا کہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مسئلہ ہے، تم مجھے جھٹلا نہیں سکتی ہو۔''

''تم جاؤ باہر، آپا اور رخشی انتظار کر رہی ہیں۔ مجھے کھانا بنانا ہے وقت کم رہ گیا ہے۔'' ظل نے اپنی لرزتی ہوئی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ہمایوں کی بے اعتنائی، دل میں سر اٹھاتے شکوک اور اب اس کی توجہ سب کے سب اس کے دماغ میں گڈمڈ ہونے لگے۔ وہ اسے کچھ دیر تک غور سے دیکھنے کے بعد اٹھ کر چلا گیا۔



''جیسا میں چاہتی تھی اس گھر میں مائرہ ویسا کردار ادا نہیں کر سکی۔ اس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔'' رفیعہ آنی کہہ رہی تھیں اور اسد اور ظل ہما سن رہے تھے۔

''میں تم سے بھی شرمندہ ہوں اسد بیٹے۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔ ''میرے پڑھائے سبق، میری سب تربیت غارت کر دی اس نے، تمہیں شاید ہمارے گھر، ہمارے خاندان سے بھی گلہ ہو گا مگر یقین جانو کہ ہماری روایات یہ نہیں ہیں، ہم بالکل مختلف قسم کے لوگ ہیں، مجھے تو مائرہ کو دیکھ کر اس کی باتوں کو سن کر یقین نہیں آتا کہ یہ میری ہی بیٹی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس اچھی بھلی سمجھ دار لڑکی کے دماغ کو کیا ہو گیا ہے۔''

''اس کی زندگی کی ڈائریکشن غلط ہو گئی ہے۔ وہ ویسی زندگی نہیں گزار رہی جیسی وہ چاہتی تھی اور میرا

خیال ہے کسی کو بھی پابند کر کے رکھنا ایک بڑی حماقت ہے۔'' اسد نے کہا۔

''ایسا مت کہو بیٹا۔'' رفیعہ نے جیسے تڑپ کر کہا۔ ''میں مایوس نہیں ہوں، یہ وقتی فیز ہو سکتا ہے، ٹھیک ہو جائے گی، انسان وقتی طور پر اپنی خواہشات پورا نہ ہونے کے سبب ناامید اور دلبرداشتہ ہو جاتا ہے مگر سنبھلنے کا موقع تو خدا کی ذات بھی دیتی ہے۔''

''مگر جب ایک بندے کا دل ہی نہ مانتا ہو تو کیا، کیا جا سکتا ہے آنی، مجھے کوئی امید نظر نہیں آتی۔'' اسد نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''سنتے آئے ہیں کہ گھر بنانے کے لیے ہمیشہ عورت ہی قربانی دیتی ہے۔'' رفیعہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مگر کبھی کبھی گھر بسانے کے لیے قربانی دینے والا کردار مرد کو بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ تم ایک اچھے خاندان کے بیٹے ہو اسد، میرا خیال نہیں کہ تمہارے گھر کا کوئی بھی فرد تمہیں گھر اجاڑنے کا مشورہ دے سکتا ہے۔ بیٹا تھوڑی سی قربانی، تھوڑا سا صبر اور تھوڑا سا جبر اگر لمبے عرصے کے فائدے کے لیے کر لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔''

''مگر کس کے لیے......؟'' اسد پر ان کی کسی بھی بات نے اثر نہیں کیا۔ ''میری آنکھوں کے سامنے وہ میرے بھائی کے ساتھ فلرٹ کرتی ہے، میرے کانوں کو وہ الفاظ کیسے بھول سکتے ہیں جو اس نے مجھ سے کہے اور جن کا لب لباب یہ تھا کہ مجھ سے شادی اس کی زندگی کی سب سے بڑی حماقت تھی۔ آپ مان لیجئے آنی کہ وہ مجھ سے نہیں ہمایوں سے شادی کرنا چاہتی تھی۔'' خفت اور شرم سے رفیعہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ان کی اکلوتی لختِ جگر نے انہیں اس گھڑی میں لا کھڑا کیا تھا جس سے کوئی فرار نظر نہیں آ رہا تھا۔

''وہ ڈرنک کرتی ہے اور اسموکنگ بھی، یہ شادی اس کے لیے اتنا بڑا سانحہ ثابت ہوئی کہ اس کا غم بھلانے کے لیے وہ ان دونوں ممنوعات کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو گئی اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو گا اس کے پچھتاوے کا۔'' اسد نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ رفیعہ نے ایک نظر ظلِ ہما کی طرف دیکھا جو سپاٹ چہرہ لیے یہ سب گفتگو سن رہی تھی۔

''ہمایوں کے ساتھ اس کی شادی نہیں ہو سکتی تھی، یہ پہلے سے طے شدہ تھا اور وہ اچھی طرح جانتی تھی۔'' انہوں نے ایک بودی دلیل دینے کی کوشش کی۔

''اس نے ہمایوں کے قریب رہنے کے لیے مجھ سے شادی کی تھی، یہ اس کے اپنے الفاظ ہیں۔'' اسد نے ایک اور حقیقت بیان کی۔ رفیعہ نے اپنے خشک حلق میں کانٹے چبھتے محسوس کیے۔ انہوں نے ایک بار پھر ظلِ ہما پر نظر ڈالی۔

''مجھے ایک موقع دو بیٹا، میں اسے سمجھا لوں گی۔'' انہوں نے بمشکل یہ الفاظ کہے۔

''آپ یہ دیکھئے کہ اس سارے معاملے میں ہمایوں اور ظلِ ہما کی زندگی کتنی متاثر ہو رہی ہے۔

ہمایوں، مائرہ کے جال میں پھنس گیا ہے۔ وہ دیر سے گھر واپس آنے لگا ہے۔ ظل ایکسپیکٹ کر رہی ہے اور اس وقت اسے ہمایوں کی توجہ کی ضرورت ہے مگر وہ بہت دیر سے بہی مائرہ کی زلف کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔''

''نہیں بیٹا۔'' رفیعہ اس کی درشت گوئی سے سنبھل نہیں پا رہی تھیں۔'' ہمایوں کو الزام مت دو، وہ تو خود بھی اس صورتحال پر بہت اپ سیٹ ہے۔''

''وہ اپ سیٹ نہیں بلکہ خوش ہے۔ ظل سے شادی کر کے سرخرو بھی ہو گیا، واہ واہ بھی سمیٹ لی اور مائرہ بھی ہاتھ سے نہیں گئی۔ ہمایوں جتنا سمجھ دار ہے اتنا میں اسے ہرگز نہیں سمجھتا تھا۔'' اسد نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''تم اپنے بھائی سے بدگمان ہو رہے ہو اسد، کیا تم اسے نہیں جانتے......؟'' پہلی مرتبہ رفیعہ نے بلند آواز میں کوئی بات کہی تھی۔

''جس طرح آپ کو اپنی بیٹی کے بارے میں کچھ حقیقتوں کا اب پتہ چلا ہے اسی طرح میں نے بھی ہمایوں کو اب ہی جانا ہے۔ مجھے بار بار یاد آتا ہے کہ کیسا وہ اس شادی کے لیے خوش تھا۔ اس نے مجھے قائل کیا۔ جبکہ میں نے اس سے پوچھا بھی تھا کہ مائرہ تمہاری دوست ہے وہ مجھ سے شادی کیوں کرے گی تو بولا یہ چوائس کی بات ہے۔ میں شادی کے لیے مائرہ کے معیار پر پورا نہیں اترا۔ اوہ میرے خدا، دنیا میں اتنے دوغلے لوگ بھی ہوتے ہیں اور ہمارے اردگرد ہی ہوتے ہیں۔ ہم ہی نہیں جان پاتے۔'' اسد اس ساری صورتحال سے سخت ناخوش تھا۔

''جو بھی کہو، اس سارے معاملے میں سب قصور مائرہ کا ہے، ہمایوں کو بیچ میں مت رگیدو، وہ ایک بااصول اور وضع دار لڑکا ہے، اس کے متعلق میں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' رفیعہ نے ہمایوں کی سائیڈ لیتے ہوئے کہا۔

''میں ایک عام انسان ہوں، فرشتہ نہیں ہوں، گناہ گار بھی ہوں، آنی پلیز مجھ سے میری ہمت سے بڑھ کر توقع نہ رکھیے گا۔'' اسد نے ان کے اٹھنے سے پہلے کہا۔

''رفیعہ پہلی بار اس گھر سے مرے قدموں کے ساتھ واپس جا رہی تھیں۔



''آپ کی لڑائی ہمایوں سے ہے مجھ سے تو نہیں، آپ یہاں میرے پاس آئیں امی میں بہت اداس ہوں۔'' ظل نے اسد کو فون پر بات کرتے سنا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''پہلے کیا کم مسائل ہیں جو یہ ایک اور مسئلہ کھڑا کرنے کے درپے ہیں۔'' اسے اپنا آپ انتہائی غیر محفوظ لگنے لگا۔ وہ ان دنوں کمزور اور سست ہو رہی تھی۔ ایک دفعہ کے بعد ہمایوں اسے کسی ڈاکٹر کے پاس لے کر نہیں گیا تھا۔ یہ اس کا پہلا تجربہ تھا اور اسے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ اس پر ہر وقت دل پر چھایا

خوف اور ان جانے اندیشے...... اس کی صحت خاصی خراب تھی اور ہمایوں پہلے سے بھی زیادہ مصروف رہنے لگا تھا۔ ہفتے میں دو دن اسے اسلام آباد آفس اٹینڈ کرنا پڑتا تھا اور اس کے اوقات کار بھی بڑھ گئے تھے۔ اس سارے منظر میں ظل کو صرف مائرہ نظر آتی تھی جو آفس میں بھی ہمایوں کے ساتھ ایسوسی ایٹڈ تھی اور گھر میں گزرنے والے چند گھنٹوں میں بھی۔ ہمایوں رات گئے گھر آتا اور سخت تھکا ہوا نظر آتا۔ ایک نظر ظل پر ڈالنے کے بعد وہ اس سے یہ پوچھنا بہر حال نہیں بھولتا تھا کہ وہ اتنی کمزور کیوں ہو رہی تھی۔ اسے اچھی خوراک لینے کی ہدایت کرتا اور پھر اپنے کسی آفس ورک میں مصروف ہو جاتا۔ بستر پر آنے کے وقت تک وہ اتنا تھک چکا ہوتا تھا کہ اسے شب بخیر کہے بغیر ہی اس کی آنکھیں مونده جاتیں۔

''میں تنہا ہو گئی ہوں ہمایوں، ہمیشہ سے زیادہ تنہا۔ اس کا دل پکار کر کہنا چاہتا۔ پہلے میرے ساتھ کچھ لوگ رہتے تھے میری سوچوں میں۔'' اسے اپنا من پسند مشغلہ یاد آتا۔ ''اندھیروں میں چمکتی کرن تھی، اچھے دنوں کی ابتداء تھی۔ مقدر کی بہتری کی آس تھی۔ اب میرے سارے الوژنز ختم ہو گئے۔ میری سوچوں کے لوگ مجھ سے رخصت ہو گئے۔ امید اور آس، نراش میں بدل گئیں۔ میں اتنی تنہا تو جب بھی نہیں تھی ہمایوں جب تمہارا صرف تصور میرے ساتھ تھا۔'' اپنی بات دل میں ہی رکھ لینے کی عادت تو اسے بچپن ہی سے تھی، کبھی کبھار ہمایوں کے سامنے دل کھول لینے کی عیاشی بھی اب ختم ہوتی جا رہی تھی۔

اور اب اسد بھائی، بڑی اماں کو یہاں آنے کی دعوت دے کر ایک اور در کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ وہ در تھا جس سے سختی اور مصیبت کے جھکڑ ہی اس کی ذات پر چلے تھے۔ کچھ دن پہلے اسد نے اس کے جس ممکنہ مستقبل کا نقشہ کھینچا تھا۔ وہ اس کا تصور کرتے ہی کانپ جاتی تھی۔ ایسے میں وہ یکسر بھول جاتی کہ وہ ہمایوں کے بچے کی ماں بننے والی تھی اور یہ وہ حیثیت تھی جسے نظر انداز کرنے کے چانسز کتنے فیصد ہو سکتے تھے۔



''بہت سی قابل افسوس باتوں میں زیادہ افسوس مجھے اس بات کا ہے ہمایوں کہ اسد تم سے سخت بدگمان ہو چکا ہے، وہ تمہارے بارے میں وہ بات سوچ رہا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔'' رفیعہ نے کافی کی پیالی ہمایوں کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا ان کے چہرے پر تاسف تھا اور تناؤ بھی۔

''یہ بھی مائرہ کی مہربانی ہے۔'' ہمایوں جیسے زبردستی مسکرایا۔ اس کی باتیں ہی ایسی ہیں کہ کوئی بھی انہیں سن کر میرے بارے میں غلط اندازہ لگا سکتا ہے۔''

''مگر اسد تو تمہارا بھائی ہے، اس سے زیادہ تمہیں کون جانتا ہوگا۔'' رفیعہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

''اسد، مائرہ کا شوہر بھی تو ہے اگر مائرہ اپنے شوہر سے صاف الفاظ میں یہ بات کہے گی کہ اس سے شادی کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اس کے بھائی کے قریب رہ سکے تو کیا وہ اپنے بھائی سے بدگمان نہیں ہوگا۔ مجھے تو حیرت ہے کہ اس نے مجھے اب تک قتل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔'' ہمایوں کے لہجے میں

عجیب سی بے بسی تھی۔

''خدا نہ کرے......'' رفیعہ کو جھرجھری آ گئی۔ ''ہمایوں تم لوگوں کے لیے یہ سارا مسئلہ یہ ساری پریشانی مائرہ کی کھڑی کی ہوئی ہے، میں نے مائرہ کے ڈیڈی سے اب تک اس سارے معاملے کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ مرد جذباتی ہوتے ہیں وہ کتنے ہی خاموش اور ٹھنڈے مزاج کے سہی بہر حال ایسی بے راہ روی برداشت نہیں کر سکتے۔ مجھے مائرہ نے بری طرح لیٹ ڈاؤن کیا ہے مگر اس سے زیادہ غم مجھے اس بات کا ہے کہ تم جیسے شرفاء کے گھر اور زندگیوں میں کھڑاگ کھڑا کرنے کا باعث میری بیٹی ہے اگر مائرہ کو اسد کی زندگی سے نکال دینے سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے تو میں اپنے دل کے خلجان اور شرمندگی کو ختم کرنے کے لیے اس سے منع نہیں کروں گی۔''

''مسئلے کا یہ سب سے آسان حل ہے آنی۔'' ہمایوں نے پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا ''مگر سب سے احمقانہ حل بھی یہی ہے۔ میں مائرہ کی خوبیوں اور اس کی خامیوں، اس کی شخصیت کے اسٹرونگ ایریا سے بخوبی واقف ہوں، اس میں عام لڑکیوں سے زیادہ پوٹینشل ہے۔ آپ کی تربیت نے اس کی شخصیت کو خوب سنوار رکھا ہے۔ ایسی اچھی لڑکی اور ایسا اعلیٰ ٹیلنٹ اگر کسی وجہ سے ڈی ٹریکڈ ہو جائے تو اس کی واپسی کا راستہ بند کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ آپ جانتی ہیں اس سارے قصے میں سب سے زیادہ متاثر میری ذات ہو رہی ہے۔ میرا بھائی مجھ سے بدگمان ہے اور اس سے زیادہ شاید میری اپنی زندگی متاثر ہو رہی ہے۔ میں نے ظل ہما سے شادی اسے ازلی خوشیوں سے ہمکنار کرنے اور اس کی زندگی بھر کی محرومیوں کی تلافی کرنے کے عہد کے ساتھ کی تھی مگر اب میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے مصروف شیڈول اور مائرہ والے قصے میں ایک دوست کی حیثیت سے انوالومنٹ ظل ہما کو مجھ سے ناراض کر رہی ہے۔ میں اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی مایوسی دیکھتا ہوں، رنج، افسوس، غصہ یہ تینوں چیزیں نہیں بلکہ مایوسی ہے اور یہ میرے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات ہے مگر میں مائرہ سے مایوس نہیں ہوں، نہ ہی ہونا چاہتا ہوں۔ زندگی میں ایک معمولی سی ناکامی پر وہ اس طرح ری ایکٹ کرے گی یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا مگر میں نے عہد کر رکھا ہے کہ میں اسے واپس درست ٹریک پر لا کر ہی چھوڑوں گا۔''

''تم عظیم ہو ہمایوں۔'' رفیعہ کی آواز احساس تشکر سے کانپنے لگی تھی۔ ''میں نے زندگی میں بہت کم لوگ ایسے دیکھے ہیں جو کسی کا سر درد اپنے سر لے لیں۔''

''اس میں میرا اپنا بھی لالچ ہے آنی۔'' ہمایوں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''میری فیملی کی کچھ روایات ایسی ہیں جن کو توڑنے کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاں بدترین حالات میں بھی مایوسی کا تصور گناہ سمجھا جاتا ہے۔ میں نے اپنے خاندان میں کئی گھر ایسے دیکھے ہیں جن کے مرکزی افراد نے ذہنی ہم آہنگی صفر کے برابر ہونے کے باوجود اس لیے اکٹھے زندگیاں گزار دیں کہ علیحدگی کی صورت میں نسلوں کی تباہی

مضمر ہوتی ہے۔ ہم ایسے وضع دار لوگوں کے لیے یہ بری ترین صورتحال ہے۔''

''میں جانتی ہوں، بہت اچھی طرح جانتی ہوں اور شاید تمہارے گھرانے کی انہی باتوں نے تو مجھے بھی متاثر کیا تھا مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ مائرہ کی حرکتیں اور اس کی روش روز بروز تم لوگوں کے لیے ایک داغ ندامت بنتی جا رہی ہے، اسد شریف لڑکا ہے، تحمل مزاج ہے مگر وہ کب تک ایسا رہ سکے گا، اسے تم کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے کیسے روک سکتے ہو.....؟'' رفیعہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ہمایوں نے ان کے آنسوؤں سے نظریں چرانے کے لیے اپنے اردگرد دیکھنا شروع کر دیا۔ یہ رفیعہ کے گھر کا لاؤنج جو لائٹ گرین اور یلو کلرز کے امتزاج سے سجایا گیا تھا، اس کا ماحول اتنا پرسکون اور ٹھنڈا تھا کہ گرم ترین مزاج کا شخص بھی یہاں آ کر سکون محسوس کر سکتا تھا۔

''کیا میرے دل و دماغ میں ایسی آگ لگی ہے جو یہاں آ کر بھی میں خود کو تپتا محسوس کر رہا ہوں۔'' اس نے گلاس ٹیبل ٹاپ پر رکھے لائٹ گرین کرسٹل واز میں سجی گندمی ٹہنوں کو دیکھتے ہوئے سوچا جو ہمیشہ ہی اسے بہت خوبصورت لگا کرتی تھیں مگر اس وقت ان میں بھی اسے کوئی خوبصورتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ ذہنی طور پر اتنا الجھا ہوا تھا کہ اسے اپنے ذہن کی الجھن کے سوا کسی اور چیز کی سوجھ بھی نہیں رہی تھی۔ اسے رفیعہ اور ان کا گھرانہ عزیز تھا اپنے خاندان کی روایات عزیز تھیں اور اپنی عزت نفس بھی۔ اسے اپنی والدہ کی تمام عمر کی کمائی، انا اور عزت نفس بہت پیاری تھی۔ اسد اور مائرہ کی شادی کے کسی بھی ناخوشگوار خاتمے کی صورت میں ان کا تماشہ بنائے جانے کا امکان قوی تھا۔ ان کے پاس پیسہ کیا آیا وہ برتن سے باہر بہنے لگے، وہ جانتا تھا کہ خاندان برادری کے لوگ اسی قسم کی باتیں بنا سکتے تھے۔ اس کے خیال میں اماں کے لیے یہ دوسرا ذہنی دھچکا ہوتا، جس کے نتیجے میں وہ اپنی نظروں میں ہی اپنی ذلت محسوس کرتیں، وہ یہ سب ہونے نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسے مائرہ بھی عزیز تھی کہ کسی ناخوشگوار اتفاق کی صورت میں اس کی شخصیت، ٹیلنٹ اور ہنر کی تباہی کا بھی خدشہ تھا اور ایسا ہونے کو وہ ایک انسان کی ذہنی موت قرار دیتا تھا۔ اسے مائرہ کو اس ذہنی موت سے بچانا تھا، اسد کی زندگی کو عمر بھر کے پچھتاوے سے بچانا تھا، خاندانی روایات اور وضع داری کو بچانا تھا، اسے ایسا لگتا تھا جیسے وہ ایک ان دیکھی ذمے داری کے جال میں پھنس کر رہ گیا تھا۔



وہ یہاں آنا نہیں چاہتی تھیں۔ اپنے دل میں انہوں نے خود اپنے آپ سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ اس گھر میں قدم نہیں رکھیں گی جہاں ان کی خواہشات کو ابدی شکست سے دوچار کرنے والی ظل ہما کا وجود مالکن کی حیثیت سے موجود تھا مگر اسد نے جس ملتجیانہ انداز میں ان سے یہاں آنے پر اصرار کیا تھا اس نے انہیں اپنے فیصلے پر نظرثانی پر مجبور کر دیا تھا۔ انہیں بارہا محسوس ہوتا تھا جیسے کہیں کچھ غلط تھا، کچھ ایسا غلط جو کسی بڑی گڑبڑ پر منتج ہو سکتا تھا مگر وہ ٹھیک طرح اندازہ نہیں لگا پائی تھیں کہ کیا غلط تھا۔ انہیں قوی امید تھی کہ غلط کا تعلق

ہمایوں سے تھا جس سے وہ اب تک دل میں خفا تھیں۔ان کا خیال تھا کہ حسب توقع وہ اپنے جذباتی اور نادان فیصلے پر بری طرح پچھتا رہا ہوگا، اس کی زندگی جہنم بن چکی ہوگی اسی لیے اسد ایک مخلص بھائی کی حیثیت میں انہیں ایس او ایس کال دے رہا تھا۔انہوں نے اپنی روانگی کی تیاریاں بھی اسی خیال سے کی تھیں۔

''آپ تو ہمایوں سے ناراض تھیں، اب چل پڑیں فوراً ان کے پاس۔'' صالحہ نے طنزاً کہا۔

''بے وقوف، نادان ہے، اپنی سی کر لی ہے اس نے، میں ماں ہوں اسے کوئی پریشانی آئے گی تو بھی تکلیف تو مجھے ہی ہوگی نا۔'' انہوں نے دلیل دی تھی۔

وہ یہ سوچ کر وہاں آئی تھیں۔ وہ اپنی نند کے بیٹے نوید کے ساتھ وہاں آئی تھیں وہ صبح کا وقت تھا۔ اپارٹمنٹ خوبصورتی سے سجا ہوا تھا مگر تھوڑی دیر بعد ہی انہیں اس میں گھٹن کا احساس ہونے لگا۔ گھر میں ظل کے علاوہ اسد بھی موجود تھا۔ جس کو ان کا انتظار تھا اور اسی انتظار میں اسی روز چھٹی پر تھا۔انہوں نے اب تک ظل ہما کو مکمل نظر انداز کیا تھا اور اسد سے گفتگو میں مصروف تھیں۔ چائے کے بعد نوید رخصت ہو گیا۔ وہ اسد کے ساتھ تنہا کمرے میں بیٹھی تھیں۔

''ہمایوں کس وقت واپس آتا ہے؟'' انہوں نے ایک بے ضرر سا سوال پوچھا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ اس کے جواب میں انہیں قیامت خیز حقائق سننے پڑیں گے۔ انہوں نے جن حالات کا تصور بھی نہیں کیا تھا وہ ان کے دو بیٹوں کی زندگیوں میں زہر گھول رہے تھے اور وہ انجان تھیں۔

''وہ انگور جو بغیر چھلانگ لگائے حاصل ہو گئے وہ کھٹے ہی نہیں کڑوے بھی ہیں۔'' اسد کہہ رہا تھا۔ ''ہمایوں نے نیک نامی کی مات دی ہے مجھے، وہ سمجھتا تھا اس کے بے داغ کالر پر کوئی شک نہیں کرے گا اور وہ دوطرفہ مزے لیتا رہے گا مگر اس نے مجھے بالکل ہی بچہ سمجھ کر سب سے بڑی حماقت کی۔ آپ اتنی تجربہ کار اور جہاندیدہ ہیں، آپ کو بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ خود ظل ہما سے شادی کر کے اور میری شادی مائرہ سے کروا کر اتنا خوش اور مطمئن کیوں ہے؟'' اسد طیش کے عالم میں تھا۔ مگر دل ہولا دینے والے ہی سہی سنے گئے حالات نے آغاز میں ان کے حواس معطل ضرور کیے تھے مگر پھر آہستہ آہستہ ان پر ان کی ہوش مندی غالب آنے لگی تھی۔ وہ بہت حد تک اپنے بچوں کے مزاج سے واقف تھیں۔ ہمایوں کے بارے میں خصوصاً وہ زیادہ واضح رائے رکھتی تھیں۔ انہیں اپنی ساری اولاد میں سے اپنا جو بیٹا سب سے زیادہ عزیز تھا وہ اسد کی باتوں کو سن کر بھی یہ ماننے میں متامل تھیں کہ ہمایوں اتنی بڑی چال چل سکتا تھا۔ مائرہ سے شادی کرنا چاہتا تو اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی اور ظل سے شادی کرنا کوئی اخلاقی ذمے داری نہیں تھی پھر اسد اس پر اتنا گرا ہوا الزام کیوں لگا رہا تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔ ہاں، مائرہ کے بارے میں سن کر وہ ایک ذہنی صدمے سے ضرور دوچار ہوئی تھیں اور یہ حقیقت بھی ان کے لیے دکھ کا باعث تھی کہ مائرہ کے گھرانے کی وضع داری کی گواہی انہیں ہمایوں نے ہی دی تھی۔

''اگر یہ سب درست ہے تو پھر ظل کی کیا حیثیت ہے اس گھر میں......؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے اسد سے وہ سوال پوچھ لیا جس کو پوچھ کر ان کے دل کو ملال ہونے لگا۔

''وہی جو آپ کے گھر میں تھی، گھر سنبھال لیا اور یہ ذمہ داری نبھانے کے عوض کھانے اور رہنے کو مل گیا۔'' اسد نے دانستہ یہ بات کہی تھی۔ اس بات پر تو ان کے دل میں ٹھنڈ پڑ جانی چاہیے تھی مگر انہیں لگا انہیں کوئی بھی احساس نہیں ہوا۔ حالات اتنے الجھے ہوئے تھے کہ اس مختصر وقت میں وہ کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر پائی تھیں۔



ہمایوں کے لیے اماں کی آمد غیر متوقع تھی۔ اسد نے اسے ایک بار بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ اماں کو یہاں بلا رہا تھا۔ خود اس سے اماں کی بات بہت مختصر ہوتی تھی، وہ اس غیر متوقع آمد پر ٹھیک اندازہ نہیں لگا پایا تھا کہ وہ خوش تھا یا ان کی اس وقت کی آمد اسے ایک اضافی بوجھ لگی تھی۔ شاید کوئی اور وقت ہوتا تو اس سے زیادہ خوش کوئی دوسرا نہ ہوتا کیونکہ وہ دل میں ان سے شرمندگی محسوس کرتا تھا۔ ظل سے شادی کے لیے اسے اپنی خواہشات اور خوابوں پر چلنا پڑا تھا اور وہ آنکھیں بند کر کے یہ کام کر تو گیا تھا مگر ضمیر میں چبھن بھی محسوس کرتا تھا۔ وہ کئی بار دل میں ان کے پاس تنہا جانے اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے کا پروگرام بنا چکا تھا مگر شروع میں ان کے غصے کے تازہ ہونے کا خیال پھر اپنی مصروفیات اور اب اسد اور مائرہ کے مسئلے نے اسے اس کا موقع نہیں دیا تھا اور اب تو وہ بہت الجھا ہوا تھا، اسے اسد پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ اس قدر کشیدہ حالت میں انہیں یہاں بلانے کا مقصد سوائے انہیں دکھ دینے کے اور کیا ہو سکتا تھا۔

''یہ کیسی زندگی گزر رہی ہے تم لوگوں کی......؟'' اماں نے ہمایوں اور مائرہ کی واپسی پر ہمایوں کو تنہا ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کھاتے اور مائرہ کو صرف رسمی سلام دعا کے بعد اپنے کمرے میں چلے جاتے دیکھنے کے بعد اسد سے کہا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ ان دونوں کا انتظار کر لیتے ہیں، تم نے کہا وہ دیر سے آئیں گے لیکن ہمارے کھانا کھانے کے فوراً بعد ہی یہ لوگ آ گئے اور یہ دونوں میری آمد سے بے خبر کیوں تھے، تم نے انہیں بتایا کیوں نہیں تھا؟'' وہ اسد سے مخاطب تھیں مگر ہمایوں سمجھ رہا تھا کہ وہ اسے بھی سنا رہی تھیں۔ اس نے اپنے سامنے کھانا رکھتی ظل کو دیکھا اس کی آنکھیں سوجی ہوئی اور سرخ تھیں۔ گویا اماں نے آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا تھا اور یہ رونے سے شغل فرماتی رہی تھی۔ اس نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

''مائرہ تھکی ہوئی ہے غالباً میں خود اس کے پاس ذرا دیر بیٹھ لیتی ہوں۔'' انہوں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تم آفس نہیں گئے آج؟'' اسد اب ہمایوں سے بات کرنے سے بھی کتراتا تھا مگر اس وقت ہمایوں

نے اسے خود ہی مخاطب کر لیا تھا۔

''اماں نے آنا تھا۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا، اماں کے آنے کے بارے میں......؟'' ہمایوں نے پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے سوچا جب آئیں گی، تمہیں پتہ چل ہی جائے گا'' وہ بے پروائی سے بولا۔

''اور تم نے چاول نہیں بنائے اماں کے لیے، تمہیں تو معلوم ہے کہ وہ دانتوں کی وجہ سے چپاتی نہیں کھا سکتیں۔'' اب وہ خوامخواہ ہی ظل سے الجھا۔

''انہوں نے خود کہا تھا۔'' ظل نے مختصر جواب دیا۔

''مرچیں بھی معمول سے زیادہ ہیں تینوں سالن میں، تم نے شاید غیر حاضر دماغی کے ساتھ کھانا پکایا ہے۔'' اسے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس کا غبار ظل پر نکال رہا تھا۔

''اماں یہاں رہیں گی، ان کی خدمت میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے اور تم کچھ زیادہ ہی غائب دماغی کا شکار رہنے لگی ہو'' وہ بول رہا تھا اور اسے شاید خود بھی احساس نہیں تھا کہ وہ کیا بول رہا تھا۔

''اور اب اسے اماں کی محبت چڑھ گئی۔'' ظل نے کچن سمیٹتے ہوئے سوچا۔ ''کیا یہ نہیں جانتا کہ وہ کس حد تک مجھ سے خدمت کرانا پسند کریں گی۔'' اس پر خفگی حاوی ہو گئی۔ ''مجھے وہ یہاں رہنے بھی دیں گی، میرا دل تو ہر دم یہ سوال کرتا رہتا ہے۔'' اس نے کچن کی لائٹ بند کی اور باہر آ گئی۔ اماں مائرہ کے کمرے سے نکل رہی تھیں۔ ہمایوں لاؤنج میں بیٹھا کوئی بزنس چینل دیکھ رہا تھا اور اسد ڈائننگ ٹیبل پر جا بیٹھا تھا۔ کمرے میں خاموشی تھی اور ایک واضع تناؤ محسوس ہو رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آیا وہ کیا کرے۔ وہ کچن کے دروازے میں ہی کھڑی ہو گئی۔

''میں اب سوؤں گی اسد'' بڑی اماں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

''ادھر ہی جہاں دوپہر میں لیٹی تھیں۔'' اسد اٹھ کر تیزی سے ان کی جانب لپکا۔ ہمایوں بے نیازی سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ ظل آہستہ قدموں سے چلتی اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔

''خوشیوں کو نظر کھا جاتی ہے۔'' اسے کبھی کی سنی بات یاد آئی۔ ''کس کی نظر۔'' اس نے سوچا ''یا پھر کس کس کی نظر۔'' اسے مختلف چہرے یاد آ گئے۔ جن پر رشک تھا۔ حسد تھا، جلن تھی غصہ تھا۔ پھر ہمایوں کمرے میں آ گیا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم اماں کے آنے پر ڈسٹرب ہو'' اس نے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ظل نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا ان کا مفہوم وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

''میں تمہیں ساری خوشیاں، سارے آرام، ساری سہولتیں دینے کی پوری کوشش کرتا ہوں ظل، میری

سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر بھی تم اتنی خفا کیوں رہتی ہو......؟ تمہاری نظریں مجھ سے شکوہ ہی کیوں کرتی رہتی ہیں...... میں ایسا کیا کروں جو تم خوش نظر آیا کرو۔'' وہ کہہ رہا تھا اور ظلِ ہما کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

''شاید تم نے خوش ہونا سیکھا ہی نہیں۔'' پھر ہمایوں نے اس پر ایک اور انکشاف کیا۔''اس میں تمہارا بھی قصور نہیں، ہمارے رویے اور ان کا طریقۂ اظہار بچپن سے ہی پنپنا شروع ہو جاتا ہے، تمہاری شخصیت پر بچپن سے ایک ہی رویہ حاوی ہوتا ہو گیا محرومیوں اور ان کے شکوے کا۔'' ہمایوں نہ جانے کس بات سے زچ ہو کر یہ سب باتیں کہے جا رہا تھا جب کہ ظل کا دل اس بے انصافی کا بوجھ اٹھانے سے انکاری ہو رہا تھا۔

''اور اب اماں آ گئی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اپنے رویے میں توازن کیسے قائم کر پاؤں گا۔'' اب ہمایوں نے ایک نیا نکتہ اٹھایا۔''تمہارا کیا خیال ہے، مجھے کیا کرنا چاہئے جب کہ تم ان کی ناراضگی سے بھی واقف ہو۔ وہ مجھ سے خفا ہیں اب تک اس کا مظاہرہ تم نے آج بھی دیکھ ہی لیا ہوگا۔''

''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' ظل کے دل نے خاموشی سے سوال کیا۔''کیا میں تمہیں اپنی ذمہ داری سے خود آزاد کر دوں یا تم یہ کام اپنے ہاتھوں کرو گے۔''

''ہماری بدقسمتی ہے کہ اس نئی زندگی کے آغاز پر ہی ہم کچھ ایسی الجھنوں شکار ہو گئے ہیں جن کا کوئی سرا فی الحال ہاتھ نہیں آ پا رہا تھا۔'' پھر اس نے ایک نئی بات کی۔

''میں جانتا ہوں کہ میں تمہیں پوری توجہ نہیں دے پا رہا مگر میں تمہاری طرف سے غافل بھی نہیں ہوں۔ میں اگر توجہ نہیں دے پا رہا تو اس کی وجہ بھی اپنی زندگیوں میں دیرپا استحکام کی کوشش ہے۔ میں اپنے گھرانے کے لوگوں کے سامنے تماشا بننے سے واقعی ڈرتا ہوں اور میں کسی طرح بھی سہی کچھ ایسا ہونے نہیں دوں گا جو کسی ایسے نتیجے پر منتج ہو۔'' ہمایوں کی گفتگو میں تسلسل نہیں تھا اور ظل کو یہ بات بہت بری طرح محسوس ہو رہی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم کہ اماں یہاں کتنے دن رہیں گی اور ان کا یہاں رہنا کیا رنگ لائے گا، مجھے معلوم نہیں کہ اسد میرے بارے میں کیا سوچتا ہے اور اس نے اماں کو کیا بتایا ہے یا کیا بتانے والا ہے مگر میں بس اتنا چاہوں گا کہ ہم دونوں کمپوزڈ رہیں جو ہمارے فرائض ہیں وہ پورے کریں اور دیکھیں کہ حالات کیسا رنگ لاتے ہیں۔'' اس نے اپنی الجھی ہوئی بات مکمل کی اور ظل کے تاثرات جاننے کی کوشش کی۔ وہ اسی طرح سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھی۔

''تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے ظلِ ہما؟'' اس نے جھنجھلا کر اس کا سپاٹ چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ اس کی انگلیاں ظل کی جلد میں گھسی جا رہی تھیں۔ گرفت اتنی سخت تھی کہ ظل اپنا چہرہ ہلا بھی نہیں پا رہی تھی۔

''تم نے میری ایک بھی بات کا جواب نہیں دیا۔ تم مجھے وجہ بتاؤ کہ تم ایسی کیوں ہو گئی ہو؟'' ظل کی

آنکھوں سے بے اختیار پانی بہنے لگا۔

''یہ اچھا طریقہ ہے......!'' ہمایوں نے ایک جھٹکے سے اس کا چہرہ چھوڑا۔'' کچھ جواب نہ سوجھا تو آنسو بہانے شروع کر دیئے۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری اس ساری کیفیت کی وجہ وہ ٹریڈیشنل ویمنیشن جیلسی (روایتی زنانہ حسد) ہے مگر کبھی یہ بھی سوچ لینا کہ مائرہ سے شادی کرنا میرے لیے دنیا کا آسان ترین کام تھا، میں نے مشکل ترین کا انتخاب کیا۔ اس کی وجہ سوچی کبھی تم نے۔ میری ماں آج بھی ناراض ہے مجھ سے اس بات پر، کیا میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں مائرہ سے شادی کر لیتا۔ اماں بھی راضی رہتیں اور یہ کھڑاگ بھی شاید نہ اٹھتا۔'' ظل نے بھیگی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں نے پچھتاوے کا ذکر نہیں کیا۔'' ہمایوں اس کی نظروں کا اتنا تو مفہوم سمجھتا تھا۔ اس کو کچھ تسلی ہوئی۔ ''میں نے تمہاری بدگمانی کا جواب دیا ہے۔ تمہارے مائرہ سے جیلس ہونے پر البتہ مجھے افسوس ہے، یہ تسلیم کر لینے میں کیا حرج ہے کہ کسی دوسرے میں کچھ خوبیاں ایسی ہیں جو ہم میں نہیں۔ ماحول، تربیت اور مواقع کا فرق ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس میں بھی تمہارا تو کوئی قصور نہیں۔ اگر تمہیں بھی ویسا ہی ماحول، تربیت اور مواقع ملتے تو شاید تم مائرہ سے بھی بہت بہتر شخصیت کی حامل ہوتیں۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری شخصیت بہت کم تر ہے مائرہ کے مقابلے میں۔'' ظل کے دل کی گھٹن ایک بار پھر بڑھنے لگی۔

''لیکن کئی خوبیاں ایسی ہیں جو تم میں ہیں مگر مائرہ کو چھو کر بھی نہیں گزریں۔'' اب ہمایوں نے اسے ایک نوید سنانے کی کوشش کی۔'' مگر وہ تو تم سے جیلس نہیں ہوتی کیونکہ اسے خود پر مکمل اعتماد ہے۔ تم ایسا کیوں نہیں سوچتیں۔''

''مجھ میں ایسی کوئی خوبی نہیں جو مجھے اعتماد دلا سکے۔'' ظل نے پہلی مکمل بات کی۔ ہمایوں اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

''تم نے یہ کیوں کہا، یہ تم سے کس نے کہا......؟'' کچھ دیر بعد وہ ایسے بولا جیسے اسے ظل کی بات کا یقین نہ آیا ہو۔

''میرے مقدر نے......'' ظل نے دوسری بات مکمل کی۔

''کیا ہوا تمہارے مقدر کے ساتھ......؟'' وہ حیران ہوتے ہوئے بولا تھا۔

''شاید کچھ بھی نہیں، شاید بہت کچھ......'' اس نے ایک مبہم سا جواب دیا۔

''ہوں......'' ہمایوں نے کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔ ''اچھا تم ریسٹ کرو، اماں کا قیام بہتر بنانے کی کوشش کرنا شاید ہم دونوں کی زیادہ ذمہ داری ہے اسد اور مائرہ کی نسبت۔'' وہ اٹھ کر اپنی اسٹڈی ٹیبل کی طرف چلا گیا۔

ہمایوں نے اچانک بات بدل کر شاید خود کو ایک بڑی بحث سے بچا لیا تھا۔ اس روز ظل ہما نے اچانک بہت کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ اپنے اندر ہر دم بجتی خطرے کی گھنٹی کا بٹن بند کرنا چاہتی تھی خطرہ یا تو تھا ہی نہیں یا پھر بہت بڑا تھا، یا تو آیا ہی نہیں تھا یا پھر آ چکا تھا۔ وہ اس کنفیوژن کی صورتحال سے نکلنا چاہتی تھی مگر ہمایوں نے موقع دے کر چھین لیا تھا۔ ظل نے کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ لیپ ٹاپ کی سکرین کی طرف متوجہ تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ اس کے سامنے جائے وہ اس سے چلا چلا کر اپنا قصور پوچھے مگر یہ اس کی فطرت نہیں تھی، اس نے اپنی ازلی مصلحت پسندی کو اوڑھے رکھنے کا فیصلہ کیا اور سونے کے لیے لیٹ گئی پچھلی کئی راتوں کی طرح اس رات بھی اسے نیند نہیں آئی تھی۔



''مائرہ نے تمہارے والے دفتر میں کب سے نوکری شروع کر دی؟'' اگلی صبح ناشتے کی ٹیبل پر پہلی بار اماں نے ہمایوں کو براہ راست مخاطب کیا۔ اس کے چھری کانٹا پکڑے ہاتھ ایک لمحے کو رک گئے۔

''اسے اچھا موقع مل رہا تھا، اس نے اس سے فائدہ اٹھا لیا۔'' اس نے شاید بہت سوچ کر جواب دیا تھا۔

''جب کہ اسے نوکری کرنے کی ضرورت ہی نہیں، کیا ضرورت ہے؟'' اماں نے شاید اپنی ناراضی کا اظہار کیا تھا یا سوال کیا تھا۔

''وہ پڑھی لکھی لڑکی ہے، اپنی ذہانت کو استعمال کرنے کا موقع کیوں گنوائے؟'' ہمایوں نے نیچی آواز میں کہا۔

''تم اس کی وکالت کرنے کے بجائے مجھے میری بات کا جواب دیتے تو زیادہ اچھا تھا، تمہیں پتا ہے میں کیا پوچھنا چاہ رہی ہوں۔'' اماں نے بھی نیچی آواز میں کہا۔

''میں وکالت نہیں کر رہا، جواب ہی دے رہا ہوں۔'' ہمایوں کے رکے ہاتھ حرکت میں آئے۔ اب وہ اپنے ٹوسٹ اور فرائیڈ ایگ کے ساتھ نبرد آزما تھا۔

''مجھے یہی توقع تھی۔'' اماں نے کہا اور اپنے آگے رکھی پلیٹ کھسکا دی۔

''آپ دودھ لیں۔'' ہمایوں نے دودھ کا گلاس ان کے سامنے رکھا۔

''مجھے نہیں پینا۔'' انہوں نے سختی سے کہا۔ اسی دم مائرہ ڈائننگ ٹیبل کی طرف آ گئی۔

''چلیں ہومی۔'' اس نے دایاں پاؤں ڈائننگ چیئر پر رکھ کر اپنے سینڈل کے اسٹریپ سیٹ کرتے ہوئے کہا پھر اس نے کھلے بالوں میں انگلیاں چلا کر انہیں ٹھیک کیا، ایک ہاتھ میں پکڑا کنگن بازو میں چڑھایا اور ٹیبل پر رکھی فائلز اٹھا لیں۔ اس عرصے میں اس نے ایک مرتبہ بھی اماں کی جانب نہیں دیکھا۔ ہمایوں اس کی جانب دیکھ رہا تھا اور اسے یہ رویہ یقیناً عجیب سا لگا تھا۔

''دیر ہو رہی ہے اٹھونا......!'' مائرہ نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ ہمایوں نے اپنا بازو

اس کے ہاتھ سے چھڑایا۔ ڈائننگ چیئر کی پشت پر رکھا کوٹ اٹھا کر پہنا، اپنا موبائل اور گاڑی کی چابیاں اٹھائیں اور اماں کے آگے جھکا۔

''میں چلتا ہوں اماں، اللہ حافظ!'' اس نے کہا اور باہر جانے والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ مائرہ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

''دیکھا، دیکھا آپ نے۔'' اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑا اسد آگے بڑھتا ہوا بولا۔

''تم کیا کرتے ہو ایسے وقت میں......؟'' اماں نے اس سے پوچھا۔ ''ایسے ہی بے غیرتوں کی طرح کھڑے کھڑے تماشا دیکھتے ہو بس......؟''

''کس سے کچھ کہوں، اپنے بھائی سے جس کی آپ نے تربیت کی۔'' اسد نے ان کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''یہ کی...... یہ'' اس نے ہاتھ سے کرسی کی طرف اشارہ کیا جس پر ہمایوں بیٹھا تھا۔

''اس سے کچھ کہنے سے پہلے اپنی بیوی سے پوچھو اس کی تربیت کس نے کی......!'' اماں کو اسد کا یہ انداز عجیب لگا۔ ''اور رہی بات میری تربیت کی تو اس پر تو مجھے سچ میں شرم آ رہی ہے۔ تمہاری پر تو زیادہ......''

''مجھے یقین تھا کہ آپ مجھے ہی کوسیں گی، مجھے ہی غلط قرار دادیں گی کیونکہ ہمایوں تو آپ کا ہمیشہ سے ہی بہت لاڈلا ہے، آپ اس پر کوئی غلط گمان کر ہی نہیں سکتیں۔'' اسد نے غصے سے کرسی کی پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''اس پر زیادہ سے زیادہ گمان ہی کر سکتی ہوں، تمہاری تو حقیقت دیکھ رہی ہوں۔ اپنی خامیوں پر بزدلی اور کمینے لوگ ہی یوں چلا چلا کر پردہ ڈالتے ہیں۔ بزدلی اور کمینگی ایسی صفات ہیں جن پر میں نے ساری عمر اپنے گھر کے دروازے بند کیے رکھے تھے نہ جانے تم نے کونسی پچھلی کھڑکی کھول رکھی تھی جہاں سے یہ تم پر حملہ آور ہو گئے۔ نہ صرف حملہ آور ہو گئے بلکہ انہوں نے تمہیں پچھاڑ رکھا ہے۔'' اس بار اماں بھی بلند آواز میں بولیں۔

''ہاں، میں ہی غلط ہوں، میں ہی احمق ہوں، مجھ پر ہی سب کمزوریوں نے حملہ کر کے پچھاڑ دیا۔'' اس نے لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ''اسی لیے میں نے منتیں اور ترلے کر کے آپ کو بلایا تھا۔ سنا تھا کہ ایسے گھریلو مسائل میں ماں باپ، بزرگوں سے بڑھ کر اچھا مشورہ کوئی دے ہی نہیں سکتا مگر میں ہوں ہی پاگل اس کا کیا، کیا جائے۔ میں جن کی حیا میں چپ ہوں وہی مجھے جوتے مارنے کو تیار ہیں، ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔'' اس نے اپنا بیگ اور گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اگر یہ خالی میرا ہی ہیڈک ہے تو میں اس کو اکیلے ہی دیکھ لوں گا۔'' اماں نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ اس کو بیگ اٹھا کر باہر جاتے دیکھتی رہیں۔ ان کے ذہن میں کئی قسم کے خیالات گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ وہ یہاں کچھ اور تصور کر کے کچھ اور خیال سے پہنچی تھیں۔ وہ ہمایوں کی ان سیٹلڈ زندگی دیکھنے کی

متوقع تھیں مگر یہاں معاملہ بالکل الٹ تھا۔ کل سے ان کی آنکھیں جو مشاہدہ کر رہی تھیں اس نے انہیں موقع ہی نہیں دیا تھا کہ وہ یہ اندازہ لگا سکتیں کہ ہمایوں اور ظل ہما کی زندگی کیسی گزر رہی تھی۔

کل سے مسلسل وہ ایک ذہنی صدمے کی کیفیت میں تھیں۔ مائرہ سے زبردستی کی ملاقات کسی طرح بھی خوشگوار قرار نہیں دی جا سکتی تھی۔ خصوصاً جب انہوں نے مائرہ کا موڈ اپنے اس کے کمرے میں چلے جانے کے نتیجے میں انتہائی خراب دیکھا تھا۔ اس لڑکی میں اتنی مروت بھی نہیں تھی کہ وہ پہلے دن کچھ دیر کے لیے روٹین سے ذرا ہٹ کر ان کو برداشت کر لیتی۔ انہیں اس دوران رہ رہ کر وہ لڑکی یاد آتی رہی جو اسد کی شادی سے پہلے انہوں نے دیکھی تھی۔ وہ ان کا انتخاب نہیں تھی...... شومئی قسمت ان کے دونوں بیٹوں نے ہی انہیں انتخاب کرنے کا موقع نہیں دیا تھا مگر یہ لڑکی کسی بھی لحاظ سے انہیں مسترد کر دیئے جانے کے قابل نہیں لگی تھی۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ بہو کا انتخاب کرتے ہوئے لڑکی نہیں، اس کی ماں کو دیکھنا چاہیے۔ ماں معیار پر اترے تو آنکھ بند کر کے رشتہ طے کر دو کیونکہ بیٹی کی شخصیت پر خصوصاً ماں کی شخصیت کا بہت اثر ہوتا ہے مگر انہیں لگا کہ ان کا یہ فلسفہ غلط تھا۔ رفیعہ کی شخصیت میں انہیں کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی سوائے اس کے کہ وہ اپنے شوہر پر قدرے حاوی نظر آئی تھیں مگر ان کا خیال تھا کہ اس میں ان سے زیادہ ان کے میاں کا قصور تھا۔

مائرہ بھی اپنی ماں کی شخصیت کا پرتو ہی نظر آتی تھی، ہاں وہ آزاد روش ضرور نظر آتی تھی مگر اس پہلو کو انہوں نے دانستہ ہضم کیا تھا کیونکہ اس وقت ان کے ذہن پر برادری میں اپنے بیٹوں کے بل بوتے پر بلند اور قدرے مختلف نظر آنے کا بھوت سوار تھا۔ وہ عمر بھر اپنوں کے رویوں سے اتنی ذہنی اذیت اٹھا چکی تھیں کہ موقع ملنے پر ان کی ساری منطق، سارے فلسفے عمر بھر کا حساب چکا دینے کے شوق کے آگے بھسم ہو گئے تھے...... مگر جو بھی تھا اسد کی زندگی ان حالات سے دوچار ہو جائے گی یہ انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ وہ اصل بات کو تو بالکل بھی نہیں پا سکی تھیں لیکن جو نظر آ رہا تھا اس میں بہت الجھاؤ اور ابہام تھا۔ وہ اس کے کس سرے کو پہلے پکڑنے کی کوشش کریں گی وہ سوچ رہی تھی۔



"تم اپنی ذہنی الجھن کی گرفتار ہو مائرہ۔ میں جانتا ہوں اور اس الجھن میں الجھنا تمہاری اپنی مرضی اور منشا ہے مگر شاید تم نہیں جانتیں کہ اس میں الجھ کر تم بنیادی انسانی اور اخلاقی اقدار کی دولت سے محروم ہوتی جا رہی ہو، تمہیں اتنا تو یاد ہی ہوگا کہ اس دولت سے محروم ہو جانے کے بعد ایک انسان اور درندے میں کچھ کم ہی فرق باقی رہ جاتا ہے۔" ہمایوں کو مائرہ کا اماں کے ساتھ صبح والا رویہ ہضم نہیں ہو پا رہا تھا سو لنچ بریک میں اس نے مائرہ کو پکڑ ہی لیا۔ صبح گھر سے آفس کے راستے میں بھی وہ اسی ذہنی کھولاؤ کی وجہ سے اس سے ایک بار بھی مخاطب نہیں ہوا تھا۔

"میں نے غلط کیا، کیا......؟" اسپیکٹیز کو کانٹے پر چڑھاتے ہوئے مائرہ نے بے نیازی سے جواب

دیا۔ ''میں نے سوچا جس حقیقت کو سمجھنے میں انہیں بے کار اتنے دن لگیں گے اور اسد کو بھی انہیں بار بار بریف کرنا پڑے گا، وہ میں انہیں پہلے دن ہی کیوں نہ بتا دوں۔''

''تم......!'' ہمایوں اپنی تحمل مزاجی کو ایک لمحے کے لیے بالکل بھول گیا۔ ''تم جانتی ہو کہ یہ زیادتی تم دوسروں کے ساتھ نہیں خود اپنے ساتھ کر رہی ہو۔'' پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''زیادتی......!'' مائرہ نے ٹماٹر کے ٹکڑے پلیٹ میں ایک سائیڈ پر اکٹھے کرتے ہوئے کہا۔ ''زیادتی میں کر رہی ہوں اپنے ساتھ یا میرے ساتھ ہو رہی ہے زیادتی......؟''

''تمہارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔'' ہمایوں نے حیرت کے ساتھ اسے دیکھا۔ ''کون کر رہا ہے تمہارے ساتھ زیادتی؟''

''تم سب'' مائرہ نے سکون سے کہا۔ ''میں ایسی زندگی جینا نہیں چاہتی جیسی جی رہی ہوں اور ایسا کرنے پر مجھے مجبور کیا جا رہا ہے۔''

''کون کر رہا ہے تمہیں مجبور......؟'' ہمایوں نے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

''تم، میری ماما اور وہ سارے سرمنز (نصیحتیں) جو مجھے سنائے جاتے ہیں۔'' مائرہ نے کھانا چھوڑتے ہوئے کہا۔

''تم تو باشعور ہو، آزاد ہو، خود مختاری تمہارا موٹو ہونا چاہیے، پھر تم ان تینوں کو کیوں سنتی ہو۔ تم وہ کیوں نہیں کر لیتیں جو چاہتی ہو۔'' ہمایوں نے اسی سخت لہجے میں پوچھا۔

''وہی کروں گی، بالکل کروں گی۔'' اس کے لہجے کی وجہ سے مائرہ کی ٹون بھی بگڑ گئی۔ ''تم میرے پیچھے سائے کی طرح لگے رہنا چھوڑ دو۔ میں اپنے بارے میں فیصلہ بھی کر لوں گی اور اس پر عمل بھی۔''

''ہوں......'' ہمایوں نے ڈھیلے پڑتے ہوئے کہا۔ ''مائرہ تمہاری عقل کسی کھلے میدان میں گھاس چرنے چلی گئی ہے شاید، میدان اتنا کھلا ہے کہ یہ گھاس چر کر وہیں آرام کرنے لگ جاتی ہے اور آرام کے بعد پھر گھاس چرنے میں مصروف ہو جاتی ہے مگر جو فلتھ یہ عقل پروڈیوس کرتی ہے وہ اس میدان کو جلد ہی ناقابل رہائش اور ناقابل طعام بنا دے گی۔ میں سائے کی طرح تمہارا پیچھا کرتا بھی اسی لیے ہوں کہ پچھتاوے وقت گزرنے کے بعد آئیں تو ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، پچھتاوا وہی بھلا ہوتا ہے جو وقت پر آئے اور جس کا چہرہ دیکھ کر انسان اپنی لائن آف ایکشن بدل لے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں لاکھ خامیوں کے باوجود ایک انسان ہونے کے مرتبے پر فائز ہونے کا اعزاز بھی رکھتا ہوں اور میرا یہ مرتبہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ایک انسان کو اندھے کنویں میں گرنے سے بچایا جائے۔ تم جس ڈیڈ اینڈ کی طرف بڑھ رہی ہو اس سے تمہیں بچانا میرا فرض ہے۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم۔'' مائرہ نے بھنا کر میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''تم صرف اپنے بھائی کی

فیملی لائف ری اسٹور کرنے کے لیے ایسا کر رہے ہو۔''

''میرے بھائی کی کوئی فیملی لائف ہے؟'' ہمایوں نے اس کے غصے کی پروا نہ کرتے ہوئے سوال کیا۔ ''وہ تو ہے ہی نہیں، اسے میں کیا ری اسٹور کروں گا، میں تو صرف اور صرف ایک انسان ہونے کے ناطے تمہیں اس راستے کے منطقی انجام سے بچانا چاہتا ہوں جس پر تم چل نکلی ہو۔''

''کیا ضرورت ہے تمہیں، کون ہوتے ہو تم میرے جو مجھے بچانے چل نکلے ہو......؟'' مائرہ نے اس بار اتنی بلند آواز میں بات کی کہ اس ریستوران میں موجود لوگ ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''اس لیے، اس لیے۔'' ہمایوں نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے اس کے چیخنے کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔

''یہ رویہ کسی ذہنی علالت کا اظہار کرتا ہے، اسی لیے میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں یہ کیسے ہضم کر لوں کہ میری بیسٹ کولیگ جو میرے بھائی کی بیوی اور میرے خاندان کی بہو بھی ہے کسی ذہنی عارضے میں مبتلا ہو کر اپنی زندگی تباہ کر لے۔''

''شٹ اپ، یو جسٹ شٹ اپ۔'' مائرہ نے اپنا ہاتھ چھڑا کر اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔'' ہمایوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''جب تک مکمل صحت یاب نہیں ہو جاتیں میں تمہارے ایسے رویوں کا برا نہیں مناؤں گا۔''



''جب سے میں آئی ہوں میں نے اسے بولتے نہیں سنا۔'' اماں نے سب باتوں کی طرف سے دھیان ہٹا کر ظل ہما کی طرف موڑ لیا۔ وہ سڑک کے رخ والی دیوار میں جڑی قد آدم سلائیڈنگ کھڑکیوں کے شیشے چمکانے میں مصروف تھی۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹے بڑے برش، جھاڑن اور گلنٹ کی شیشی تھی۔

''ہمایوں تو مہارانی بنا کر لایا تھا اسے یہاں......''

انہوں نے سوچا۔ ''اس کی تقدیر تو ذرا بھی بدلی ہوئی نہیں لگتی۔'' انہوں نے اپنے دل کو ٹٹولا۔ ''کیا ایسا دیکھ کر انہیں کوئی خوشی ہوئی تھی۔'' انہیں دل میں کوئی احساس محسوس نہیں ہوا پھر انہوں نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی اس وسیع کمرے جس کو دو حصوں میں تقسیم کر کے لاؤنج اور ڈائننگ روم کا نام دیا گیا تھا میں ہر چیز ترتیب اور سلیقے سے رکھی تھی۔ دونوں حصے قیمتی سامان سے سجے تھے مگر کسی چیز پر گرد کی ذرا سی بھی تہ محسوس نہیں ہو رہی تھی...... پھر ان کا دھیان کچن کی طرف گیا اور وہ اٹھ کر کچن کی طرف چلی آئیں۔ یہاں بھی ہر شے صاف ستھری اور ترتیب سے رکھی تھی۔

''اس گھر میں کچن میں دیکھنے، جھانکنے والا کون ہے جو پتا چلے کہ یہ کیا سیاہ سفید کرتی ہے۔'' انہوں نے ایک، ایک ڈبا اور شیشی کھول کر دیکھی۔ فریج اور فریزر کا جائزہ لیا۔ کہیں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آئی تھی۔

''ہوں۔'' انہوں نے دل میں سوچا۔ ''جب اتنی سہولتیں میسر ہوں تو کام خود ہی ٹھیک ہو جاتا ہے، سلیقہ بھی آ ہی جاتا ہے۔'' وہ ابھی ظل کو کوئی نمبر دینے پر مائل نہیں تھیں۔ کچن سے نکل کر وہ ہمایوں کے کمرے میں گھس گئیں۔ ترتیب اور سلیقہ یہاں بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ بیڈ روم کشادہ اور ہوا دار تھا۔ وارڈ روب، ہمایوں کا اسٹڈی ٹیبل، بیڈ، بیڈ سائیڈ ٹیبل، بیڈ روم صوفہ، فٹ اسٹول انہوں نے ایک، ایک چیز کا جائزہ لیا۔ کمرے کا فرش ماربل ٹائلز سے مزین تھا اور ٹائلز چمک رہے تھے۔ فلور پیس بھی صاف تھے۔ بیڈ کے پیچھے کی دیوار پر ہمایوں اور ظل کی تصویر بڑے فریم میں آویزاں تھی۔ ہمایوں دولہا بن کر کیسا لگ رہا تھا یہ انہوں نے شادی کے موقع پر ٹھیک سے دیکھا ہی نہیں تھا وہ دل میں اس سے اتنی خفا تھیں کہ اس کا یہ روپ دیکھنے کو ان کا دل ہی نہیں چاہا تھا مگر اس وقت وہ محویت سے دیکھ رہی تھیں، وہ کیسا بانکا شہزادہ لگ رہا تھا، نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت اس کے چہرے پر کیسا سکون اور مسکراہٹ میں کیسی طمانیت تھی۔ انہوں نے غور کیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے ناراض تھیں پھر بھی وہ پرسکون اور مطمئن تھا۔ انہیں خیال آیا پھر ان کی نظر دلہن بنی ظل پر پڑی۔

''ہونہہ......!'' ان کے ذہن نے پلٹا کھایا۔ ''میں بھی کہوں، سجے سجائے کمرے پر ایک نحوست سی کیوں طاری ہے۔'' انہوں نے خود کو مخاطب کیا۔ ''اس تصویر کی وجہ سے، اس لڑکی کے وجود کی وجہ سے۔'' انہیں بے وجہ ہی غصہ آنے لگا اور وہ وحشت زدہ ہو کر اس کمرے سے باہر نکل آئیں۔ لاؤنج میں ظل اسی پوزیشن میں نظر آئی۔

''یہ خوشحالی اور آسائش بھی اس کے چہرے کی ازلی نحوست زدہ پیلاہٹ ختم نہیں کر سکی۔ یہ اتنی کم رو ہے کہ اس پر ایک سے دوسری نظر نہ ڈالے کوئی، ہمایوں کے دماغ کا فتور تھا یہ شاید یا وہ سوچی سمجھی سکیم جس کا ذکر اسد نے کیا تھا۔'' وہ اس امکان پر غور کرنے لگیں اور کپڑے سے شیشہ صاف کرتی ظل ہما اپنی جگہ نئے اندیشوں میں گھر رہی تھی۔ وہ اتنی دیر سے ان کی حرکات وسکنات پر غور کر رہی تھی اور منتظر تھی کہ کب کسی بات پر وہ اس کی شامت بلانے والی تھیں مگر وہ خاموش رہی تھیں اور وہ ان کی خاموشی پر حیران تھی۔



''میں جلد تم کو آزاد کر دوں گا۔'' اسد نے اپنے سامنے بکھرے کاغذات سمیٹتے ہوئے مائرہ کو مخاطب کیا جو اپنے ناخن فائل کر رہی تھی۔

''آئی ول بی آنرڈ''۔ اس نے اپنے کام میں مشغول رہتے ہوئے جواب دیا۔

''یہاں سے تمہارے رخصت ہو جانے کے بعد اس کو اناؤنس کرنا ہے۔ میں اماں کو فیس نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ یہاں ہیں شاید میں یہ کام نہیں کر سکوں۔'' اسد نے ایک اور اطلاع دی۔

کیا مطلب جب تک وہ یہاں ہیں......؟'' اب مائرہ نے اپنا ہاتھ روک کر اس سے پوچھا۔ ''کیا وہ صرف چند دن کے لیے آئی ہیں؟''

''معلوم نہیں، وہ کب تک ٹھہرتی ہیں۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''چاہے وہ ایک سال تک ٹھہری رہیں.....'' مائرہ نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔ ''اور تمہارا خیال ہے کہ میں اتنا عرصہ تمہاری کسی عنایت کا انتظار کروں گی۔''

''خیر ایک سال تو لمبا عرصہ ہے لیکن جب تک وہ یہاں ہیں.....'' اسد نے کہنا چاہا۔

''بات سنو تم......!'' مائرہ نے اس کا بازو پکڑ کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''تم جتنی جلدی یہ احسان کردو مجھ پر بہتر ہوگا، اماں جان کو کیا اس کے بعد عمر بھر فیس نہیں کرنا تمہیں، فضول بہانے مت بناؤ۔''

''بہانے'' اسد نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ پرے کیا۔ ''مائی فٹ بہانے، تمہارے جیسی عورت سے نجات میرے لیے قارون کا خزانہ ملنے سے بڑی نعمت ہوگی مجھے بہانے بنانے کی کیا ضرورت ہے۔''

''پھر اس بکواس کا کیا مطلب ہے جو تم اماں جان کا پلے کارڈ اٹھا کر رہے ہو؟''

''میں تمہاری طرح بے ہودہ اور بے شرم نہیں ہوں کہ مجھے کسی بھی رشتے کا کوئی احترام اور شرم باقی نہ رہے۔'' اسد نے خونخوار لہجے میں کہا۔ ''میرے لیے کچھ لوگ بہت اہم اور قابل احترام ہیں اور ان کی موجودگی میں مجھے ایسا قابل نفرت کام کرنے کے تصور سے ہی خوف آتا ہے ورنہ تمہارے بارے میں تو میں چاہوں گا کہ تم سے کل کی ملتی مجھے آج نجات مل جائے۔''

''تم.....تم ایک جھوٹے اور ذلیل انسان ہو.....تم'' مائرہ کی آواز اماں کے کانوں میں آرہی تھی۔

''اوہ میرے خدا!'' انہوں نے آنکھیں میچ کر کمفرٹر اپنے سر تک کھینچتے ہوئے پوچھا۔ ''ایسی بے ہودہ زبان استعمال کرتے ہیں یہ میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ۔'' ان کو جو کمرہ رہنے کے لیے دیا گیا تھا وہ مائرہ اور اسد کے بیڈ روم سے قریب تھا۔ اتنے دن تو ان دونوں کے بیڈ روم میں کوئی آواز آتی سنائی نہیں دی تھی اور انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ان دونوں میں شاید بول چال بالکل بند تھی مگر وہ ایک مختلف رات تھی وہ دونوں صرف بول رہے تھے بلکہ چھپر پھاڑ کر بول رہے تھے۔



''طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟'' ہمایوں نے ظل کو بستر سے اٹھ کر دوبارہ بیٹھتے ہوئے دیکھ کو کہا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی کی ناٹ بنا رہا تھا۔ جواب نہ آنے پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ ظل بستر پر تقریباً نیم دراز تھی اور اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔ وہ ٹائی چھوڑ کر اس کی طرف لپکا۔

''ظل، کیا بات ہے؟'' اس نے اس کے اوپر جھکتے ہوئے پوچھا۔ ظل کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے اور اس کا وجود سرد ہو رہا تھا۔

''ظل میری جان.....'' وہ ایک دم سب کچھ بھول گیا، ایک عجیب سا خوف اس کے دل میں بیٹھ گیا اور اس نے اسے بانہوں میں لے لیا۔

''ظل، ہوش کرو میری جان۔'' وہ بے اختیار اس کا چہرہ چومتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میری طرف دیکھو، کیا ہو رہا ہے تمہیں ظل میری زندگی۔'' اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے اس نے اسے اپنے جسم کی گرمی پہنچانے کی کوشش کی۔

یہ زندگی بخش الفاظ اور محبت کی پھوار ظل کے کانوں تک پہنچ رہے تھے، دل محسوس کر رہا تھا اور اس پر بے اختیاری کی سی کیفیت چھانے لگی تھی۔ اس روز ہمایوں آفس سے لیٹ ہو رہا تھا، اس نے کتنے عرصے کے بعد یوں ظل کو اپنی آغوش میں لیا تھا۔ اسے خود بھی یاد نہیں آ رہا تھا مگر اس کی حالت دیکھ کر بے اختیار اسے خود پر شدید غصہ آنے لگا تھا۔

''میں کیوں بھول گیا تھا کہ اس کی ساری خوشیاں مجھ سے شروع ہو کر مجھ تک ختم ہو جاتی ہیں پھر اسے دکھ دینے کا باعث میری ذات بنے گی تو اس کا کیا حال ہوگا۔'' وہ اس کے ہاتھ ملتا، اس کے بالوں، آنکھوں اور ہونٹوں کو چومتا سوچ رہا تھا۔ وہ کتنی دیر کی کوشش کے بعد اس کے بے جان پڑتے جسم میں جاں ڈالنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس کا احساس اسے اپنے کمرے کے دروازے پر ہونے والی تیز دستک سے ہوا تھا۔

''ہومی پلیز ٹائم دیکھو، ہم آفس سے لیٹ ہو رہے ہیں فار گاڈ سیک نکل آؤ باہر۔'' اسے مائرہ کی آواز آ رہی تھی۔

''اوہ۔'' اس نے جیسے ہوش میں آتے ہوئے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ وہ واقعی لیٹ ہو چکا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے ظل کو خود سے الگ کیا اور آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے کپڑے درست کیے۔ ٹائی کی ناٹ لگائی، بال سیدھے کرنے اور کوٹ پہننے میں اسے صرف دو منٹ لگے۔ تیسرے منٹ میں وہ اپنا آفس بیگ اٹھائے تیار کھڑا تھا۔

''میں آج جلدی آؤں گا اور تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلوں گا۔'' کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے ظل سے کہا تھا اور جلدی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔ اسے دیر ہو رہی تھی اس روز اسے اہم میٹنگز اٹینڈ کرنا تھیں ظل کو اس کا علم نہیں تھا، اسے صرف اتنا یاد تھا کہ وہ پھولوں کی سیج پر بیٹھی تھی جہاں سے اسے مائرہ کی آواز نے اٹھا دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اب تک گھر میں ناشتہ نہیں بنا تھا، وہ ہمت کرنے کے باوجود اٹھ نہیں پائی تھی اور اب وہ شاید اٹھنا چاہتی ہی نہیں تھی، قسمت کی پری نے اب سے کچھ دیر پہلے اس پر جو مہربانی کی چھڑی چلائی تھی وہ اس کے احساس میں لپٹے رہنا چاہتی تھی۔ اسے ہمایوں کی بے تابیاں یاد آ رہی تھیں اور اس کا لمس محسوس ہو رہا تھا گو مائرہ کی آواز نے بارہ کا گھنٹہ بجا دیا تھا مگر وہ یونہی آنکھیں بند کیے لیٹی اس احساس میں پڑے رہنا چاہتی تھی۔ کتنا وقت گزر گیا اسے پتہ نہیں چلا پھر دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔ اسے بڑی اماں کے کپڑوں سے اٹھنے والی مخصوص مہک محسوس ہوئی مگر وہ یونہی آنکھیں موندے لیٹی رہی۔ اس کے کان ان کی پھنکار کے منتظر تھے۔

''کیا ہوا تمہیں......؟'' ایک نرم آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

''ہمایوں نے بتایا تھا تمہاری طبیعت خراب ہے، میں انتظار کرتی رہی تم کب اٹھ کر آؤ تو تم سے کچھ کھانے پینے کا پوچھوں مگر لگتا ہے طبیعت زیادہ خراب ہے۔'' وہ کہہ رہی تھیں اور وہ آنکھیں کھولے انہیں یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ کسی دوسرے سیارے سے آئی ہوں۔

''اٹھ کر بیٹھو۔'' انہوں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ ظل ہما کو اپنے حواسوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ کسی معمول کے مانند اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تم نے، ہمایوں نے، اسد نے کسی نے بھی مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم ماں بننے والی ہو، جو بے پروائی تم اپنے ساتھ برت رہی ہو اس سے مجھے خود تو اندازہ تو ہو نہیں سکتا تھا۔'' ظل کے کان بند ہونے لگے جس محبت بھرے لہجے، جس احساس کو وہ عمر بھر ترستی رہی تھی اور خیالات کی دنیا میں جن سے اپنا دل بہلاتی تھی۔ وہ اسی دنیا میں تھی یا عالم بالا میں پہنچ چکی تھی۔ اس نے یقین کرنا چاہا۔

''اماں اس کے زرد رو چہرے، بکھرے بالوں اور خوفزدہ آنکھوں کو دیکھ رہی تھیں۔'' کتنا بے وقعت لگتا ہے یہ وجود، مگر کتنا اہم ہے۔'' انہوں نے پہلی بار ظل کو نمبر دیتے ہوئے سوچا۔ انہیں لگا کہ وہ ظل کے بارے میں کسی فیصلے پر کئی دن پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ یہ گھر جس پر ایک اجتماعی بے حسی چھائی رہتی تھی اور جس کی فضا میں بوجھل پن اور بیزاری تھی، جس کے معاملات ایک مخصوص اکتا دینے والی رفتار سے چلتے تھے ۔ رجس کے مکینوں کو ایک دوسرے میں کوئی دلچسپی نظر نہیں آتی تھی اس میں اگر کچھ تھا تو صرف ظل کے موجود سے تھا۔ اس کا سارا نظام، اس کا سارا سلیقہ، اس کی ساری ترتیب، اس میں موجود رزق کی برکتیں اور آسائشوں کی رحمتیں سب کی سب ظل کی وجہ سے تھیں۔ انہوں نے کئی بار اپنے سامنے کے منظر سے ظل کو منہا کر کے اس کا تصور کیا انہیں لگا گھر کے در و دیوار دھڑام سے ان کے اوپر گرنے لگے ہوں۔ اینٹ، مٹی، گارا سب کا ب دھول ہو گیا اور اسی دم انہوں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے دل میں اعتراف کیا تھا کہ گھر کی بنیادوں نر عورت کے مزاج کے اجزائے ترکیبی بیٹھے ہوتے ہیں، ریت، مٹی، اینٹ، روڑے کا جو مکسچر گھر کی بنیادوں ر بھرا ہوتا ہے ان میں گھر کی عورت کا خمیر بھی شامل ہوتا ہے اور یہ اس کے مزاج پر منحصر ہے کہ بنیاد پر تعمیر ہونے والا گھر کیسا ہوگا۔

''انہیں لگا جیسے اس گھر کی بنیاد میں ظل ہما کا مزاج رچ بس گیا ہو، انہیں لگا جیسے یہ گھر، گھر کی حیثیت سے قائم ہی ظل کی وجہ سے تھا۔ وہ خاموش اور سہما ہوا وجود کتنی بڑی نعمت تھا انہوں نے اچانک جانا تھا اور پھر انہیں یہ بھی سمجھ میں آیا کہ بیوی اور بہو تعلیم یافتہ، مالدار اور اونچے نام نسب والے گھرانے سے متعلق ہو بھی لیکن اگر اس کے پاس گھر کو بنانے، رکھنے کا سلیقہ نہ ہو تو صرف اس کی اپنی زندگی ناکام نہیں ہوتی اس کے ساتھ ساتھ ایک پورے خاندان کی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ نسلیں برباد ہو جاتی ہیں جب انہوں نے غور کیا کہ ظل ہما

میں اتنی سمجھ، اتنا سلیقہ کہاں سے آیا، ان کے فہم نے ان پر انکشاف کیا کہ بالواسطہ نہ سہی بلاواسطہ ہی ظل کی تربیت میں ان کا اور ان کے گھر کے ماحول کا ہی ہاتھ تھا۔ گو ظل کو اضافی بوجھ سمجھتے ہوئے عمر بھر انہوں نے قابل اعتنا نہ سمجھا تھا بلکہ اپنی پریشانیوں اور مسائل کا غبار اس کے ساتھ بدسلوکی کے ذریعے نکالا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ اس بدسلوکی پر ایک دن ظل کا صبر، اس کی ہمت خود انہیں شرمسار کر دے گی۔ مائرہ اور ظل کے موازنے نے انہیں وہ نکتہ سمجھایا تھا جسے وہ شاید عمر بھر نہ سمجھ پاتیں۔ اس صبح ہمایوں نے جب سرسری ان سے ظل کی طبیعت کی خرابی اور اس کی نوعیت کا ذکر کیا تو ان کے دل میں ایک نئے احساس نے سر اٹھایا۔ جب خدا اس کو معتبر ہونے کا موقع دے رہا تھا تو پھر وہ کون ہوتی تھیں اسے نامعتبر قرار دینے والی۔

''اٹھو ہاتھ منہ دھوؤ اور ناشتہ کرو۔'' انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا وہ کسی معمول کی طرح لڑکھڑاتی، ڈولتی منہ دھونے چلی گئی۔

''میں جانتا ہوں میرے لیے کیا بہتر ہے۔ میں اپنے اس فیصلے کے نتائج و عواقب بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔'' انہیں ظل سے شادی کرنے کا اعلان کرتے ہوئے ہمایوں کی بات یاد آئی۔

''میرے لیے خدا کی ساری مہربانیوں کی ایک وجہ، آپ کے ساتھ ظل کی دعائیں بھی رہتی تھیں۔'' وہ کیا مانگتی تھی اور کس کے لیے مانگتی تھی یہ وہ نہیں جانتی تھیں مگر وہ خدا سے مانگتی تھی اسی لیے خدا نے اس گھر کو اب تک نعمتوں سے نواز رکھا تھا۔

''ہمایوں زیرک اور سمجھدار ہے، وہ بغیر سوچے سمجھے ایسا فیصلہ نہیں کر سکتا جس پر عمل درآمد کرنے کے لیے اسے میری ناراضی مول لینی پڑے۔'' انہیں گزشتہ کچھ وقت میں کئی بار یہ خیال آیا تھا مگر ظل کے بغض میں انہوں نے اس خیال کو ہمیشہ اپنے ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ اب انہیں یقین آ گیا تھا کہ ہمایوں نے غلط فیصلہ نہیں کیا تھا مگر پھر اسد کا تجزیہ کیا تھا، وہ کتنا درست تھا اور ہمایوں، مائرہ کے ساتھ اتنا جڑا ہوا کیوں تھا، ان کے ذہن کی یہ الجھن باقی تھی۔



''اماں نے کب واپس جانا ہے؟'' مائرہ نے اس روز گھر واپسی کے دوران ہمایوں سے پوچھا تھا۔

''ہر بہو ساس کی آمد پر یونہی نالاں ہوتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ جلد سے جلد واپس چلی جائے۔'' اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''خیر، اتنی فضول اور عام سی بات کو تو مجھ سے توقع نہ کرو۔'' مائرہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں تو صرف اس لیے جاننا چاہتی ہوں کہ اسد نے کہا ہے کہ وہ اماں کے سامنے مجھے طلاق کے پیپرز نہیں دے گا ان کے جانے کے بعد دے گا۔ اب پتہ نہیں وہ کب جائیں گی۔'' ہمایوں کے ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل پر پھسل گئے۔ اس نے گھر جانے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے گاڑی کا رخ دائیں جانب موڑ لیا۔

''کہاں......؟'' مائرہ نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔ ہمایوں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک معروف ریستوران کے سامنے موجود تھے۔

''آؤ ڈنر کرتے ہیں۔'' ہمایوں نے مائرہ کے لیے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

''ایسا کیا ہوا مائرہ، جو تم ایک خوش باش زندگی گزارنے لگو کیونکہ اسد سے نجات حاصل کرنے کے بعد بھی تم خوش نہیں رہ سکو گی، اس کا مجھے یقین ہے۔'' کھانے کا آرڈر دینے کے بعد ہمایوں نے اس سے پوچھا۔

''تم...... تم مجھے مل جاؤ، میں اسی صورت میں خوش رہ سکتی ہوں۔'' مائرہ نے بغیر جھجکے کہا۔

''اور ایسا ممکن نہیں، یہ تم جانتی ہو۔'' ہمایوں نے اس کی صاف گوئی پر ششدر رہ جانے کے باوجود

نرمی سے کہا۔

''کیوں، ممکن نہیں ہے؟'' مائرہ نے تیزی سے کہا۔ ''تم اپنی اس چودہویں صدی کی ماڈل بیوی سے زیادہ میرے ساتھ وقت گزارتے ہو، میری کمپنی میں خوش رہتے ہو، میرا ایچھا کرتے ہو، پھر مجھ سے شادی کر لینے میں کیوں متامل ہو؟''

''اس لیے کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا مائرہ۔ یہ تو میں نے تمہیں جبھی بتا دیا تھا جب ابھی نہ تمہاری نہ میری ہم دونوں کی ہی شادی نہیں ہوئی تھی۔'' ہمایوں نے سکون سے کہا۔ ''تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم نے اپنی ضد میں ایک غلط جوا کھیل ڈالا، تمہاری یہ منطق تو بالکل ہی غلط تھی کہ اسد کے ساتھ شادی کرنے کے بعد تمہیں میرے ساتھ رہنے کا موقع ملے گا اور بالآخر ایک دن تم مجھ پر قابو پا لو گی۔ تم نے پچھلے کئی مہینے ایک نامحسوس کوشش میں گزارے ہیں مگر دیکھ لو میں تمہارے قابو میں نہیں آیا۔ میں آج بھی ظلِ ہما کے دام کا اسیر ہوں ویسا ہی بلکہ پہلے سے بھی زیادہ۔ اس چودہویں صدی کے ماڈل جیسی بیوی کا چہرہ دیکھتے ہی میری ساری تھکن اتر جاتی ہے۔ اس کے پہلو میں جو سکون مجھے ملتا ہے وہ دنیا بھر میں کہیں اور محسوس نہیں ہوتا۔ میں اس کا وفادار ہوں، اس سے شدید محبت کرتا ہوں اور اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا، تمہارے سارے داؤ میرے سلسلے میں تو ناکام ہو گئے اب بتاؤ آگے کیا کہتی ہو؟''

مائرہ پلک جھپکائے بغیر اس کی بات سن رہی تھی۔ یہ وہ شخص بول رہا تھا جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ اس کی شخصیت کا اب تک اتنا قائل ہو چکا تھا کہ اس کی ساری خامیوں کو جاننے کے باوجود اس کا ساتھ چھوڑنے سے قاصر تھا۔ وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے پر چل رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اسد کو چھوڑ دینے کی صورت میں بھی ہمایوں اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ دفتر میں، دفتر سے باہر آؤٹنگ، ڈائننگ یوں ہی جاری رہے گی۔ ظلِ ہما کو اس کی نظروں سے گرانے اور خود کو اس سے بہتر ثابت کرنے میں وہ اپنے تئیں بہت حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ ان دونوں کا تعلق سرد مہری کا شکار ہو چکا تھا جس کا واضح ثبوت ظلِ ہما کا اترا ہوا خوفزدہ اور خاموش وجود تھا۔ وہ جانتی تھی کہ انسانیت ہمایوں کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ وہ اس کی اس

کمزوری کو ایکسپلائیٹ کر کے دیکھ چکی تھی۔ اس کا سگا بھائی اس سے ناراض بیٹھا تھا اور وہ پروا نہیں کرتا تھا۔ گھر بھر سے لڑ کر جس لڑکی سے اس نے شادی کی تھی، وہ اجڑی شکل لیے پھرتی تھی اور اس نے کبھی خیال نہیں کیا تھا۔ وہ خود سب کے سامنے اس سے فلرٹ کرنے کی کوشش کرتی تھی مگر اس نے کبھی مزاحمت نہیں کی تھی۔ اب تک اس کے خیال میں اس کا گیم ٹھیک جا رہا تھا۔ اسد سے فارغ ہونے کے بعد اسے اس گیم میں تھوڑا اور ڈرامہ ڈالنا تھا اپنی زندگی کی بربادی کا ذمہ دار...... ہمایوں کو ٹھہرانا تھا جس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اسے اپنانے کا ایک اور باغیانہ فیصلہ کر لیتا مگر اس وقت اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے سارے انڈے ٹوٹ گئے ہوں گو اس نے کسی بے احتیاطی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

''تم ایک عرصے سے یہ گیم کھیل رہی ہو مائزہ۔'' ہمایوں کہہ رہا تھا۔ ''تم نے اس گیم میں کلین سویپ کرنے کی کوشش میں کیا، کیا نہیں کیا۔ تم نے ہم سب کے اعصاب سے کھیلنے کی کوشش کی۔ سگریٹ نوشی، شراب اور غلط کمپنی میں خود کو ڈال کر ہمیں غیرت دلانے کی کوشش، اسد کو ہر طرح سے ٹارچر کرنے کی کوشش، ظل کو ہیومی لیٹ کرنے کی کوشش، میرے اعصاب کو پوری طرح آزمانے کی کوشش، اپنی ماما کو ایک عجیب سی شکست اور ناکردہ جرم کی سزا دینے کی کوشش، سب سے بڑھ کر اپنا پڑھا لکھا، اپنا سیکھا سکھایا عمر بھر کے لیے ڈبو دینے اور گنوا دینے کی کوشش...... اس سب کے بغیر تم کیا ہو ذرا سوچ کر بتاؤ اور یہ سب گنوا لینے کے بعد تم کتنا سروائیو کر سکو گی یہ بھی بتاؤ اور یہ سب تم نے کس لیے کیا یہ بھی بتاؤ، ایک چھوٹی سی فضول سی خواہش کے حصول میں ناکامی کی وجہ سے، اس ناکامی کا بدلہ لینے کی خاطر تم نے اتنا بڑا جوا کھیلا، کئی زندگیوں کو داؤ پر لگایا، کتنوں کی ہمت سے کھیلیں اور اپنی قابلیت، تعلیم، ہنر اور ٹیلنٹ کا مذاق بنا ڈالا۔ جو تم ہو مائزہ وہ سب کچھ جس کے بل پر دنیا میں اتراتی پھرتی ہو اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگوں کی زندگیوں اور اعصاب کو مذاق بنا لو۔ بولو، بتاؤ'' ہمایوں جذباتی ہو رہا تھا۔

''کیا تم نے اس سب کی ہتک نہیں کر دی جو ڈگریز اور اعزاز ناموں اور ٹرافیوں اور میڈلز کی شکل میں تمہارے پاس پڑا ہے۔ تمہاری تربیت، تمہاری تعلیم اور تمہارے بیک گراؤنڈ نے کیا تمہیں یہ سکھایا ہے کہ ایک چھوٹی سی ذاتی شکست کا بدلہ تم ساری دنیا سے لیتی پھرو۔'' ہمایوں کو اپنے لہجے پر قابو پانے میں دشواری ہونے لگی، اور وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گیا۔

''آئی ایم سوری مائزہ، قابلیت، ہنر، ذہانت ایک طرف تم جیسی لڑکی دس جنموں میں بھی میرا معیار نہیں ہو سکتی۔ جو اخلاقیات کے کسی معیار پر بھی پورا نہ اتر سکے جو اپنی ذہانت کو شیطانی منصوبہ بندیوں میں صرف کرنے لگے۔ اپنے ٹیلنٹ، تعلیم اور ہنر کا طوق اپنے ذاتی مقاصد کے لیے کمینگی کی حد تک استعمال کرنے لگے۔ جسے وضع داری اور روایات کی پاسداری کا احساس چھو کر بھی نہ گزرا ہو جو اپنے ماں باپ اور خاندان کے لیے شرمساری کا باعث بننے لگے۔ معیار بنانا تو کیا میں تو ایسی لڑکی سے کسی قسم کا تعلق رکھنے کے تصور سے بھی

دور بھاگنا چاہوں۔ کیوں مائرہ، تم اتنی آگے نکل آئیں اس گیم میں کہ مجھے تم سے یہ سب کہنا پڑا جو میں کبھی کہنا نہیں چاہتا تھا...... رہا تمہارا پیچھا کرنا......'' کچھ توقف کے بعد وہ بولا۔ ''تو یہ اس لیے تھا کہ تم میرے بھائی کی بیوی اور رفیعہ آنی کی بیٹی ہو، میرے خاندان کی بہو ہو۔ میرے بھائی اور میرے گھر والوں نے تمہیں اپنا کر بہت بڑا رسک لیا تھا۔ میں نے تمہیں مائرہ ایک کولیگ اور رفیعہ آنی کی بیٹی ہونے کا ایڈوانٹیج دیا کیونکہ میں اس رشتے کی کامیابی کے سلسلے میں مشکوک ہونے کے باوجود مایوس نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ تمہاری تربیت اور میرے گھرانے کا ماحول سب سے بڑی گارنٹی ہوں گے اس کی کامیابی کی مگر حالات کو تم اس موڑ تک لے جاؤ گی جہاں آگے ڈیڈ اینڈ کے سوا کچھ نہ ہوگا اس کا اندازہ میں نہیں کر سکتا تھا۔ تمہارا پیچھا اس لیے...... کرتا رہا کہ تمہیں اس ماحول اور اس کمپنی سے بچا سکوں جس میں پڑ کر تم اپنی شخصیت تباہ کر لینے لگی تھیں۔ تمہارے ساتھ آفس آنا جانا اور گھر میں تمہیں ٹائم دینا اور تمہاری حماقت کی حد تک چیپ حرکتوں کو برداشت کرنا بھی اسی لیے تھا کہ میرا خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ تمہیں احساس ہو جائے گا اس بات کا کہ تم انتہائی غلط ٹریک آف سائیڈ پر سوچنے لگی ہو۔ میں تمہیں نامحسوس طریقہ سے یہ سب باتیں جتانا چاہتا تھا مائرہ مگر تم نے آج اتنی بڑی بات منہ سے نکال کر مجھے مجبور کر دیا کہ میں بول پڑوں اور تمہیں الفاظ میں بتاؤں کہ اس سارے کھیل کی حقیقت سے میں خوب واقف ہوں۔ تمہیں بتا سکوں کہ تمہارے جیسی بیدار مغز، باشعور اور پڑھی لکھی لڑکی کو یہ حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔ تم اپنی ماما کی طرف دیکھو، اپنی خالاؤں اور پھوپھیوں کو دیکھو اپنے خاندان میں سب ہی خواتین کی زندگیوں کا مشاہدہ کرو، کتنی وضع داری سے اور کتنی عزت کے ساتھ زندگی گزاری انہوں نے۔ اختلافات کس گھر میں نہیں ہوتے ہوں گے۔ میاں بیوی کی شخصیت میں اختلاف، سوچ میں اختلاف، طریقہ عمل میں اختلاف شاید ہی کوئی جوڑا ایسا ہو جن کی شخصیات کی تمام ڈائمینشنز ایک جیسی ہوں۔ پھر ایک بات فرض کر کے اس کے پیچھے اچھی بھلی زندگی برباد کر لینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ یقین جانو کہ ظل والا تعلق بیچ میں نہ بھی ہوتا تو بھی میرے ساتھ تمہاری کبھی نہیں بن سکتی تھی۔ میاں بیوی کے طور پر یہ ایک بہت بڑا مس میچ ہوتا۔ میری ظاہری ماڈرن شخصیت کے اندر ایک بہت قدامت پسند، میل شاؤنسٹ بیٹھا ہے جو سیلف ڈومینیشن کا قائل ہے۔ میرے اپنے معیار پر صرف ظل ہما ہی پوری اتر سکتی تھی کیونکہ صرف وہی مجھے بھگت سکتی ہے۔ یہ اور بات کہ میرا اپنا دل اس پر قربان ہے مگر تمہاری ہرل ماڈرن ازم اور میری شاؤنزم ایک ساتھ کبھی بھی نہیں چل سکتیں۔ میری ظاہری شخصیت پر مرنے کے بجائے اسد کے اندر کی شخصیت کو ٹٹولنے کی کوشش کرتیں تو وہ تمہیں کب کا کلک کر چکا ہوتا۔ اس کی شخصیت میں کوئی داؤ پیچ نہیں ہے۔ اسے اپنے مزاج میں ڈھالنا ذرا بھی مشکل نہیں اگر کوئی لڑکی ذرا سی سمجھدار ہو تو اور تم تو خیر ماشاءاللہ ذرا سی نہیں کافی ساری......'' ہمایوں نے بات ادھوری چھوڑ کر مائرہ کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے چہرے کی طرف پہلے بھی دیکھ چکا تھا اور اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ مائرہ کے دل پر کیا گزر رہی تھی مگر اب اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

''اس ملک میں بہت کم فیملیز ایسی رہ گئی ہیں مائرہ جو ویلیوز کا خیال رکھتی ہیں۔ جن کے لیے ویلیوز سے انحراف موت کے برابر ہوتا ہے اور شاید تم نہیں جانتیں کہ یہ فیملیز ہی یہاں کا اثاثہ ہیں۔ تمہاری ماما کو اپنے خاندان کی ان ویلیوز کی موت پر صدمے کی کیفیت کا سامنا ہے۔ تم اتنا دکھ انہیں دے کر خوش رہ سکو گی مائرہ۔'' ہمایوں نے گرم لوہے پر ایک اور چوٹ لگائی۔

''نہیں۔'' مائرہ نے نفی میں سر ہلایا اور اپنا سر میز پر ٹیک دیا۔ اسے اپنے پر اپنے وجود پر شرم آ رہی تھی۔ اس کا دماغ گھوم رہا تھا اور اسے رہ رہ کر یاد آ رہا تھا کہ وہ کیا کر چکی تھی اور کیا کرنے والی تھی۔ ہمایوں جو اس کا آئیڈیل تھا اس کی نظروں میں اس کی کیا وقعت تھی یہ سوچ کر اس کا مر جانے کو دل چاہ رہا تھا۔ وہ اتنی سمجھدار، سیانی اور باشعور تھی صرف ایک چھوٹی سی شکست سے مغلوب ہو کر انتقاماً کیا، کیا کر بیٹھی تھی اور کیا کرنے والی تھی اس کا دل مر جانے کو چاہنے لگا۔



''تم نے مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جانا تھا؟'' اس رات ظل نے عرصے بعد ہمایوں سے بلند آواز میں بات کی تھی۔ لیپ ٹاپ کی کیز دباتا وہ چونک کر رک گیا اور پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔ ظل کے چہرے پر اسے ایک انوکھا تاثر نظر آیا۔

''میں لیٹ ہو گیا تھا۔'' ہمایوں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

''تم نے کہا تھا تم جلدی آؤ گے؟'' دوسرا سوال آیا۔

''ہاں، مگر کام زیادہ تھا۔'' اس نے اپنی توجہ دوبارہ اپنے کام کی طرف مبذول کرنا چاہی۔

''مائرہ کے ساتھ تھا کام۔'' ایک غیر متوقع سوال آیا۔ وہ پورا کا پورا پیچھے گھوم گیا۔

''کیا بات ہے، آج پہلی مرتبہ تم بیوی، بیوی نظر آ رہی ہو؟'' بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

''میں ہوں ہی یہی...... تو ایسی ہی نظر آؤں گی نا......!'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ادھر بیٹھو۔'' ہمایوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سامنے بٹھالیا۔ ''آج صبح تو لگ رہا تھا بجھ گئی نہیں، اس وقت لگ رہا ہے تم سے زیادہ زندہ کوئی نہیں کیا بات ہے؟'' کوئی خاص ٹانک مل گیا کیا......؟''

''ہوں......!'' ظل نے سر جھکا کر کہا۔

''ہائیں، کون سا ٹانک۔'' وہ حیران ہوا۔

''محبت، توجہ اور اعتماد کا ٹانک۔'' ظل نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔ ''آج مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میری زندگی میں بارہ کا گھنٹہ کبھی نہیں بجے گا کیوں کہ میرا دن گیارہ گھنٹوں کا ہی تھا، گیارہ کے بعد اگلا دن شروع ہو جائے گا اور پھر اس سے اگلا پھر اس سے اگلا، ہمایوں حیرت کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اس کی بات کی سمجھ آ بھی رہی تھی اور نہیں بھی۔ اس کے اس تعجب کو دیکھ کر ظل نے اسے ڈھیر سے ڈھیر سے صبح والی بات

سنانی شروع کی۔

''گریٹ۔'' ہمایوں نے بے اختیار اس کے ہاتھ چوم لیے۔ ''میں جانتا تھا ایسا ہی ہوگا، میں جانتا تھا کہ تمہاری خاموشی اور تمہارا صبر ایک دن میدان مار لیں گے۔ آئی لو یو ظل، مجھے تم پر فخر ہے۔''

''نہیں، تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔'' ظل نے اپنے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی......؟'' وہ ٹھٹک کر بولا۔ ''یہ تم نے کیوں کہا؟''

''''تم مائرہ سے محبت کرتے ہو۔ میں اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ ویسی لڑکی ہی تمہارا آئیڈیل ہو سکتی ہے۔'' ظل نے صاف گوئی سے کہا۔

''بکواس نہ کرو، شرم نہیں آتی مجھ پر شک کرتے ہوئے۔'' ہمایوں نے عرصے بعد اپنے پرانے انداز میں کہا۔'' کیوں کہا تم نے ایسا......؟

''میری آنکھیں جو دیکھتی ہیں، میں وہی کہوں گی تم ہی تو کہتے "Seeing is believing"

''شٹ اپ۔'' میں سمجھتا تھا ساری دنیا اس بکواس پر یقین کر لے تو تم نہیں کر سکتیں تم سے اچھی تو اماں ہیں جنہوں نے اسد کی ساری بریفنگ سن کر بھی یقین نہیں کیا کیونکہ انہیں مجھ پر بھروسہ تھا۔ تمہیں میں اتنا کمینہ نظر آتا ہوں، اتنا گرا ہوا۔ ہیل ود......'' وہ غصے میں آ گیا تھا۔

''ابھی میں اماں کو ساری بات سنا کر آ رہا ہوں تمہیں نہیں سناؤں گا کیونکہ جب تم نے مجھے غلط مان لیا تو میں خود کو تمہاری نظروں میں ٹھیک ثابت کرنے کی کوشش کیوں کروں۔'' وہ ٹیبل کی طرف مڑ گیا۔

ظل کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا اس کے دل میں عرصے سے جو بات انی کی طرح گڑی تھی اسے کرنے میں اس نے غلط وقت کا انتخاب کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے دل کی بدگمانی ہمایوں کو ہمیشہ گالی کی طرح محسوس ہوتی تھی مگر وہ یہ بات بھول نہیں پا رہی تھی کہ صبح مائرہ کی ایک آواز پر ہمایوں اپنی بے خودی کی کیفیت سے باہر نکلا تھا۔ اسے شام کو جلدی آنا تھا مگر وہ نہیں آیا تھا۔ کیونکہ اسے مائرہ کو اس کی ماما کی طرف چھوڑنے میں دیر ہو گئی تھی۔ یہ بھی اس نے خود بتایا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ مسل رہی تھی اور کچھ فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔



''میں نے یہ فرض کیا تھا کہ جس گھرانے سے ہمایوں جیسے لڑکے کا تعلق ہے وہ یقیناً بہت وضع دار اور نیک بخت گھرانہ ہوگا۔ اسی لیے میرے دل نے خواہش کی تھی اس فیملی سے ہمارا تعلق جڑ جائے۔'' یہ رفیعہ تھیں جو اماں سے مخاطب تھیں۔ ''میں نے اسی لیے ہمایوں سے خود بات کی مگر اس کے صاف اور واضح انکار نے مجھے مایوس کر دیا۔ کچھ خواہشات صرف خواہشات ہی رہ جاتی ہیں میں نے سوچا تھا مگر پھر اسد کی آمد اور مائرہ کی خواہش نے مجھے خوش کر دیا۔ خدا نے شاید میری سن لی تھی۔ میں اس رشتے پر بہت خوش تھی مگر مجھے افسوس ہے

کہ میری خوشی کو میری اپنی بیٹی نے ہزیمت سے دوچار کر دیا۔ مائرہ کی سوچ اور عمل نے میری برسوں کی ریاضت ملیامیٹ کر دی۔ یہ آخری چیز تھی جس کی توقع میں اپنی بیٹی سے کر سکتی تھی۔ مایوسی اور غصے کی انتہا پر پہنچ کر جس سرکشی پر وہ اتر آئی تھی مجھے اس سے اس کا پیچھے آنا ناممکن نظر آنے لگا تھا۔ میں مایوس ہو چکی تھی مگر یہ ہمایوں تھا جو نہ مایوس ہوا نہ ہی اس نے مائرہ کا پیچھا چھوڑا۔ کچھ روز پہلے جب یہ مائرہ کو میرے گھر چھوڑ کر گیا میں نے سمجھا بس یہ خاتمہ ہے۔ اب ہمیں اس حقیقت کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے ہم نظریں چراتے رہے مگر میرے لیے انتہائی حیرت کا باعث اس رات مائرہ کا وہ اعتراف تھا جو اس نے اپنے غلط ہونے کے سلسلے میں کیا۔ اس نے رو رو کر اپنی ساری غلطیاں گنوائیں اور میرے پاؤں پکڑ لیے۔ اس لیے نہیں کہ اسے صرف واپس پہنچنا تھی اس لیے بھی کہ وہ اپنی نظروں سے گرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ خود سے اتنی شرمندہ تھی کہ خود اپنے آپ سے نظر نہیں ملا پا رہی تھی۔ یقین جانیے اس روز پہلی مرتبہ میں نے خواہش کی کاش ہمایوں میرا بیٹا ہوتا۔ کاش فخر کا یہ موقع مجھے پر آتا۔ اس نے جس تحمل اور عقلمندی سے ایک اچھی خاصی باشعور لڑکی کو کھائی میں گرنے سے بچایا، یہ اس کا کمال ہے۔ اس نے اپنے بھائی کی زندگی کو دھبا لگنے سے بچانے کے لیے اعصاب کی جو جنگ لڑی ہے اس کا اندازہ ہم آپ نہیں کر سکتے۔ اس نے ایک زندگی کو ہمیشہ شرمندگی اور پچھتاوے سے بچا لیا۔ عظیم ہیں آپ ... اور خوش قسمت ترین ہیں آپ جو ہمایوں کی والدہ ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہوا ہے۔ خدا کرے سب مائیں ایسے ہی بچوں کو جنم دیں۔'' رفیعہ کہہ رہی تھیں اور اماں کو لگا ان کا سر بلند...... بلند اور بلند ہوتا چلا جا رہا تھا۔

اب رفیعہ تفصیل سے بتا رہی تھیں اور اسد سر جھکائے سن رہا تھا۔ ظل ہما کے دل میں بیٹھے بہت سے اندیشے اور غم ڈھل رہے تھے اور ہمایوں، رفیعہ آنٹی کو بس آنٹی پلیز بس کی تلقین کر رہا تھا۔

''آپ ہمیں معاف کر دیں۔'' پھر رفیعہ نے اماں کے گھٹنوں کو چھوا۔ ''اور تم بھی اسد بیٹا۔ ایک بار معافی کی گنجائش تو ہو گی تمہارے ہاں۔'' اسد نے سر اٹھا کر ہمایوں کی طرف دیکھا، جو بے تاثر چہرے کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ کے خیال میں ہمایوں کا بھائی کتنا برا ہو سکتا ہے۔'' اس نے بھاری آواز میں کہا۔ ''میں حیران ہوں کہ اس کے جیسا مشاہدہ اور تحمل مجھ میں کیوں نہیں ہے۔'' رفیعہ کی آس بھری آنکھوں میں خوشی کی کرن چمکنے لگی۔



''ایک تھی سنڈریلا'' ظل ہما نے کہنا شروع کیا۔ ''کوئلوں کی راکھ کرید نے والی یتیم و بے آسرا لڑکی...... ایک نیک دل پری کی چھڑی نے اسے شہزادی تو بنا دیا مگر بارہ کے گھنٹے کا خوف اس کے دل سے نہ نکال سکی۔ بارہ کا گھنٹا شام فراق کی طرح اس کی زندگی میں ہر طرح کے اندیشے اور خوف لاتا رہا مگر یہ سنڈریلا اتنی بدھو اتنی بے خبر تھی کہ اسے یہ سمجھ ہی نہیں آئی کہ اس کا شہزادہ ماڈرن دور کا پڑھا لکھا، سمجھدار لڑکا تھا۔ اس نے

کمال ہوشیاری سے گیارہ کے بعد گھڑیال کی سوئیاں ایک پر کر دی تھیں۔ نہ بارہ بجے نہ سنڈریلا کا سلیپر گم ہوا۔ بس شہزادہ سوئیاں بدلنے کے لیے ذرا کی ذرا غائب ہوا کہانی میں اور سنڈریلا پر سکرات کا عالم طاری ہونے لگا۔ شہزادے کو افسوس ہوا سنڈریلا بے اعتبار کیوں ہوئی، اسے علم نہیں تھا کہ سنڈریلا ہونا کتنی اذیت ناک کیفیت ہے۔ کئی بار مرنا کئی بار جینا پڑتا ہے۔ ایسے میں ذرا سا فراق......"

"بس۔" ہمایوں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ "اتنی احمق سنڈریلا کو تو ویسے ہی چکی پیسنے پر لگا دینا چاہیے جو شہزادے کے دل کو نہ سمجھ پائی۔"

"وہ بہت نیک دل تھی اسی لیے شام فراق آئی اور آ کر چلی بھی گئی۔ سنڈریلا کو اپنے شہزادے پر فخر ہے، اتنا کہ یہ فخر کرنے کے لیے ایک زندگی کم ہے۔" ظل نے کہا اور اپنا سر ہمایوں کے سینے سے ٹکا دیا۔ روشنی کی کرن جو عمر بھر اسے اندھیروں میں چمکتی دکھائی دیتی تھی، اس کی مٹھی میں تھی۔



نہ اب کبھی شام بجھے گی نہ اندھیرا ہوگا

اس کی گھڑی ہمیشہ صحیح وقت سے پانچ منٹ آگے ہوا کرتی تھی۔ مگر اس روز آفس پہنچنے پر اسے معلوم ہوا کہ گھڑی نہ صرف پیچھے رہ گئی تھی بلکہ یہاں تک پہنچتے پہنچتے اس میں گہرا سکوت چھا چکا تھا۔ وہ سیل ختم ہو چکا تھا۔

''اور مجھے اپنی اس گھڑی پر اتنا اعتبار ہے کہ جب یہ میری کلائی پر بندھی ہو تو میری نظر گھر میں کسی دوسری گھڑی یا کلاک پر نہیں پڑتی۔ اپنے سامنے میز پر رکھے کاغذات کو سمیٹ کر ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے سیمی سے کہا۔

''خیر، دیر کا کیا ہے، ہو جاتی ہے اور مجھے تو اکثر ہی ہو جاتی ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارے نئے آرٹیکل کا کیا حال ہے۔ کہاں تک پہنچا؟'' سیمی نے اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹ کر ربر بینڈ میں جکڑتے ہوئے کہا۔

''لیلیٰ کے آرٹیکل کا حال مت پوچھو، ابھی کہے گی، شروع ہی نہیں کیا، شام تک معلوم ہوگا پہنچ گیا جہاں اسے پہنچنا تھا۔'' زین نے ٹائپ رائٹر کی کھٹ کھٹ کے دوران کہا۔

''اور تمہیں آگ لگ جاتی ہے شام ہوتے ہوتے۔'' زیبا نے اپنی ٹیبل سے ہانک لگائی۔

''تم یہ بتاؤ لیلیٰ تم نے سنا رات سلیم یزدانی کے ڈنر پر کیا ہوا۔ ویسے ہی مجھے بڑا افسوس ہوگا اگر یہ خبر پرنٹ ہونے سے پہلے ہی غتر غوں ہو گئی تو۔''

''کیا ہوا تھا؟'' وہ قدرے اشتیاق سے آگے جھکی۔

''چلو'' ندیم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''شروع ہو گئیں افواہیں ڈسکس ہونی۔''

''ظاہر ہے کہ، افواہ ساز فیکٹریاں یہیں تو اپنا کام کرتی ہیں۔ ہر سائز، ہر قسم اور ہر حجم کی افواہیں یہاں ہی تو بنتی ہیں۔'' زین نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔

''اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ تم تو جیسے ہر قسم کی آلائش جھاڑ کر شلجم پکاتے ہو نا۔'' زیبا حسب معمول جوش میں آئی۔

''شلجم''۔زین کی اُنگلیاں رُکیں۔''نہیں بھئی، مجھے پسند نہیں۔'' اس نے سر ہلایا۔

''خدا کے لیے بھائی صاحب: ذرا خاموش ہو جائیں۔ مجھے اس نئے سوشل سکیورٹی سینٹر کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے دیں۔'' عبدالمنان نے جھلا کر کہا۔

''لگتا ہے، اس بار جیب زیادہ گرم ہے۔'' ندیم نے زیر لب کہا۔''ویسے منان یار۔تم ہمیشہ بھائی صاحب ہی کہتے ہو، یہ جو خواتین یہاں بیٹھی ہیں۔ یہ کیا بہن صاحبان نہیں ہیں یا کوئی اور بات ہے؟'' عبدالمنان جواب دیے بغیر آسمان زمین کے قلابے ڈھونڈتا رہا۔

''یا اللہ۔ایک تو مجھے ان موصوف کی سمجھ نہیں آتی۔'' سیمی نے صبح کے اخبار کی ایک خبر پڑھتے ہوئے کہا۔''کل اسی ایشو کے بارے۔ میں ان کی رائے کچھ اور تھی اور شام تک الفاظ و خیالات میں عظیم الشان انقلاب آیا پڑا ہے۔'' اس نے اٹھ کر اخبار لیلیٰ کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا۔ کسی فرنٹ لائن سیاستدان کا تازہ بیان اس کی نظروں کے سامنے آ گیا۔

''تھرڈ ورلڈ پالیٹکس کا المیہ''۔اس نے بال پوائنٹ دانتوں تلے دبا کر دانشورانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

''چھوڑو یار لیلیٰ۔تم کیا جانو تھرڈ ورلڈ پالیٹکس کے المیے۔'' زیبا نے سر ہلا کر کہا۔

''کیوں بھئی۔میں کیوں نہیں جانتی۔'' ایک عرصہ گزر گیا اس دشت کی سیاحی میں لندن جانے سے پہلے میں جب اسلام آباد میں تھی۔ اس وقت بھی خلیج ٹائمز کے لیے پولیٹکل سینار یو (سیاسی منظر نامہ) میرا مطلب ہے کہ پاکستان اور اردگرد کے ممالک کے سیاسی منظر ناموں پر مفصل رپورٹس بھیجا کرتی تھی۔ پھر لندن میں جب میں نے لندن یونیورسٹی میں آنرز میں داخلہ لیا تو بھی میری پہلی ترجیح یہی تھرڈ ورلڈ پالیٹکس ہی تھی اور جب میں نے ریجنٹ اسٹریٹ پولی ٹیکنیک میں جانا شروع کیا تو اس وقت میرے تین مسلسل آرٹیکل سنڈے ٹائمز میں شائع ہوئے۔اس وقت کے پولیٹکل پرابلمز پر۔ میرا ایک پیپر بہت سراہا گیا۔انڈر ڈیولپنگ کنٹریز (ترقی پذیر ممالک) کی سیاست میں افواج کے کردار پر۔اس وقت پروفیسر جے ہیری نے مجھ سے کہا کہ میں واپس کیوں جا رہی ہوں۔ مجھے تو خود کو ایسے موضوعات پر اتھارٹی تسلیم کروانے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ کہ ان خصوصیات کے ساتھ جو مجھ میں ہیں مجھے۔''

''فلیٹ اسٹریٹ میں ہونا چاہیے تھا تاکہ یہاں کے ریں ریں کرتے ماحول میں۔'' وہ بڑے عرصے کے بعد اپنے بارے میں انکشافات کرنے کے موڈ میں تھی کہ پیچھے سے اس کا جملہ اُچک لیا گیا۔اس نے پیچھے مڑ کر نو وارد کو دیکھا اور پھر اپنا رُخ سیدھا کر لیا۔

''جی نہیں۔ان کا خیال تھا کہ مجھے مزید تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔''

''پھر یہاں آنے کا فیصلہ کیوں کیا گیا۔ وجوہات بیان کی جائیں یہ تو وارد پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ گھساتا اس کے سامنے آیا۔

''وجہ۔ وجوہات۔'' اس کے ذہن میں دھماکا سا ہوا'' کوئی خاص نہیں۔'' گو بہت جلدی۔ اس نے خود کو سنبھالا مگر اسے معلوم ہوا کہ اس کے مخاطب کی آنکھیں اس کے چہرے پر سختی سے گڑی ہوئی تھیں۔

''اچھا!'' یوں کہا گیا جیسے یقین کر لینے میں تامل ہو۔'' میں نہیں مانتا۔''

''کیوں؟'' اس نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''اس لیے کہ بغیر وجہ کے نہیں، میرا قیاس کہتا ہے کہ آپ بات کو ٹال رہی ہیں۔''

''آپ کو کس طرح معلوم ہے؟'' اس نے بحث کرنے کے سے انداز میں کہا۔

''یہ زعیم نیازی ہے لیلیٰ اور سب میں بہترین قیافہ شناس (Physio gnomist) کے طور پر مشہور ہے اور جب اسے شک ہو جائے تو پھر اپنے شک کو ثابت کر کے ہی چھوڑتا ہے۔'' زیبا نے ہانک لگائی۔

''گویا بے حد لیچڑ قسم کی شخصیت ہے۔'' اس نے دل میں کہا۔

''لیکن اس وقت میں جلدی میں ہوں، پھر بھی ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔'' اس نے زین کی میز پر جھکے جھکے اس کے کاغذات دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں جلدی کیا ہے؟'' ندیم نے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

''یار! صبح ہی صبح ربانی صاحب کی گھرکیاں سہہ کر آیا ہوں۔ اس لیے کچھ بھی اِن نہیں ہے آج۔''

''کیوں کیا ہوا؟ کل ہی تو تم واپس آئے ہو۔ یہ ایک ہی شام میں کیا ماجرا ہو گیا۔'' زین ہنسا۔

''صبح میری شکل دیکھتے ہی کہنے لگے صاحبزادے اپنا دماغ ٹھکانے رکھو۔ اتنا خون اُبالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں نمائندگی کے لیے بھیجا تھا۔ تم Indepth (گہرائی میں) جائزہ لینے لگے۔ تمہیں معلوم ہے سائیں فلاں فلاں جو فلاں گوٹھ کے وڈیرے ہیں، انہوں نے مجھے فون پر کہا کہ اپنا بندہ جلدی واپس بلا لیں ورنہ ایک پیس میں اس کی واپسی ناممکن ہو جائے گی۔ اور یہ بھی کہنے لگے کہ ابھی تم اس میدان میں نئے ہو، ناتجربہ کار ہو۔ اور سب سے بڑھ کر آئیڈیلزم کا شکار ہو۔ ہر چیز کی گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ وغیرہ وغیرہ۔''

''تم نے کچھ نہیں کہا؟'' زیبا نے بے دھیانی سے پوچھا۔

''میں نے کہا کہ سب باتیں چھوڑیں سر۔ یہ بتائیں کہ میری بھیجی اسٹوریز حرف بہ حرف کیوں چھپیں۔ اگر اتنا ہی غلط تھا میرا گہرا جائزہ تو پھر آپ نے قینچی کیوں نہیں چلائی۔ صرف اس لیے کہ اندرون سندھ تو میں تھا اکیلا۔ اور یہاں تھی Vast Readership (بہت زیادہ پڑھنے والے) اور یہاں صرف میری ان اسٹوریز کی وجہ سے اخبار گرم کیک کی طرح بک رہا تھا۔ سو آپ نے اس کو اس وقت مائنڈ نہیں کیا۔ اس وقت

مجھے تنبیہ کی جاتی کہ صاحبزادے تم غلط کر رہے ہو آئیڈیلزم کے چکر میں ہڈی کا پسلی کا...... سرمہ نہ بنوا لینا۔ یا جان نہ گنوا بیٹھنا تو تو بات تھی۔''

''کیا بولے پھر؟'' سیمی کو اشتیاق تھا۔

''بولے، وجہ وہی تھی جو تم نے بیان کی۔ یعنی یہ کہ ادھر اخبار ہاٹ کیکس کی طرح بک رہا تھا۔ تمہیں اگر تنبیہ کی جاتی تو لازمی انڈر پریشر آجاتے۔''

''ویسے تمہارا کیا خیال ہے زعیم! اگر تم کو خطرے کا سگنل بھیج کر خاموش کروا دیا جاتا تو تم کیا کرتے زیبا نے پوچھا۔

''کرنا کیا تھا بابا۔ گہرا مشاہدہ چھوڑ چھاڑ کر جان بچا کر وہاں سے بھاگتا۔ اور یہاں آکر پہلا کام استعفیٰ دینے کا کرتا اور پھر اپنی فیملی کو لے کر شہر چھوڑ دیتا۔ کیونکہ میں بھی موت سے خاصا خوفزدہ ہوں، عام نارمل انسانوں کی طرح۔ مگر ساتھ کے ساتھ یہ بات بھی میری طبیعت پر گراں گزرتی کہ میرے ذہن اور سوچ کو خوف کی رسی میں جکڑ کر کہا جائے کرو کام۔ بھائی کیا کریں کام۔ باگیں کسی اور کے ہاتھ میں اور دوڑ آپ رہے ہیں۔ اس قسم کا کام جہنم میں جائے۔''

''ویسے یہ چہرہ بالکل نیا ہے۔ میرے پیچھے کیا نئی بھرتی ہوئی ہے میگزین سیکشن میں۔'' اس نے سیدھے ہوتے ہوئے لیلیٰ کی طرف دیکھا۔

''ارے ہاں بھئی۔'' ندیم اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''یہ لیلیٰ ہیں۔ لیلیٰ غیاث الدین۔ رضوی صاحب اس کو جتنوں سے لے کر آئے ہیں اس سیکشن میں۔ دو ہفتے ہوئے لندن یونیورسٹی، ریجنٹ اسٹریٹ پولی ٹیکنیک سے جرنلزم اور فرنچ میں ڈپلومہ، ہوٹل مینجمنٹ، انٹریر ڈیکوریشن ڈپلوماز اور نجانے کیا کیا۔ میگزین مڈ ویک اور چلڈرنز پیج، وہی سلسلہ ہر طرف سب کی نبٹانا ہوگا اس کو بھی۔ پچھلے ہفتے میڈن آرٹیکل Maiden Article (پہلا مضمون) اس ہمارے اخبار کے لیے شائع ہوا۔ بعنوان Pollution Acase of slow Poisioning (ماحولیاتی کثافت ایک سست رفتار زہر) خاصا پسند کیا گیا۔ اور لیلیٰ۔'' ندیم نے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ زعیم نیازی ہے۔ نیوز رپورٹر۔ ویسے زیادہ تر جب بھی آفس میں ہوتا ہے نیوز ڈیسک کے بجائے ہمارے سیکشن میں نظر آتا ہے۔ کیونکہ میرا اور زین کا کلاس فیلو ہے۔ انگلش میں ماسٹرز کیا ہے اور جرنلزم میں کرنے کی کوشش فرمائی جا رہی ہے۔ ہماری کم از کم ہماری متفقہ رائے یہ ہے کہ بہترین نیوز رپورٹر ہے۔ اس کی لائی خبریں افواہیں ہی نہیں حقیقت بھی ہوا کرتی ہیں۔ مسلسل دو دفعہ بہترین نیوز آئٹم کے لیے نامزد ہوا مگر درمیان ہی میں اُچک لیا گیا۔ جیسا کہ عموماً ان کیسز میں ہوا کرتا ہے۔ کچھ عرصہ سے سندھ گیا ہوا تھا۔ انٹریر سندھ کے بارے میں رپورٹس بنانے۔ تمہاری نظروں سے گزری ہوں گی اس کی رپورٹس شاید۔''

وہ بہترین چہرا شناس بھی ہے۔ سیمی نے درمیان میں لقمہ دیا۔ ''اور اس سے ملنے اور باتیں کرنے

کے بعد کسی کا بھی یہ خیال غلط ثابت ہو سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں انگریزی صحافت پر صرف ترقی پسندوں کا قبضہ ہے۔''

''اتنی خوبیاں ہیں جو گنوائی گئی ہیں، جب ہی موصوف کا انداز ایسا ہے جیسے اخبار صرف ان کی وجہ سے چل رہا ہے۔'' اس نے اتنی تفصیل سن کر زیر لب کہا۔

''جی ہاں۔'' وہ باہر نکلتے نکلتے مڑا۔ اس کے کان بلا کے تیز تھے۔ ''اور آپ کو علم نہیں کہ کسی بھی صحافی کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود کو اخبار کے لیے ناگزیر سمجھے۔ جیسے اس کے بغیر اخبار چل ہی نہیں سکتا۔ اس طرح اسٹینڈرڈ مین ٹین کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ویسے بھی اپنے بارے میں کوئی مغالطہ ہونا بڑی نعمت ہے۔ ایسے ہی جیسے یہ مغالطہ کہ آپ کو فلیٹ اسٹریٹ میں ہونا چاہیے تھا تاکہ تھرڈ ورلڈ کے ریں ریں کرتے اس ماحول میں۔''

''اس سے کبھی کوئی نہیں جیت سکتا۔'' زیبا نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور اپنے کاغذات پر جھکا لیا۔



''اس لیے کہ بغیر وجہ کے نہیں، میرا قیاس کہتا ہے کہ آپ بات کو ٹال رہی ہیں۔'' اس سارے دن کی تھکا دینے والی مصروفیت کے بعد رات سونے سے پہلے یہ جملہ اس کے ذہن میں دھماکے کے ساتھ کودا۔

''لیلیٰ مجھے بتاؤ۔ تم اچانک شینا آنٹی کا گھر چھوڑ چھاڑ کر یہاں کیوں آ گئیں۔'' ایک بار اسی طرح ڈزنی لینڈ کے چلتے پھرتے کامک کرداروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے صبا نے اچانک اس سے پوچھا تھا۔

''بس یونہی۔ کوئی خاص وجہ نہیں اس کی۔'' اس وقت بھی اس نے یہ ہی جواب دیا تھا۔

''نہیں میں نہیں مانتی۔'' صبا آج کے مخاطب سے زیادہ وثوق سے بات کرتی تھی۔

''کیوں؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''اس لیے کہ تم وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ اس لیے نہیں بھاگیں کہ تم کو یہاں سیر و تفریح کا شوق تھا۔ تم بس اس لیے بھاگی ہو کہ تم ہر جگہ ماحول سے گھبرا جاتی ہو اور فرار حاصل کرنے کی کوشش میں ٹھکانے بدلتی رہتی ہو۔ مگر یہ خانہ بدوشوں کی سی زندگی کب تک۔'' صبا کو اپنے دل کی بات کہہ دینے میں کبھی کوئی تامل نہیں ہوتا تھا۔ وہ مخاطب کے دل پر گزرنے والی کیفیات کا خیال کیے بغیر کہے جاتی تھی۔

''اتنی صاف گوئی بھی کس کام کی کہ کسی کا بھرم ٹوٹ جائے۔'' اس نے دل میں سوچا تھا۔ مگر وہ شاید نہیں بلکہ یقیناً ٹھیک کہتی تھی۔'' فرار۔ جی ہاں زعیم نیازی صاحب۔ بزعم خود شہر کے بہترین رپورٹر۔

وہاں سے آنے کی شاید یہ وجہ ہوگی۔ مگر اب میرا خیال بدل چکا ہے۔ اب میں فرار کی نہیں اپنی Roots (بنیاد) کی تلاش میں یہاں آئی ہوں۔ کیونکہ اب میں نے حقیقت کا سامنا اور دن میں آئینہ دیکھنا شروع کر دیا ہے۔''

''اصل میں تم فضول جھنجھٹوں میں پڑ گئی ہو۔'' اسی طرح صبا نے اس دن کہا تھا جب وہ پاکستان کے لیے ٹکٹ خریدنے چلی تھی۔

''ہاں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ تم غیاث انکل کی بیٹی نہیں ہو ہم سب جانتے ہیں انہوں نے کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا تمہیں کہ تم ان کی بیٹی نہیں ہو۔ اور سب سے بڑی بات ہی یہ ہے۔ باقی سب بکواس ہے تمہارے نظریے اور وہم۔ میری شناخت کھوئی گئی ہے۔ میں شناخت کے بحران میں مبتلا ہوں۔ میں اپنی بنیاد تلاش کرنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ میں ان ہی سے متعلق ہوں۔ اصل میں یہ سب تمہارے بے حد و حساب مطالعے اور تنہائی کی وجہ سے ہوا ہے میں نے سنا ہے اور ٹھیک سنا ہے کہ مسلسل احساس تنہائی بھی انسان کو سائیکک (نفسیاتی مریض) بنا دیتی ہے۔''

''ہا! سائیکک۔ (نفسیاتی مریض)'' اس نے صبا کی بات یاد کر کے اپنا سر بیڈ کی پشت سے ٹکا دیا۔'' تو اور کیا دانشور بن جائے بندہ اور جو میرے جیسے خیالات میں گھرا ہو وہ تو پیدائشی سائیکک (نفسیاتی مریض) ہوا کرتا ہوگا۔ لندن یونیورسٹی جرنلزم میں بہترین ڈپلوما، سنڈے ٹائمز کے آرٹیکلز، خلیج ٹائمز کی باقاعدہ نمائندہ اور اب اس لیڈنگ نیوز پیپر کی ایک نمائندہ صحافی۔ نہیں ان میں سے کوئی بھی امتیازی نشان میرے کندھے پر سجا اچھا نہیں لگتا۔ یہ سب ایک طرف اور میری Psyhic Personality (اُلجھتی ہوئی شخصیت) ایک طرف۔ کسی کو کیا پتا کہ میں سارا دن کتنے ڈرامے کرتی رہتی ہوں۔ دوسروں کے سامنے با اخلاق، مسرور، مطمئن نظر آنے کے لیے پتھر کا کلیجہ چاہیے ہوتا ہے اور اتفاق سے یہ میرے پاس ہے۔ ورنہ ان سب امتیازی تمغوں سے سجی اس شخصیت کے اندر کیا ہے۔ بجز ایک Identity Crisis (شناخت کے بحران) کی شکار لڑکی۔

اچھا بھئی۔ دنیا والو تم کو خبر ہو کہ میرے پاس خود پر خول چڑھانے کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ میں یونہی ڈرامے کر رہی ہوں کرتی رہوں گی۔ کسی کو اس سے کیا کہ میں درحقیقت کیا ہوں۔'' اچھی طرح اپنا تجزیہ کر لینے کے بعد اس نے فیصلہ کیا اور سلیپنگ پلو کے اثر میں آ کر سو گئی۔

ان دنوں وہ دن رات اپنی ذاتی تاریخ مرتب کرنے میں لگی رہتی تھی۔ گو وہ اپنی ذاتی تاریخ سے کچھ بہت زیادہ واقف بھی نہیں تھی۔ مگر اسے کڑی سے کڑی ملانے میں مزا آتا تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنے تازہ آرٹیکل ''کریش ڈائٹنگ کے مضر اثرات'' سے زیادہ اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ایک میرا باپ سعید الدین خان پھر دادا صاحب شریف الدین صاحب ان کے ابا نصیر الدین خان اور پھر۔ اس نے اپنی ڈائری پر لکھے نوٹس ٹٹولے۔ ان کے والد ظہیر الدین خان انگریز سرکار برصغیر کے ایک معتمد خاص اور اس سے پہلے کے بزرگ یقیناً مغل شہنشاہوں کے دربار میں خزانچی کے عہدے پر فائز ہوں گے اور سالانہ بجٹ پیش کیا کرتے ہوں گے۔ ایک بات اسے اپنے خاندان کے بارے میں یہ معلوم تھی کہ اس کا خاندان حساب کتاب کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ اور ان لوگوں کے ذہن بلا کے تیز تھے۔ میری نسل تک آتے آتے یقیناً تغیر کی وجہ سے دماغ

چھوٹا رہ گیا ہوگا بوجہ مسلسل استعمال۔ جب ہی تو اب تک کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا۔ اس نے اپنا ترتیب دیا ہوا نا مکمل خاندانی شجرہ نسب دیکھتے ہوئے سوچا ویسے جین مندر بھی ایک دلچسپ جگہ ہے۔ اچانک اسے ایک دوسرا خیال آیا۔'' وہاں سے گزرتے ہوئے اکثر خیال آتا ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی شکستہ سی بالکونیوں والے گھروں میں سے کسی ایک میں ڈیڈی اور ان کے ڈیڈی رہا کرتے ہوں گے۔ اور بہت ممکن ہے کہ ان کی باقیات میں سے کچھ ابھی بھی وہاں رہائش پذیر ہوں۔ ارے واہ رے میرے باپ۔'' پھر اس نے اپنے چھوٹے سے جاپانی منی اپچر سے مرقع ہینڈ بیگ کی خفیہ جیب کھول کر ایک شکستہ بلیک اینڈ وائٹ پاسپورٹ سائز تصویر کو دیکھا۔'' سنا ہے آپ کسی زمانے میں گورنمنٹ کالج لاہور میں میتھمیٹکس (ریاضی) کے بے حد شائننگ اسٹوڈنٹ ہوا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ادب اور فلسفہ بھی آپ کو بہت پسند تھا اور یہ کہ آپ بہت متحمل مگر خوشگوار سی مسکین طبیعت کے مالک شخص تھے۔ (یہ معلومات ماما کے خوف کے باوجود شیبا آنٹی نے خفیہ اس کے کانوں میں انڈیلی تھیں۔)

'' پھر آپ کو کیا ضرورت پڑی تھی، ماما جیسی خاتون سے ماتھا پھوڑنے اور عشق فرمانے کی جبکہ طبیعتوں، تربیتوں اور ماحول واسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اور پھر اگر ماتھا پھوڑ ہی لیا تھا تو ثابت قدم رہنا تھا۔ لے کے خود تو فرار ہو گئے اور پھر بعد میں خاموشی سے گمنامی اور تنہائی میں وفات پائی بعارضہ قلب اور مجھے مبتلا کر گئے ایک مسلسل تشخصی بحران ...... میں اور شدید ذہنی تنہائی میں، اب آپ سے بھی کیا شکوہ کیا جائے۔'' اس نے ایک بار پھر اس تصویر کو نظر بھر کے دیکھا۔ جو اسے اسلام آباد والا گھر خالی کرتے ہوئے اسٹور کے کاٹھ کباڑ میں سے اتفاقیہ ملی تھی اور جس کی پشت پر ڈیڈی کے سائن اور سامنے کسی اسسٹنٹ کمشنر صاحب کے Attestation کی مہر لگی ہوئی تھی۔ پھر بیگ کی زپ بند کر دی۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد جو اس نے سر اُٹھایا تو اسے معلوم ہوا کہ جو نظریں کافی دیر سے وہ اپنے چہرے پر برمے کی طرح گڑی محسوس کر رہی تھی حسب معمول چہرا شناس زعیم نیازی کی تھیں جو زین کی ٹیبل پر بیٹھا بجائے اس سے گفتگو کرنے کے سیدھا اسی کا مشاہدہ کر رہا تھا۔

''فضول انسان۔'' اس نے۔ گڑ بڑا کر سوچا اور قلم پکڑ لیا۔

'' کافی غور و خوض ہو رہا تھا، میرے خیال سے کریش ڈائٹنگ کے نقصانات پر۔'' وہ اسے گڑ بڑاتا دیکھ کر یقیناً محفوظ ہوا ہوگا اس لیے مسکراتے ہوئے اس کی طرف آیا۔ پچھلے کئی دن کی روزانہ کی ملاقات کی وجہ سے وہ باقی لوگوں کی طرح اس سے بھی بے تکلف ہو چکا تھا۔ کیونکہ سارا دن لور لور پھرنے کے بعد جب بھی کبھی وہ آفس میں آتا تو اس کا زیادہ وقت اسی سیکشن میں گزرتا تھا۔

''غور و خوض کیا۔ وہ تو میں نے لکھ بھی لیا۔'' بے ساختہ اس کے منہ سے ایک غلط بات نکل گئی۔

''اچھا۔'' اس نے غور سے اسے دیکھا۔'' لاؤ دکھاؤ۔ میں بھی دیکھوں کہ کریش ڈائٹ کے بجائے

کیا تجویز کیا ہے تم نے۔ میری اماں کو آج کل خاصی ضرورت ہے کسی آسان سے پروگرام کی۔'' وہ بے حد بکواسی بھی تھا۔

''نن۔نہیں۔'' اس نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ دیکھا۔ ''میں خود دیکھ لوں پہلے۔ میری لکھائی بھی بڑی فضول ہے اور مجھے ٹائپنگ وغیرہ کا شوق نہیں۔ نعیم وغیرہ کو سخت مغز ماری کرنا پڑتی ہے میرے آرٹیکلز پر۔'' اس نے ٹائپنگ اسٹاف کی تکلیف کا بہانا پیش کیا۔

''اچھا!'' اس نے بڑھا ہوا ہاتھ پیچھے کیا اور ہنس دیا۔ ''خیر ویسے ہی بتا دو۔ کیا لکھا ہے، پھر وہ گھوم کر اس کی پشت پر آ کھڑا ہوا۔ صاف کاغذ جس پر صرف ایک پیراگراف بعنوان ''کریش ڈائٹنگ ڈی میرٹس'' لکھا ہوا تھا عین اس کے سامنے پڑا تھا۔

''سب کچھ میرے ذہن کے کمپیوٹر میں فیڈ ہو چکا ہے۔ بس قلم چلنے کی دیر ہے۔ کھٹا کھٹ الفاظ نکلتے چلے جائیں گے۔'' اس نے بے اختیار کاغذ سمیٹ کر ایک طرف رکھتے ہوئے اپنی بات کو سنبھالا دیا۔

''اور پھر وہ ذاتی پروف ریڈنگ۔'' وہ ہنستا۔ ''خیر ہمیں کیا جی۔'' اس کی پشت سے نکل کر وہ پھر سامنے آیا۔

''البتہ اطلاعاً عرض ہے کہ مڈ ویک میگزین پرسوں آئے گا۔ ہم نیوز رپورٹرز تو مفت میں بدنام ہیں کہ آخری وقت میں اسٹوریز دینے کی عادت سے مجبور ہیں یہاں تو آوے کا آوا ہی۔ اور سناؤ منان صاحب، بہت دن ہوئے تمہیں کچھ کہے ہوئے کیا بات ہے یار۔'' ادھوری بات چھوڑ کر وہ عبدالمنان سے مخاطب ہوا۔

کچھ سن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو
سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

عبدالمنان نے انگلش کے علاوہ اردو ادب میں بھی ایم اے کر رکھا تھا اور موقع بے موقع شعر پڑھنا اس کی عادت ثانیہ تھی۔ اس وقت بھی حسب عادت اس نے زعیم کے جواب میں شعر سنا دیا تھا۔

ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خاموشی
کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ہو

جواب میں زعیم بھی باآواز بلند شعر سنا کر داد وصول کر رہا تھا اور کمرے میں شور سا مچ گیا تھا۔ اسے اردو شاعری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ مگر ڈرامے کرنے کی وہ ماہر تھی۔ سو اس طرح اس داد دیتے شور مچاتے ہجوم میں شامل ہوئی کہ کسی کو شک بھی نہیں ہوا کہ اس کے پلے کچھ نہیں پڑا۔



اسے معلوم تھا کہ ماما اس کی بہت سی عادتوں سے بیزار تھیں۔ اور ان کو اس کے بہت سارے کیے کام بھی سخت ناپسند تھے۔ ان میں سے ایک کام لندن چھوڑ کر بھاگنا اور پھر یہاں آ کر یہ اخبار جوائن کرنا بھی تھا۔

مگر وہ اس کا بھی کچھ نہیں کر سکتی تھیں وہ خود اپنی عادتوں سے مجبور تھی اور اس کے علاوہ اپنے ذہن کی اس کشمکش کے ہاتھوں بھی جو کبھی تو اسے ماما کی طرف کھینچتی اور کبھی اس کے مخالف ماما کی سائیکالوجی بھی عجیب اور ناقابل فہم تھی۔ اس کے ساتھ ان کا رویہ تو ہمیشہ سے ہی ایسا تھا۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھیں کہ وہ ان کی توجہ اور محبت کی طالب ہے وہ اپنی محبت اور توجہ کو جانور سدھانے والے کی طرح استعمال کرتی تھیں۔ ہاتھ میں محبت کا دانہ پکڑ کر آ کرتیں اور جب وہ لپک کر اس دانے کی طرف بڑھتی تو ہاتھ میں پکڑا دانہ لفافہ میں ڈال کر ہاتھ پشت کی طرف کھینچ لیتیں۔ پہلے مینا کی طرح پھدک پھدک کر سیڑھیاں چڑھو، پہلے بھالو کی طرح ڈانس کرو، شیر کی طرح دُم ہلاؤ۔ پھر دانہ ملے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ اسے یہ سب نہیں کہتی تھیں۔ مگر محبت اور توجہ کا دانہ ڈالنے سے پیشتر کڑی شرائط پیش کرتیں۔

''ہاں، میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں، کروں گی۔ لیکن پہلے تم غیاث کو، اپنے ڈیڈی کو، ڈیڈی کہا کرو گی پھر۔''

''ہاں، میں نے تم کو مس کیا۔ مگر کتنا۔ یہ سننے سے پہلے وعدہ کرو کہ تم غیاث سے مس بی ہیو نہیں کرو گی۔''

''میں تمہیں اپنے ساتھ فلاں جگہ لے جاؤں گی مگر تم کو پہلے رشنا کی طرح اپنی سوسائٹی اور اس کے سیٹ اپ کو ویلکم کرنا ہوگا۔''

''میں تمہیں اپنے ساتھ بلا کر رکھوں گی۔ مگر پہلے تمہیں میری بات ماننا ہوگی۔ سلمان تم سے شادی کرنا چاہتا ہے اور تمہارے ڈیڈی کی بھی یہی خواہش ہے تمہیں اس سے شادی کرنا پڑے گی۔'' ان کی تازہ ترین فرمائش یہ تھی اور اسی فرمائش نے اسے لندن سے ایک اچھے مستقبل سے اکھاڑا تھا۔

''نہیں۔ ہرگز نہیں۔'' اس نے یہ بات سن کر چلا کر کہا۔ غیاث الدین شیخ کو دل پر پتھر رکھ کر ڈیڈی کہنا بھی ممکن تھا گو وہ اس خود ساختہ Identity crisis میں بھی اسی وقت مبتلا ہوئی تھی جب ماما نے اس کے اسکول فارمز پر لیلیٰ سعید الدین کے بجائے لیلیٰ غیاث الدین لکھوایا تھا۔ ''ناموں سے کیا فرق پڑتا ہے۔ باپ وہی ہوتا ہے جو سر پر موجود ہو اور بچے کو چاہتا بھی ہو۔'' ماما نے اس کے بچکانہ احتجاج پر جھڑک کر کہا تھا۔ ''کون سر پر موجود ہے اور کون بچے کو چاہتا ہے۔'' اس نے کافی عرصے کے بعد ایک بار سوچا تھا۔

ٹھیک ہے وہ جو کبھی کبھار موڈ نہ ہونے پر اپنے اندر کی محرومیوں کے ردعمل کے سبب غیاث الدین صاحب سے گفتگو نہیں کرتی تھی، خود پر جبر کر کے ماما کے حکم کے مطابق ویل بی ہیو (اچھا برتاؤ) کر سکتی تھی۔ صرف اور صرف محبت اور توجہ کے اس دانے کی خاطر جس کا لفافہ ماما اسے دکھا دکھا کر پشت کی جانب کر لیتی تھیں۔

''چلو یہ بھی کچھ اتنا ناممکن نہیں تھا کہ وہ باوجود طبیعت کے فرق کے مجبوراً رشنا کی طرح اس سوسائٹی اور اس کے سیٹ اپ کو خوش آمدید کہہ سکتی تھی۔ حالانکہ رشنا کی بات اور تھی۔ اسے شروع ہی سے اسی قسم کے

شور ہنگامے پسند تھے۔ وہ لوگ بھی جو یہ شور ہنگامہ مچاتے تھے۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی حقیقت یہ تھی کہ رشنا اصل رشنا غیاث الدین تھی۔ اس کی طرح یونہی قسمت کی وجہ سے لیلیٰ غیاث الدین نہیں تھی۔ اسے جگہ جگہ اس قسم کی باتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ ''اچھا یہ لیلیٰ ہے جو غیاث الدین کی بیوی کے پہلے شوہر سے ہے دیکھو کتنا اعلا ظرف اور وسیع القلب ہے غیاث کس طرح اس نے اس کو اپنی بیٹیوں کی طرح رکھا ہوا ہے۔ کہیں کوئی فرق لگتا ہے۔ ایک اس کا اپنا باپ تھا ڈھائی سال کی تھی جب چھوڑ کر بھاگ گیا۔'' اُف اس کے اعصاب تن جاتے تھے اور رگیں کھنچ جاتی تھیں۔ مگر پھر بھی محبت ہاں اسی محبت اور ماما کی قربت کی خاطر وہ ان فضول لوگوں سے ملتی اور وہ انتہا سے زیادہ ناپسندیدہ فنکشنز اٹینڈ کرتی تھی۔

مگر یہ تازہ خواہش۔ سلمان سے شادی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس نے کہا تھا۔

''میں وہ دانہ دانہ محبت چگنے کے لیے اپنی پوری زندگی کو داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ کم ظرف اور تنگ دلی کو خوش دلی اور اعلاظرفی سے برداشت کرنا اب میری ہمت سے باہر ہے خصوصاً سلمان جیسے شخص کے لیے، اتنا حوصلہ اور ہمت میں نہیں کر سکتی۔ اسے یاد تھا کہ کس طرح سلمان نے جگہ جگہ عمر بھر اس کا پیچھا کیا تھا۔ اسے عمر بھر زچ کیا تھا اور کس طرح وہ اس کے سائے سے بھی دور بھاگتی پھرتی تھی۔ فرار، فرار اور فرار حاصل کرتی رہی تھی۔ اگر اخلاقی اور روایتی پابندیاں نہ ہوتیں تو وہ کب کا اس کے ہاتھوں شوٹ ہو چکا ہوتا۔ کم از کم زندگی میں کئی بار وہ اس کا منہ تو ضرور نوچ چکی ہوتی۔

''سلمان میں کیا برائی ہے بھئی؟'' ایک بار صبا نے کہا تھا۔ ''اچھا خاصا اسمارٹ اور ڈیشنگ بندہ ہے۔ اتنا ایجوکیٹڈ ہے۔ سب سے بڑھ کر پیسہ بڑا ہے اس کے پاس۔ لندن کے پوش ترین علاقے میں رہتا ہے۔ دُنیا اس کے قدموں تلے ہے۔ لیلیٰ تمہیں اور کیا چاہیے۔''

''اسے اور کیا چاہیے تھا۔'' اس نے خود سے پوچھا۔ ''کچھ بھی نہیں۔'' مگر جو کچھ سلمان تھا اسے وہ بھی نہیں چاہیے تھا۔ وہ سلمان ہی تھا جس نے سب سے پہلے اس کے باپ کو مغرور، بے وفا اور ظالم کہا تھا۔ اسے بے چاری، یتیم اور بے سہارا کہا تھا۔ یہ سلمان ہی تھا۔ اسکول کے زمانے میں بھی وہ اس کو ذہنی طور پر بیمار قرار دیا کرتا تھا۔ اور جب وہ کالج میں تھی اس وقت بھی اس نے ہی یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ سب کچھ میسر ہونے کے باوجود لیلیٰ کو ایک ایسا احساس کمتری مارتا ہے جو اس کو وراثت میں اپنے باپ سے ملا تھا۔ آپ ہر چیز کا علاج کر سکتے ہیں مگر وراثت میں ملی ہوئی چیزوں کا نہیں، بیماری ذہنی ہو یا جسمانی ہو موروثی بیماری کا علاج ناممکن ہے اور پھر جب معاملہ Inherited Inferiorty Complex کا ہو تو پھر تو سمجھیں ہر علاج بے کار جائے گا۔''

''کمینہ، کروک، راسکل۔'' وہ شروع سے ہی اس کو دل میں گالیاں دینے کی عادی تھی۔ سو دیتی رہی۔ اور پھر جب وہ یہاں کے لوگوں کے رویوں سے فرار حاصل کر کے شینا آنٹی کے پاس لندن گئی تو اس کا خیال تھا کہ کیونکہ سلمان اپنے بزنس میں بُری طرح غرق تھا لہٰذا اس سے ٹکراؤ کا سوال ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر اسے

معلوم نہیں تھا کہ وہ اپنی ساری مصروفیات چھوڑ کر ایک بار پھر اس کا پیچھا لے لے گا۔ اب کی بار اس کا انداز اور رویہ بالکل بدل چکا تھا۔ اس کے معمولات کے سلسلے میں ہر قسم کی سہولت کی پیشکش، ہر جگہ سائے کی طرح اس کا پیچھا۔ اور پھر جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے پیچھے کس خواہش کا دخل ہے تو وہ بدک گئی۔'' اور میں تو یتیم تھی۔ بے چاری تھی۔ موروثی طور پر احساس کمتری کا شکار اس نے کہا تھا۔

''فارگیٹ اِٹ (اسے بھول جاؤ) دراصل انسان بہت کچھ وہ کہتا ہے جو اردگرد سے سنتا اور محسوس کرتا ہے۔ جب حقیقت جان لیتا ہے تو پھر اپنے نظریے بدل لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ سو میں بھی مجبور ہو گیا ہوں۔'' اس نے کہا تھا۔

''کیوں آخر کیوں؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''بھئی تمہاری ماما اور سلمان کے بزنس کانٹریکٹس ہیں۔ رشنا تو ابھی چھوٹی ہے اور تم۔'' شینا آنٹی اس کی مدد کو ہمیشہ کی طرح آئیں۔

''اچھا!'' اس نے سمجھتے ہوئے کہا اور پہلی فلائٹ جو اسے میسر آئی سے فرار حاصل کر کے لاس اینجلس صبا کے پاس پہنچ گئی۔ اور وہاں پر ہی کچھ دن بے حد اپنا اور اپنی پوری زندگی کا تجزیہ کرنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ دراصل اس تمام عمر کی بے چینی اور بے سکونی کے پیچھے اصل وجہ یہ تھی کہ وہ خود اپنے گھر اور ماحول میں اجنبی تھی۔ اگر یہ سب اس کے اپنے باپ کی محبت سے حاصل ہوا ہوتا تو بات کچھ بھی نہیں تھی۔ اس کے لاشعور میں موجود یہ بات ہر دم اس کو بے چین کیے رکھتی تھی کہ اس کا باپ زندگی کی اس تگ و دو کا ساتھ نہ دے سکا اور ناکام ہو کر دنیا سے منہ موڑ گیا اور وہ سب جو ماما کے پاس تھا اس پر اس کا اپنا کیا حق تھا۔ ہاں۔ اگر ماما صرف اس کے لیے یہ جدوجہد کرتیں اور یہ سب بقول ان کے انہوں نے جو اسٹیٹ اور ایمپائر بنا رکھی تھی، بناتیں تو بھی ٹھیک تھا۔ پھر اس کی شخصیت میں یہ تضاد نہ ہوتا۔ مگر وہ سب جو غیاث انکل کی وجہ سے ان کے تعلقات اور ان کی ڈیلنگز کا نتیجہ تھا اس میں ماما بے شک اب برابر کی حصہ دار ہوں تو بھی اس سب سے اس کا اپنا کوئی تعلق نہیں تھا۔ مس لیلیٰ غیاث الدین۔ یا پھر مس لیلیٰ سعید الدین۔ یہ ہی سارا گھپلا ہے۔ میری ساری پریشانیوں کا باعث۔ لیلیٰ غیاث الدین۔ میرا نام تو معتبر ہو گیا۔ دنیا کی نظروں میں مگر اس معتبری نے میری ماں مجھ سے چھین لی۔ اب وہ میری ماں سے زیادہ مسز غیاث الدین ہیں۔ کامیاب بزنس ویمن جن کی اپنی ایک بزنس ایمپائر ہے۔ اب وہ غیاث الدین شیخ کی خوشنودی کی خاطر مجھ سے زیادہ رشنا غیاث الدین کی ماں ہیں۔ اور میں تو صرف ان کا ایک بے ضرر سا ہتھیار ہوں۔ اتنا بے ضرر کہ اس کی ضرورت بھی کبھی کبھار ہی پڑتی ہے۔ گویا ثابت ہوا ہے کہ میں اس ماحول اور اس تام جھام سے متعلق نہیں ہوں۔ میری جڑیں کہیں اور ہیں اور انہی کو تلاش کرنا میری اگلی ترجیح ہو گی۔''

''یہ سب بکواس ہے۔'' اس وقت بھی صبا نے کہا تھا۔ ''خواہ مخواہ تم کو خود آگاہی کے دورے پڑ رہے

ہیں۔ دراصل آج تک تم کو سب کچھ آسانی اور سہولت سے ملتا رہا ہے جب ہی تمہیں فرصت اور خوشحالی کا کوئی اور مصرف نہیں ملا تو تم کو یہ نام نہاد Identity Crisis (اپنی شناخت کے بحران) نے آن گھیرا ہے۔'' صبا لوگوں کے پرابلمز کا تجزیہ بڑی بے رحمی سے کیا کرتی تھی۔ ''تم مان لو کہ اب جو بھی ہوا تم سب لوگوں میں لیلیٰ غیاث الدین ہی کے نام سے جانی جاتی ہو۔ اسی نام سے جانی جاتی رہو گی۔ دوسری بات یہ کہ خواہ یہ تمہارے لیے کتنا ہی ناپسندیدہ ہو مگر جن سہولیات کی تم عادی ہو چکی ہو، ان کے بغیر رہنے کا تصور بھی بہت مشکل ہے۔ تیسری بات بات یہ کہ ذرا اس بات کا تجزیہ بھی کر کے دیکھو کہ یہ تمہاری قسمت تھی جو تم لیلیٰ سعید الدین سے لیلیٰ غیاث الدین بن گئیں۔ سعید الدین صاحب کے ہاں تمہیں کیا ملتا۔ ایک ڈپریسنگ، روں روں کرتا مڈل کلاس بلکہ لوئر مڈل کلاس ماحول۔ زیادہ سے زیادہ تم میٹرک کر لیتیں۔ پھر تمہارا کسی اس سے بھی زیادہ ڈپریسنگ ماحول میں بیاہ ہو جاتا۔ خالص نیک پروینوں والی زندگی۔ ذرا عقل سے کام لے کر سوچو۔ جذبات سے نہیں۔ اور شکر کرو اس پر جو ہے اور اس پر جو نہیں ہو سکا۔''

''نہ ہوتا۔ بلا سے نہ ہوتا۔ یہ سب کچھ۔'' وہ پھٹ کر بولی۔ ''مگر کم از کم یہ Identity Crisis بھی تو نہ ہوتا۔ مجھے ماں کی محبت کے لیے ناپسندیدہ، شرمناک سمجھوتے تو نہ کرنے پڑتے۔ اور......سلمان جیسے گھٹیا اور کمینے شخص کے منہ تو نہ لگنا پڑتا۔ وہ بھی اپنی مرضی کے خلاف۔''

''تمہاری اس فرسٹریشن کی ایک سب سے زیادہ اور فوری وجہ تو یہ ہی ہے۔ چلو تم کچھ دن اس مسئلے سے چھٹکارا حاصل کرو۔ سلمان کے متعلق نہ سوچو۔ اس کے بعد ٹھنڈے دل سے غور کرنا سلمان میں کیا برائی ہے۔'' اب کے صبا نے ذرا نرمی سے سمجھایا۔

مگر جونہی وہ ایسا کرنے کی کوشش کرنے لگی سلمان جو کسی کام کے سلسلے میں دبئی گیا ہوا تھا وہاں سے بجائے لندن جانے کے سیدھا صبا کے ہاں پہنچ گیا۔ اور پھر مسلسل اس کے سر پر سوار۔ ادھر ماما کے ٹیلی فونز۔ اس کے جان کھانے لگے۔ ''سلمان سے ٹھیک طرح بی ہیو کیا کرو۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ ہاں ہاں میں آؤں گی جلد تمہارے پاس آؤں گی۔ مجھے بھلا تم کیوں یاد نہیں آتی ہو۔'' وہ ہاتھ میں دانہ پکڑے آ آ کرنے لگیں۔

''نہیں بھئی۔ اب یہ نہیں چلے گا۔ اِدھر اُدھر خود سے ہاتھ مارنا ہی پڑیں گے۔'' اس نے فوری فیصلہ کیا اور واپس لندن جا کر اپنا سامان باندھ کر اسلام آباد کی فلائٹ پکڑی۔ ماما اس کے اس طرح آ جانے پر سخت برہم تھیں اور پھر لاہور آ کر جب اس نے گھوم پھر کر کوشش کر کے اس اخبار میں نوکری کر لی تو وہ اور بھی برہم ہو گئیں۔

''تمہارا دماغ چل گیا ہے تمہیں معلوم ہے کہ یہاں کس قدر پریشر ہوتا ہے اخبار والوں پر۔ تمہاری وجہ سے میں اور غیاث کوئی بھی کسی قسم کی مشکل میں پھنسنے کو تیار نہیں ہیں۔'' وہ سخت غصے میں بولیں۔

''اور میں یہ نوکری چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' اس نے پہلی بار ماما سے اختلاف کیا۔

''اُتر جائے گا بھوت آہستہ آہستہ۔ جذباتی ہو رہی ہے۔'' غیاث انکل نے ماما کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔ مگر بھوت تو کیا اُتر سکتا تھا۔ اس بار تو اس کے ارادے ہی کچھ اور تھے۔ وہ خود کو ایک مستقل شخصی بحران سے نکالنے کی نیت لے کر لوٹی تھی اور اس کے لیے سرگرداں تھی۔

☆

اس روز اس کا ارادہ اپنا تازہ آرٹیکل مکمل کر کے ہی اُٹھنے کا تھا۔ مگر باقی سب لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ زیبا کسی تازہ میوزیکل کنسرٹ کی رپورٹ لکھ رہی تھی اور اس سے اردگرد سب کو مطلع کرنا اپنا فرض سمجھ رہی تھی۔ عبدالمنان اپنے کام سے فارغ ہو کر شاعری سنانے پر تلا بیٹھا تھا اور زعیم، زین کے قریب بیٹھا اس کے کان میں نجانے کون سی معلومات انڈیل رہا تھا کہ وہ دونوں ہر تھوڑی دیر بعد زوردار قہقہہ لگاتے اور ہاتھ پر ہاتھ مار رہے تھے۔ وہ اس شوروغل سے جھنجلا گئی۔

''مجھے سب معلوم ہے زعیم!'' شیری نے اپنے آرٹیکل کا آخری ٹائپ شدہ کاغذ نکال کر ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری اور زین کی یہ ملی بھگتیں تم دونوں کو کیا فائدہ پہنچا رہی ہیں۔''

''اچھا جی۔'' زین نے باآواز بلند جواب دیا۔ ''یہ تم نے انویسٹیگیشن کا شعبہ کب سے سنبھال لیا۔''

''میں نے تو خیر کیا۔ یہ زعیم سخت خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔ اس کو ذرا قابو میں کرنے کی ضرورت ہے۔'' اس نے جواباً اس سے بھی بلند آواز میں کہا۔ ''مجھے پتا ہے یہ سارا دن لور لور پھر کر تمہیں جو کچھ چھپے سنا جاتا ہے جس میں ستر فیصد اس کی اپنی کہانی ہوتی ہے جو اس نے تھوڑی سی بات سن کر خود اخذ کی ہوتی ہے۔ اس پر تم کیا فٹافٹ ایک عدد رائٹ اَپ تیار کر لیتے ہو اور تم جو اونچی اونچی محفلوں میں شریک ہو کر بالکل جھوٹی افواہیں اُڑا کر اس کے حوالے کرتے ہو یہ سارا کس کی گڈ بکس میں آنے کے لیے ہو رہا ہے۔ میں سب جانتی ہوں۔''

''چنگا فیر وسو تے ذرا کدی گڈ بکس وچ'' (اچھا ذرا بتاؤ تو کس کی گڈ بکس میں) زعیم نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔ ''پریشان مت ہو زین۔ یہ صرف ذرا ہوشیار نظر آنا چاہتی ہے۔'' وہ جس فراٹے سے مختلف زبانوں کی پٹریاں بدلتا تھا اس پر لیلیٰ اکثر حیران رہ جاتی تھی اور اس وقت بھی اس نے سر اُٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

''اور ہاں میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس وقت تم لوگ کیا ایک دوسرے کو سنا رہے ہو۔'' شیری نے اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

''اس وقت تو ہم صرف اس نئے آرٹیکل پر بحث کر رہے ہیں جس کا عنوان ہے Where Does The Difference lie. (فرق کہاں موجود ہے)'' زین نے اپنے سامنے رکھے کاغذ ہلاتے ہوئے کہا۔ ''بس ذرا مشرق و مغرب کی ترقی و تنزلی کی صورت حال پر ڈسکشن ہو رہی تھی اور کچھ نہیں۔ یہ زعیم البتہ میرا ہر

پوائنٹ ریجیکٹ کر رہا ہے۔ اس کے نظریات تمہیں پتا ہے بے حد نا قابل فہم ہیں۔''

''بدل لو، بدل لو بات۔'' زیبا نے شیری کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں کہا۔'' ویسے کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ فرق کہاں موجود ہے۔''

''میرے خیال سے تو ترقی کے ضمن میں جن ضرورتوں کا ذکر آتا ہے، اس میں پرانے نظریات اور گھسے پٹے تجربات سے چمٹے رہنے کی ضد انتہائی حماقت ہے۔ اس سلسلے میں وہاں سے کچھ سیکھ لینے کو اندھی تقلید وغیرہ کہنا بھی غلط ہے۔ اس میں فرق باقی نہیں رہنا چاہیے جبکہ زعیم کا اپنا نظریہ ہے۔ یہ کہتا ہے کہ سیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن ہم لوگ سیکھتے سیکھتے جب اپنی شناخت کھو بیٹھتے ہیں مصیبت وہیں پر آتی ہے۔ کیوں زعیم۔''

''بالکل وہیں پر آتی ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ہم لوگ حقیقی ترقی کے اصول وہاں سے سیکھتے ہی نہیں جو سیکھتے ہیں، وہ بہت کم ہیں۔ اور سیکھنے پر آجائیں تو یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم مشرق کی نمائندگی بہر حال کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس مشرق کے اصلی تے وڈے Notion ماحول......کو بھول جائیں گے تو پھر Where Would Difference Lie (فرق کہاں باقی رہ جائے گا)''

''اتنے برس بلکہ ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی ہمارے خیالات جامد پانی کی طرح ایک جگہ کھڑے ہیں۔'' لیلیٰ جو بہت دیر کی کوشش کے باوجود ایک لفظ بھی نہیں لکھ پائی تھی اس گفتگو میں کود دی۔'' آج سے تقریباً ایک صدی پہلے سر سید احمد خان نے برصغیر کے مسلمانوں کی ترقی کی خاطر جو بیج بویا تھا، وہ بہت تھوڑا پھل دینے کے بعد سوکھ کر گرنے کے قریب ہے۔ ہم اب تک مشرق، مشرق لیے بیٹھے ہیں اور وہ لوگ جو ہم سے ہی سیکھ کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے۔ سو کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے آگے بھاگ رہے ہیں۔''

''یہ ہی تو۔'' اس نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔'' یہ ہی تو مصیبت ہے۔ سر سید لندن جا کر وہاں پر رائج طریقہ تعلیم سیکھ کر آئے تھے۔ جو ان کے خیال میں ترقی کا اصل راز تھا۔ اور پھر یہاں آ کر انہوں نے کیا کیا۔ چندے جمع کر کر کے ایک ایسا ادارہ کھولا جو مسلمانوں کی ترقی کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنا۔ اور اب کیا ہے۔ ہمارے ہاں ڈھیروں پر ڈھیر ادارے ہیں۔ گرائمر اسکولز ہیں جو وہاں کے نظام تعلیم کے مطابق ہیں۔ مگر کس لیے۔ اس لیے نہیں کہ تعلیم کو عام کیا جائے۔ ٹیلنٹ کو آگے لایا جائے۔ بلکہ صرف اس لیے کہ دونوں ہاتھوں بلکہ دونوں پاؤں سے بھی ممکن ہو تو کمایا جائے اور وہ بھی کس کے لیے صرف ایک مخصوص مستحکم طبقے کے لیے نہیں بھئی نہیں اس ضمن میں بے چارے مرحوم و مغفور سر سید احمد خان کی مثال دی ہی نہیں جا سکتی۔ اور اس کے علاوہ اصل بات یہ ہے کہ ہم طریقہ تعلیم اور طریقہ ترقی کی بات تو کر بھی نہیں رہے۔۔ میں تو اس ثقافتی یلغار کی بات کر رہا ہوں جو ہمیں دن بدن اپنی گرفت میں لے رہی ہے۔ ہم اپنا رنگ، نسل، خوشبو، روایات، تربیت، ماحول سب کچھ فنا کرتے چلے جا رہے ہیں اس ثقافتی یلغار کی یورش میں، زبان ان کی،

لباس ان کا، آرٹ ان کا، ذریعہ تعلیم ان کا، ہمارا کیا ہے، ہم کون ہیں۔ فرق کہاں ہے؟ ہم مشرق کو کس مثال کے ساتھ بیان کریں گے۔''

''سب تعصب ہے، لیلیٰ نے لاشعوری اختلاف کیا۔'' ہمیں مان لینا چاہیے کہ آج اس وقت جو کچھ ہمارے پاس تھوڑا بہت ترقی کے نام پر ہے وہ اسی ذریعہ تعلیم کی وجہ سے ہے۔ ہمارے سائنسدان، مشہور و معروف ڈاکٹرز انجینئرز، آرکیٹکٹس اور مشہور استاد یہ سب اپنے اپنے مقام تک کیسے پہنچے ان میں سے اکثر یورپ کی یونیورسٹیوں اور کالجوں کی پیداوار ہیں۔ کوئی بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور پھر جہاں تک لباس، زبان اور کلچر وغیرہ کا تعلق ہے، تم اس پر یوں بات کرتے ہوئے جچتے نہیں۔ اگر یہ سب اتنا ہی برا ہے تو تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ تم نے جو یہ گھسی ہوئی جینز پہن رکھی ہے، یہ جو تم ایک لیڈنگ انگریزی نیوز پیپر کے بقول اپنے لیڈنگ نیوز رپورٹر ہو ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا تم اس ثقافتی یلغار کے شکار نہیں ہوئے۔ اگر ہو تو پھر یہ قول و فعل میں تضاد ہوا نا۔''

''ہیر، ہیر لیلیٰ۔'' عبدالمنان نے اس کو بک اپ کیا۔

''واقعی ہیر ہیر لیلیٰ۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''مگر میں نے اپنی بات ابھی مکمل نہیں کی تھی۔ میں نے خود کو اس اجتماعی ذکر سے علیحدہ...... ہرگز نہیں کیا تھا۔ پھر بھی میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ ہم دوسری تہذیبوں سے کچھ باتیں سیکھ لیں، مگر اپنے کردار کو اس یلغار میں ضم کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ امریکن طرز زندگی کے رسیا ہم لوگ کیسے بتا سکیں گے کہ مشرق کہاں ختم ہوتا ہے، مغرب کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ یہ لباس۔'' اس نے اپنی شرٹ ذرا سی کھینچی۔ ''اور یہ زبان۔'' اس نے اخباروں کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ سب بھی اگر اپنی حدود میں رہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ اس سلسلے میں اگر یہ کہا جائے کہ وہ قومیں اگر تہذیب کے فرق کو ہماری طرح نہیں مانتیں تو ہمارے لباس اور زبان کو کیوں نہیں اپناتیں۔ ان کے ہاں ہمارا نظریہ کیوں غلط ہو جاتا ہے۔ جرمن، فرنچ اور ایسی ہی لیڈنگ غیر انگریز قومیں کبھی اپنی زبان چھوڑ کر انگلش کو اپنا ذریعہ اظہار کیوں نہیں بناتیں۔ وہ لوگ شلوار قمیض اور لنگی کو کیثر ویئل ڈریس کہہ کر کیوں نہیں اپناتے۔ ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم لوگوں کا ان سب چیزوں کو اپنانا تو ایک اضافی بات ہے ذرا سا Resist مزاحمت بھی نہیں کر رہے۔ ہم خود دل ہی دل میں نجانے کیوں اپنے قومی تشخص پر شرمسار سے ہوتے رہتے ہیں۔ جب ہمارے دل ایسے ہیں تو کردار کیا ہوگا۔ اس کے برعکس یہ ثقافتی یلغار ہر جگہ اپنا اثر بڑھانے کی کوشش کر رہی ہے۔ تازہ ترین مثال جاپان اور خود فرانس کی ہے۔ مگر وہاں پر لوگ اس کے خلاف مزاحمت کر رہے ہیں۔ وہ اپنا کردار کھو دینے کو ہرگز تیار نہیں۔ جاپان میں آج کل یہ سلوگن عام ہے کہ ایک جاپانی اس وقت تک بالکل صحت مند اور ہشاش بشاش رہتا ہے۔ جب تک وہ نیو یارک کی Consumer Society کا رکن نہیں بن جاتا۔ وہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ اس کا مقابلہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں لوگ فخر کے ساتھ اس کو اپناتے

ہیں اور جو نہیں اپنا سکتے وہ اپنا لینے والوں کو غلام سے نظر آنے لگتے ہیں۔ جینز شرٹ پہننے اور انگریزی بولنے والی لڑکی ہمارے عام لوگوں کو خود بخود آؤٹ آف ریچ (رسائی سے باہر) نظر آنے لگتی ہے۔"

اس نے ذرا غور سے لیلیٰ کے لباس کے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سب باتوں کی ایک بات یہ ہے۔" پھر وہ کمرے کے درمیان میں کھڑا ہو کر سب سے اجتماعی طور پر مخاطب ہوا کہ "مشرق و مغرب کا یہ مقابلہ جو عرصہ سے جاری ہے اس کے بارے میں اب یہ فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ دونوں کو کتنے فیصد حصہ ملنا چاہیے۔ مغرب کہاں ختم ہوتا ہے مشرق کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں فرق کہاں موجود ہے۔"...... اس نے زین کی میز کی طرف جا کر اس کے کاغذ اُٹھا کر کہا اور پھر مڑ کر اس کو دیکھا۔

"تم تقریر اچھی کر لیتے ہو اور الفاظ کے گھوڑے اتنے دوڑاتے ہو کہ اصل بات اگر بیچ میں نہ بھی آئے تو سننے والے کو پتا نہیں چلتا، ایک مخصوص سیاسی تقریر کی طرح جو سننے میں بھلی لگتی ہے مگر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بات تو کچھ بھی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ یہ کہ اس سوسائٹی کے بہت سے لوگوں کی طرح تم اپنے تعصبات کی گرفت میں جکڑے ہوئے ہو۔ اور ترقی کے لیے تعصبات زہر قاتل ثابت ہوتے ہیں جبکہ اعلیٰ تعلیم اور روشن خیالی ان چیزوں سے ماورا ہونی چاہیے۔" لیلیٰ نے اس کی لمبی تقریر کے جواب میں سکون سے کہا۔ گویا اس پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔

"واہ واہ۔" عبدالمنان نے عادتاً اس کو شاباش دی۔

"مگر شاید تم یہ نہیں جانتیں کہ اعلا تعلیم یافتہ، روشن خیال دانشور بھی اپنے قدیم لاشعوری تعصبات کے حصار کو نہیں توڑ پاتے۔ تعصبات ذہن میں جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ نسلوں کی جبلت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور شاید تم یہ نہ جانتی ہو کہ پرندوں کی طرح ہم سب اپنی اپنی جبلت کے پابند ہیں۔ اس کے آگے منطق ہتھیار ڈال دیتی ہے لیکن یہ شکست نہیں ہے۔ یہ ہی تعصب قوموں کا کردار بناتے ہیں مگر یہ بہت گہری اور لمبی بات ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے خاصے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اچھا بھئی خدا حافظ" وہ کمرے سے باہر نکلنے لگا۔

"مسٹر زعیم نیازی۔" شیری نے آواز دی۔ "تم اپنے تئیں جو بات ٹال چکے ہو، تمہیں اطلاع ہو کہ ٹلی نہیں آج شام کو تم۔ رحیم اللہ کی پریس کانفرنس میں جا رہے ہو وہاں پر تم سب سے ملاقات ہوگی۔ پھر بات کریں گے۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا اور باہر نکل گیا۔

"لگتا ہے بھئی ہمارے سیکشن میں سوائے باتوں اور تقریروں کے دوسرا کام کرنے کا رواج ہی نہیں رہا۔ سب ہی آرٹیکلز ڈیڈ لائن پر پہنچتے ہیں۔ کل کو کچھ مس بھی ہو سکتا ہے۔" رضوی صاحب نے اندر آ کر کہا اور زین سے اس کے آرٹیکل کے بارے میں کچھ پوچھنے لگے۔

"ایویں پنگے لیتا پھرتا ہے۔" شیری نے اُٹھ کر باہر جاتے ہوئے اس کے قریب رُک کر کہا۔

"تم خواہ مخواہ اس سے اُلجھ پڑیں، اس کے نظریات کو کوئی بدل نہیں سکتا۔"

کس کو ہے ذوق تلخ کامی لیکن
جنگ بن کچھ مزا نہیں ہوتا

عبدالمنان نے بلاوجہ شعر پڑھا اور بلاوجہ معنی خیز انداز میں لیلیٰ کی جانب دیکھا۔

"واہ واہ۔" اس نے اس کے بک اپ کا قرض اُتارا۔ یہ اور بات کہ اس کے پلے کچھ بھی نہیں پڑا۔



زعیم نیازی کے نظریات کٹر تھے یا نہیں۔ اس کا فیصلہ کیے بغیر وہ اس بات پر مصر تھی کہ مخالفانہ باتیں سن کر محض اس لیے انسان کو مبہوت ہو کر نہیں بیٹھے رہنا چاہیے کہ بات کہنے والا موثر دلائل اور فن تقریر کا ماہر ہے۔ اپنی بات کہہ دینے کی گنجائش ہر جگہ ہر ایک کے سامنے ہونی چاہیے۔ اپنے گھر کے اندر کے ماحول کے بالکل برعکس وہ باہر کے ماحول میں ایک ضدی، ہٹ دھرم اور اپنے موقف پر ڈٹی رہنے والی خاصی Vocal لیلیٰ غیاث الدین بن جاتی تھی۔

Let us pretend Laila (آؤ خود کو ظاہر کریں) وہ خود سے کہتی۔ کیونکہ دنیا ظاہر دیکھتی ہے اندر جھانک کر کون دیکھتا ہے۔" اور اسی لیے وہ جان بوجھ کر زعیم نیازی کی ہر بات کی مخالفت کرتی۔ اپنے حلقہ احباب میں وہ ایک دوسرے کے Arch Rival (بڑے مخالف) کے طور پر مشہور تھے۔ خود اسے حیرت ہوتی تھی کہ اس کی زعیم کے ساتھ کیسے ٹھن گئی تھی۔ مگر اسے اس کی ہر دل عزیزی اور دوسروں کو اپنی گفتگو سے مسحور کر لینے والی خصوصیات بھی اچھی نہیں لگتی تھیں۔ یہ سب صرف آفس تک ہی محدود رہتا۔ آفس سے باہر آ کر وہ وہاں ہونے والی ہر بات بھول جاتی کیونکہ وہاں سے باہر اس کی زندگی کے سارے حالات و واقعات ہی بدل جاتے تھے۔

ان دنوں وہ لاہور کی آرکیٹکچر ل ہسٹری (تاریخ فن تعمیر) پر ایک مضمون لکھ رہی تھی۔ اور اس سلسلے میں اور بہت سے لوگوں کے علاوہ اسے ایل ڈی والے کے ایک آفیسر سے بھی ملنا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ بہت سی دیگر باتوں کے دوران انہوں نے کہا۔" جن دنوں میں جین مندر رہا کرتا تھا۔" اس کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔" جین مندر۔" "وہ جگہ جو اس کی تلاش کا اصل نقطہ تھی۔" سر آپ کس زمانے میں جین مندر رہا کرتے تھے۔" اس نے فوراً سوال داغا۔" یہ ہی کوئی پندرہ سولہ سال پہلے کی بات ہے۔ اس زمانے میں وہاں کی عمارتیں اور گھر اس سے بھی زیادہ قدیم اور سحر انگیز تاثر لیے ہوتے تھے۔"

"جین مندر، جین مندر۔" اس کے ذہن میں یہ ہی لفظ گھوم رہا تھا۔ بہت کچھ دریافت کرنے کے لیے اس سے زیادہ موزوں شخص کوئی دوسرا مل ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ اس کو نہیں جانتا تھا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کا پس منظر کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ ایک اخبار کے مضمون کے لیے اس سے کچھ دریافت کرنے آئی

ہے۔ صحیح معنوں میں وہ اس سلسلے میں ایک بے ضرر سا انسان تھا۔ اس سے پہلے اس نے جس کو بھی وہ ایڈریس پکڑایا تھا۔ اس نے جواب میں اسے اس طرح دیکھا تھا۔ جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔ یہ وہ لوگ تھے جو اسے اچھی طرح جانتے تھے ان کا خیال تھا کہ اس کا اور جین مندر کی ان قدیم گلیوں اور عمارتوں کا کوئی تعلق بنتا نظر نہیں آتا تھا۔ اسی لیے وہ خاموش ہو جاتی مگر اب موقع خاصا سنہرا تھا۔

''سر'' یہ ایک نام ہے جین مندر کے رہنے والے کا۔'' اس نے بیگ سے چھوٹا پرزہ نکالا۔ وہ کئی بار خود جا کر دیکھ آنے کے باوجود ان پر پیچ گلیوں سے کچھ نکال نہ پائی تھی۔'' ان صاحب کے بارے میں اُن کے گھر کے بارے میں آپ کو کچھ علم ہے۔ مجھے ایڈریس چاہیے تھا وہاں کا۔''

''جین مندر'' انہوں نے عینک آنکھوں پر چڑھانے سے پہلے اسے غور سے دیکھا۔ سر ہلایا میں تھوڑا بہت جانتا ہوں۔ دراصل وہاں سے نکلے بھی تو خاصا عرصہ ہو گیا۔ ویسے آپ کو کس سلسلے میں تلاش ہے۔'' انہوں نے عینک کے اوپر سے جھانکا۔

''جی بس ان صاحب کے بارے میں معلوم کرنا تھا'' اس نے کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔

''میرے کچھ ایسے جاننے والے ہیں۔ جواب بھی ان علاقوں کی طرف رہتے ہیں میں پتا کروا سکتا ہوں۔ آپ یہ کاغذ چھوڑ جائیے۔ اور اگر کچھ اور تفصیلات ہوں تو وہ بھی میں پوری کوشش کروں گا۔'' اس نے شجرۂ نسب کی سیڑھیاں بنا کر کاغذ دوبارہ ان کو پکڑا دیا۔

''ویسے سر۔ یہ صاحب تو انتقال کر چکے۔ میرا مطلب ہے......He is Dead مگر ان کے کچھ اور عزیز وغیرہ اگر وہاں پر موجود ہوں تو۔'' اُٹھنے سے پہلے اس نے بے چارگی سے کہا۔ انہوں نے اُسے دیکھا جیسے اس کی ذہنی حالت پر شک ہو۔ وہ ایک ایسے شخص کی تلاش میں تھی جو اس دنیا سے جا چکا تھا۔

''اچھا جی۔'' انہوں نے میز پر اپنے سامنے رکھے کاغذ کو کیرم کی گوٹ کی طرح اسٹرائک کرتے ہوئے دور دھکیل دیا۔

''میں کوشش کروں گا۔'' ان کے لہجے میں وہ افسوس تھا جو کسی مصروف آدمی کو اپنا وقت ضائع ہو جانے پر ہوا کرتا ہے۔

اس روز وہ ماما کے ساتھ اپنی تازہ ترین جھڑپ پر سخت بے سکون تھی۔ ماما کا الٹی میٹم تھا کہ اگر اس نے سلمان کے بارے میں اپنا نظریہ اور رویہ نہ بدلا تو وہ کیا کرتی ہے۔ کس طرح زندگی گزارتی ہے۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ گویا بوجہ نافرمانی اپنی منقولہ وغیر منقولہ محبت وتوجہ سے عاق۔ شکر کہ ان کو اتنا خیال ضرور تھا کہ وہ منقولہ وغیر منقولہ جائیداد سے عاق کرنے کا اظہار انہوں نے نہیں کیا تھا۔

''مگر میں ہتھیار ڈالنے سے پہلے صرف ایک بار اپنی تلاش کا نتیجہ ضرور دیکھنا چاہوں گی۔ میں ایک بار اس دوراہے پر کھڑی ہو کر خود اپنے لیے فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں صرف اس لیے آنا چاہتی ہوں کہ میرا دل

چاہتا ہے کہ میں دیکھوں خود اپنے لیے ایک آزادانہ فیصلہ کرنا کیسا لگتا ہے۔''

اُس روز آفس جاتے ہوئے اس نے راستے میں سوچا۔

''جب تک یہ فیصلہ نہیں ہو جاتا کہ میرے لیے دوبارہ سے لیلیٰ سعید الدین بن جانا بہتر ہے۔ یا یونہی لیلیٰ غیاث الدین سے ایک مزید اَن چاہا لیلیٰ سلمان خان بن جانا اچھا ہے۔، اُس وقت تک میں ماما کے کسی الٹی میٹم کسی دھمکی سے مرعوب نہیں ہو سکتی۔ وقت بتائے گا کہ قسام ازل نے میرے لیے کیا لکھ رکھا ہے۔'' گاڑی پارک کرنے سے پہلے اس نے مصمم ارادہ کیا اور پھر گاڑی بند کر کے آفس کے اندر داخل ہوئی۔ اس کا ذہن پھر بھی اُلجھا ہوا تھا۔ اس نے شکر ادا کیا کہ اس وقت لفٹ میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں تھا۔

اور اس سے بڑھ کر دُکھ کا احساس کیا ہوگا کہ میری سگی ماں کو میری ذات سے ہر دم فائدے ہی فائدے چاہئیں۔ نقصان کا وہ تصور بھی نہیں کرنا چاہتی۔ خواہ فائدے کے حصول میں میری ذات کہیں فنا ہی کیوں نہ ہو جائے۔''

پشت سے سر ٹیک کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے۔ لفٹ رُکنے پر اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور ٹشو پیپر سے خشک کر کے باہر نکلی۔ اب وہ زندگی کے اسٹیج پر ایک نئے ڈرامے کے لیے تیار تھی۔ تمام تفکرات ذاتیات پیچھے رہ گئی تھیں۔

میگزین سیکشن میں داخل ہونے پر اس کی پہلی نظر اپنی ٹیبل کے قریب کھڑے زعیم نیازی کے پٹی بندھے سر اور ہاتھ پر پڑی۔

''ہیلو لیلیٰ۔ آج تم لیٹ ہو گئیں۔ کیا آج پھر گھڑی بند ہو گئی۔'' زیبا نے اسے دیکھ کر کہا۔

''میرے خیال سے تیس چالیس ہزار سے تو کیا کم ہو گی تمہاری گھڑی۔'' زعیم نے اس کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آج کل یہ ہی ریٹ ہے ناں ندیم! کرسچن ڈائر کا مارکیٹ میں، پھر بھی بند ہو جاتی ہے، اس کی وجہ تسمیہ بیان کی جائے۔''

''تمہیں کیا ہوا؟'' اس نے کچھ دیر ساکت کھڑے رہنے کے بعد اپنی جگہ سے ہلتے ہوئے اس کی کہی بات نظر انداز کر کے کہا اور اپنی سیٹ کی طرف بڑھی۔

''ٹٹ پجھ۔ (توڑ پھوڑ) بسلسلہ پجیر و کیس رپورٹ۔'' اس کے بجائے زین نے جواب دیا۔

''پجیر و کیس رپورٹ۔'' اس نے زیر لب دُہرایا۔

''وہی اسٹوڈنٹ لیڈر، پولیس، پجیر و پولیس مقابلہ قتل وغیرہ۔ بینک ڈکیتی شیکتی رپورٹ، جس کے پیچھے ہمارا شیر دل زعیم نیازی دن ورات خوار ہوتا پھر رہا ہے۔ اور جس کے بارے میں کچھ دن پہلے شیری نے اس کو وارن کیا تھا۔ اور جو بغیر کسی کانٹ چھانٹ اور کمپرومائز کے شائع ہو گئی تھی۔ تم نے تو پڑھی بھی تھی۔'' زین

نے جواب دیا۔

''ہاں۔ ہاں۔'' اس نے ذرا آگے کھسکتے ہوئے کہا۔ ''پھر کیا ہوا؟''

''پھر یہ ہوا'' ندیم نے اس کا پٹی بندھا ہاتھ بلند کیا۔

''زعیم صاحب بزعم خود ہیرو بننے کے چکروں میں تھے۔ شیر کے جبڑے سے رپورٹ نکال کر لائے تھے۔ کوئی ترقی شرقی کا امکان محسوس کر رہے تھے۔ لوگوں نے وہ ٹھکائی کی رات کو خواب دیکھنا بھی بھول جائیں گے اب موصوف۔''

''کن لوگوں نے؟'' اس نے براہ راست زعیم سے پوچھا۔

''وہی جن کے بارے میں لکھا تھا۔ ان کو پتا لگ گیا کہ یہ اسٹاف رپورٹر کون ہے بس پھر وہ تھے بائیس اور زعیم تھا ان کا فٹ بال۔'' عبدالمنان نے دانت نکوستے ہوئے کہا۔ ''ان لوگوں سے ماتھا ٹکرانا کوئی آسان کام ہوتا ہے کیا۔ زعیم تو اندرون سندھ والے واقعات کے بعد بھی نہیں سمجھے تھے۔''

''سارا قصور اس کالج یونیورسٹی ایجوکیشن کا ہے۔'' شیری نے کہا۔ ''یہ تعلیم، کتابیں، ان میں بیان نظریے انسان میں کاغذی شیر جیسی دلیری پیدا کر دیتے ہیں۔ آئیڈیلزم کے سلوگن لیے نوجوان ساون کے اندھے کی طرح ہرا ہرا ہی دیکھتے ہیں۔ مگر ہوتا کیا ہے۔ جو تعلیم وہاں سے حاصل کی جاتی ہے۔ اپنے خیال میں جو بڑے موتی چن چن کر اکٹھے کیے جاتے ہیں ان موتیوں کے لیے کوئی جوہری کبھی نہیں ملتا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد ہر شخص چھکا مارنے کی ہی خواہش کرتا ہے۔ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ ترپ کا پتا اس کے ہی ہاتھ میں ہے۔ اور وہ اسے چلانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہو پاتا۔ جو کچھ تعلیم ہمیں دیتی ہے اس معاشرے میں زندگی ہمیشہ اس کی نفی کرتی ہے۔ ہمارے اس صحافت کے پیشے کو ہی لے لو۔ یہاں Thought Control (فکر ونظر پر پابندی) کا رواج ہے۔ یہاں پر سیاستدانوں کی ایک بڑی تعداد موقع پرست بے اصول سیاستدانوں پر مشتمل ہے۔ اکانومی کے میدان میں Stateism پھل پھول رہا ہے۔ ایک بند ماحول جہاں سانس کو دل ترستا ہے۔ اس ماحول میں ہر کام اس میدان میں سمجھوتوں کے ساتھ کرنا پڑتا ہے۔ اپنے تئیں آپ معرکے مار رہے ہیں۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر آئیڈیلزم کے زیر اثر بگ فشز (بڑی مچھلیاں) پکڑ رہے ہیں۔ ہر وقت چوکنے، ہر وقت ایکٹو رہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں News Hunters (خبروں کے شکاری) مگر ہمیشہ ہوتا کیا ہے۔ آپ بڑی جانفشانی اور محنت کے ساتھ ایک حقیقت پر مبنی رپورٹ بناتے ہیں۔ آپ کی مشقوں کا ماحصل۔ اوّل تو وہ پریس میں پہنچنے سے پہلے ہی خرید لی جاتی ہے۔ یہ آمدنی کا ایک اضافی ذریعہ ہے۔ اور اگر شائع ہو جائے شومئی قسمت سے تو پھر یہ حال ہوتا ہے۔'' اس نے زعیم کی طرف اشارہ کیا۔ ''آزادی صحافت اور فکر ونظر سب نعرے ہیں کھوکھلی باتیں۔ ہمیں دن رات سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ کن پوائنٹس پر کھڑے ہو کر جھوٹ تخلیق کرنے پڑتے ہیں۔ اپنے ضمیر بیچ کر اپنے دل کی بات نوک قلم پر آنے

سے پہلے دبانی پڑتی ہے۔

اخبار بے شک آزاد ہی کیوں نہ ہو، سمجھوتہ بڑا یا چھوٹا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کرنا بہر حال پڑتا ہے۔ یہ ہی بات میں بہت دنوں سے زعیم کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میرا تجربہ بہت پرانا ہے۔ تم سب سے زیادہ میں اس دن سے یہاں موجود ہوں جب یہ آفس نہیں ہوتا تھا۔ کوئی علیحدہ سیکشن نہیں تھے۔ ہم لوگ ایک ہی جگہ بیٹھ کر کام کرتے تھے۔ میزیں جوڑ کر رات کو سونے کا انتظام ہوتا تھا۔ گرمی سردی کی شدت سے غیر محفوظ ان دنوں کا تجربہ بہت سچا اور کھرا تھا۔ اس وقت سے اب تک جو میں نے سیکھا زعیم کے گوش گزار کیا۔ مگر سینٹرلی ایر کنڈیشنڈ ویل فرنشڈ، پرسکون دفتر کے اس خوبصورت کمرے میں بیٹھے ہوئے انسان کو خواہ مخواہ ہی کچھ کر گزرنے کا شوق پیدا ہونے لگتا ہے۔ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر تم اخبار کو بڑے نام کا تحفہ دے بھی دو گے تو کیا ہوگا۔ جب بالا بالا معاملات طے ہونے کے بعد تمہاری رپورٹس فائلوں میں دبنے لگیں گی تو تمہیں ان زخموں اور چوٹوں کا شدت سے احساس ہونے لگے گا۔ زعیم کاش تم میری بات سمجھ لیتے۔ نظروں میں آنے سے تو بچ جاتے۔''

''تمہاری ساری باتیں درست بھی ہوں تو میں ان کو نہیں مان سکتا۔ جو انسان ان چھوٹے چھوٹے معمولی واقعات سے گھبرا کر مایوسی اور ناامیدی کا شکار ہو جائے وہ اپنے مشن میں فیل نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کی اسکیم اور اس کے پلان کی نفی کرتا ہے۔ میں زخمی ہوں، پھینٹا ہوا ہوں مگر میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میں لوگوں کو جھوٹی رپورٹس سے ڈرا کر کمائی کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ایک وقت میرا بھی آئے گا۔ وہ وقت جب مجھے مارنے والے میری سچی رپورٹس سے ڈر کر میرے آگے ہاتھ جوڑیں گے۔'' اس نے سکون سے کہا۔

''مگر تمہیں سخت تکلیف ہو رہی ہوگی۔ تم آفس کیوں آئے ہو۔'' لیلیٰ نے ذرا تفکر سے کہا۔ ''اور یہ کیا کسی نے اس پر احتجاج نہیں کیا۔ اس واقعے پر تو اخبار ایک دن بند ہونا چاہیے۔ میں اس Hooliginism (غنڈہ گردی) کے خلاف آرٹیکل لکھوں گی۔ تم آرام کرو۔ زعیم پلیز، مجھے تمہیں اس طرح دیکھ کر تکلیف ہو رہی ہے۔''

''ہاں زعیم، تم کیوں آئے ہو، چھٹی لے کر ریسٹ کرو۔'' زیبا نے بھی کہا۔

''چھٹی ریسٹ چھوڑو۔ یہ دیکھو کہ کیا پلٹا کھایا ہے آج مزاج نے۔'' وہ مسکرایا۔ ''منان یار کڈ اپنی بیاض وجوں کوئی چنگا جیا شعر۔ (اپنی بیاض سے کوئی اچھا سا شعر نکالو) Which could describe the situation (جو صورت حال کو بیان کر سکے۔'') وہ منان کی طرف مڑا۔ ''چلو، میں خود ہی نکالتا ہوں کچھ اپنے ذہن سے۔''

''شعر وغیرہ چھوڑو، یا تو اپنے ڈیسک پر جاؤ یا پھر گھر جاؤ آرام کرنے، مجھے تمہاری تکلیف کا سوچ کر وحشت ہو رہی ہے۔'' وہ بغیر اس کی بات سمجھے دوبارہ بولی۔

''اُف!'' اس نے بے یقینی کے عالم میں ماتھے پر ہاتھ مارا۔

درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے ہائے

کیا ہوئی ظالم تیری غفلت شعاری ہائے ہائے

''ایم آئی رائٹ منان۔'' (کیا میں نے درست کہا منان) شعر پڑھنے کے بعد وہ پھر منان کی طرف مڑا۔

''واہ کیا برموقع، برمحل شعر ہے۔'' صبا نے ہانک لگائی۔

لیلیٰ کو زعیم کی تکلیف پر تکلیف ہے وہ مخالفت کیا ہوئی۔''

''تم لوگ کسی بات پر تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔'' اس نے اب کے جھنجھلاتے ہوئے سر جھٹکا اور اپنے کاغذ گھسیٹے۔

''صاحب کہہ رہے تھے۔ لیلیٰ کا آرٹیکل ابھی تک نہیں پہنچا۔ اور کل جمعہ ہے۔ میں نے تمہاری میز پر دیکھا تو بس مکمل ہونے والا ہی معلوم ہوا۔ آخری لائنیں بطور مطالعہ علیحدہ صفحہ پر تمہارے لیے لکھ دیں۔ اگر مناسب لگیں تو شامل کر لینا'' وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

''تم نے'' اب حیران ہونے کی اس کی باری تھی۔ ''مگر کیوں اور کیا تمہیں معلوم ہے یہاں کی ہسٹری وغیرہ کے بارے میں۔''

''زعیم اور بہت کچھ ہونے کے علاوہ ایک اچھا کلچرل انتھروپولوجسٹ بھی ہے۔ لاہور کے کلچر کے بارے میں جاننے کا اسے بے حد جنون ہے۔ اسی لیے اس کو آرکیٹکچر کے بارے میں بھی معلومات ہیں تم اس سے مدد لے سکتی ہو لیلیٰ۔'' شیری نے ہمیشہ کی طرح متانت سے مشورہ دیا۔ ''وہ کیا کچھ ہے۔'' اس نے اُلجھ کر سوچا اور اسے دیکھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''مجھے یقین ہے کہ میری لکھی سطریں پڑھنے کے بعد تمہیں محسوس ہوگا کہ جیسے گویا یہ بھی تمہارے دل میں تھا۔ اچھا بھئی میں تم لوگوں کے حسب ہدایت چلا آرام کرنے دعا کریو کوئی ہور نہ ٹکر جائے۔ (دعا کرنا کوئی اور نہ مل جائے) پھر وہ مڑ کر سب سے مخاطب ہوا اور چلا گیا۔

جو کچھ اس نے لکھا تھا پڑھنے کے بعد اس نے جانا کہ واقعی یہ ہی اس کے دل میں تھا۔ اس نے بغیر کسی ردو بدل کے وہ آخری لائنیں آرٹیکل کے اختتام کے لیے گھسیٹیں اور آرٹیکل نعیم تک پہنچا دیا۔ اس روز وہ بہت عرصے کے بعد جلد فارغ ہوئی تھی۔ یقیناً اس میں تھوڑا بہت ہاتھ زعیم نیازی کا بھی تھا۔

''آؤ آج کہیں لنچ کرتے ہیں۔'' اس نے زیبا سے کہا۔ جو کسی بھی چیز سے زیادہ شام کو الحمرا میں ہونے والے کلچرل شو میں انٹرسٹڈ تھی۔

''مجھے ابھی مڈ وکی کے لیے گوئٹے انسٹی ٹیوٹ والے ڈرامے کی رپورٹ بھی بنانا ہے اور شام کے فنکشن کے لیے طاہر کو بھی ڈھونڈنا ہے۔ تم کسی اور کو ساتھ لے لو'' اس نے سر جھٹک کر جواب دیا۔

لیکن اس نے کسی اور کو ساتھ نہیں لیا۔ اور اکیلی ہی نکل آئی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس روز وہ ایک نیا اور قدرے ناقابلِ فہم منظر دیکھنے جا رہی ہے۔ فورٹ گرل میں مسالے دار باربی کیو ڈ چکن کے چھوٹے چھوٹے پیسز کرنے کے دوران بھی وہ اپنے خیالات میں مگن تھی۔ لیکن پہلا پیس منہ میں ڈالنے سے پہلے ذرا سا سر اُٹھانے پر اس کا سر گھوم کر رہ گیا عین اس کے سامنے کی ٹیبل پر ماما بیٹھی تھیں۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ وہ اکثر اپنے بزنس لنچ کے سلسلے میں ایسی ہی جگہوں پر آیا کرتی تھیں۔ اچنبھے کی بات یہ تھی کہ ان کے ساتھ ان کا کوئی بزنس پارٹنر نہیں بلکہ پٹی بندھے سر اور ہاتھ والا زعیم نیازی تھا۔ اس کا ہاتھ ہوا میں ہی رُکا رہ گیا۔

''ماما اور زعیم نیازی۔ کس سلسلے میں، کسی خبر کے سلسلے میں، کسی انٹرویو، کسی رپورٹ کے لیے۔ مگر کون سی خبر، کون سا انٹرویو، کون سی رپورٹ ہو سکتی ہے۔'' وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ ایک لمحے کے لیے اس کو خیال آیا کہ وہ اُٹھ کر ان کے پاس چلی جائے۔ مگر ایک تو وہ دونوں نجانے کون سی باتوں میں اس طرح مشغول تھے کہ اِرد گرد دیکھ لینے کی زحمت بھی گوارا نہیں کر رہے تھے۔ اور دوسرے اس کو یونہی خیال تھا کہ ماما اس کے وہاں جانے پر خوش نہیں ہوں گی۔ ان کو یہ بات قطعی پسند نہیں تھی کہ کوئی ان کے باہر کے معاملات میں ذرا بھی دخل دے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے دوبارہ سر اپنی پلیٹ پر جھکا لیا۔ کن اکھیوں سے گاہے گاہے ان کو دیکھنے پر اس کا ذہن صبح کی نسبت زیادہ اُلجھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد وہ دونوں اپنا کھانا اور باتیں ختم کر کے اُٹھے اور اِدھر اُدھر دیکھے بغیر آہستہ آہستہ اس کی نظروں سے دور جانے لگے۔ یہ بات اس نے خاص طور سے محسوس کی کہ ماما خاصی خوش تھیں۔

''نہیں وہ ماما سے نہیں پوچھے گی کہ وہ زعیم کے ساتھ وہاں کیسے آئی تھیں۔ البتہ زعیم سے ضرور پوچھے گی۔ بشرطیکہ وہ جواب میں کوئی لمبی کہانی سنانے نہ بیٹھ جائے۔'' اس نے فیصلہ کیا اور واپس آفس چلی آئی۔

اگلے کئی دن زعیم چھٹی پر رہا اور اسے کوئی نئی بات سننے کا موقع نہیں ملا۔ اس دوران وہ اپنے نئے آرٹیکل کے لیے اِدھر اُدھر سے معلومات اکٹھی کرنے میں بھی بہت زیادہ مصروف رہی۔ اور پھر اس کی قسمت کہ ان ہی دنوں سلمان پاکستان چلا آیا۔ اور سائے کی طرح اس کے تعاقب میں مصروف ہوا۔

''وہ آخر مجھ سے کیا چاہتا ہے۔'' اس نے تنگ آ کر ایک روز ماما سے براہ راست پوچھا۔

''تمہیں چاہتا ہے اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' اورنج جوس کے سپ لیتے ہوئے انہوں نے بے حد اطمینان کے ساتھ کہا۔

یہ لفظوں کا ہیر پھیر تھا یا قسمت کا۔ یہ وہی سلمان تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ ''مگر میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔'' اس قدر قطعیت سے جواب دینے سے پہلے اس نے زندگی میں پہلی بار کچھ نہیں سوچا۔

''مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم ابھی ناسمجھ ہو اور بے وقوف بھی۔ اپنے لیے اچھے برے کی تمیز کرنا تمہیں آ ہی نہیں سکتی۔ جبکہ مجھے دن رات، صبح و شام یہ فکر رہتی ہے کہ تمہیں کہاں کھپاؤں گی۔ جو تمہاری

عادت ہیں اور جس طرح تم روڈ اور ال منیرڈ رویوں کا اظہار کرتی پھرتی ہو، ایسے میں کون تمہاری طرف ہاتھ بڑھائے گا۔ یہ تو سلمان ہے جو تمہیں شاندار اور خوبصورت مستقبل دینا چاہتا ہے اور مجھے بھی ایسے ہی کلچرڈ اور ویل آف داماد کی ضرورت ہے۔'' اس کے لہجے کی قطعیت بھانپ کر وہ بھڑک اُٹھی تھیں۔

''کلچرڈ اور ویل آف۔ مائی فٹ۔'' وہ بھی جواباً چلائی۔ ''آپ کو ایسے ہی داماد کی ضرورت ہے نا تو پھر رشنا کی شادی کر دیں اس کے ساتھ۔ مجھے اتنا شاندار اور خوبصورت مستقبل نہیں چاہیے۔''

''بات سنو لیلیٰ۔'' اس کو کمرے سے باہر نکلنے کے لیے مڑتے دیکھ کر انہوں نے قدرے تحمل سے کہا۔ اگر تم مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہو، اگر تم چاہتی ہو کہ عمر بھر میں جو صرف تمہاری بہتری کی خاطر ہاتھ پاؤں مارتی رہی اس کا کچھ بدلہ میرے لیے پیدا کر سکو۔ اگر تم میرا سکون میرا اطمینان دیکھنا چاہتی ہو تو اس کی واحد صورت سلمان ہے۔ میں سلمان سے تمہارا یہ احمقانہ رویہ افورڈ نہیں کر سکتی۔ یہ میرے بہت سارے معاملات کا معاملہ ہے۔ اس کے برعکس تم کو اس سے انکار ہے تو جان لو کہ تم پھر تو کیا کرتی ہو، کیسے رہتی ہو، تمہاری زندگی اچھی گزر رہی ہے یا بری، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ میں پہلے ہی تمہاری خاطر بہت کچھ سہہ چکی ہوں۔ یہ آخری موقع ہے۔ تم میری بات مان کر مجھے، میری محبت کو، میری توجہ کو عمر بھر کے لیے خرید لو گی۔'' انہوں نے ہاتھ میں دانے کا لفافہ پکڑا اور اس کو چگنے کی دعوت دی۔

اس نے سر جھکایا اور خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

''ہمیشہ کی طرح یہ نہ کیا تو یہ ہو جائے گا۔ وہ نہ کیا تو وہ ہو جائے گا۔ ہر بات مشروط، ہر فیصلہ دباؤ کے تحت، نہ اپنے دل کی بات کرنے کی آزادی، نہ اپنی مرضی کے فیصلے کرنے کا اختیار۔'' اپنے کمرے میں آ کر اس نے سوچا۔ ''باہر جا کر میں آزادی، صحافت، آزادی اظہار گفتار کے نعرے مارنے والی لڑکی کے طور پر جاتی ہوں اور گھر کے اندر۔'' اسے پھر ماما کی گفتگو یاد آئی۔

''ارے لیلیٰ۔'' رشنا اندر داخل ہوئی۔ ''ابھی ابھی دیکھ کر گئی تو تم یہاں نہیں تھیں۔ کہاں تھیں اور کب آئی ہو؟'' وہ خاموش بیٹھی رہی۔

''اچھا بات سنو، کل اسلام آباد میں ایک بڑا زبردست فنکشن ہے۔ چلو گی۔ مجھے تو آصف نے فون بتایا سمجھو گیارہویں گھنٹے میں ورنہ میرا تو کل کے لیے کچھ اور ہی پروگرام تھا۔ میں نے سوچا کہ چلو پھر بھی لوں گی۔ تم چلو گی نا۔'' اس نے ذرا توقف کرتے ہوئے دریافت کیا۔ ''اصل میں یہاں پر تفریح کے مواقع بہت کم ہوتے ہیں۔'' حسب معمول بغیر اس کا جواب سنے وہ پھر سے شروع ہوئی۔

''اب ہوگا تو وہی جو اس روز تو نصلیٹ میں تحریمہ مٹھا نے ڈانسز کیے تھے، وہی وہاں بھی دہرائے جائیں گے۔ ایک دو یورپیکل گروپس اپنے وہی خصوص قسم کے منہ چڑھے نمبرز سنائیں گے اور بس۔ مگر یہ بھی غنیمت ہے۔ ورنہ ہم کیا کر لیتے۔ ایک تو یہاں ہر کسی کو کلچر، کلچر اور فوک کا مراق ہوا جا رہا ہے۔ چاہے اس کے

نام پر کتنی ہی گھٹیا سی چیزیں کیوں نہ برداشت کرنا پڑیں۔ مثلاً اس روز سیمی سے پوچھا کہ یہ جو تم قمیص تیری کالی اور نجانے کون سے پھولوں والی پر دھنا دھن سر دھنے جا رہی ہو کیا اس کی سمجھ بھی تمہیں کچھ آ رہی ہے تو پتا ہے کیا بولی۔ بولی یہ ہی تو کلچر ہے یہ ہی تو ہمارا اصل ہے وغیرہ، وغیرہ۔ اصل میں کلچر کا نعرہ بھی ان ووگ ہے۔ ورنہ یہ لوگ اور وہ جو رانی ہے نا آنٹی شیرازی کی وہ ایک روز مجھے کہنے لگی رشنا، تم گرمی کے نئے ڈیزائنز میں لاچہ کیوں نہیں انٹروڈیوس کرواتیں آفٹر آل لاچہ۔ ہمارے کلچر کا ایک حصہ ہے۔ پھر وہی کلچر۔ افوہ بھئی بور ہو گئے اب تو۔ ہا۔''

پھر اس نے اپنی بولتی ذرا کی ذرا روک کر گھڑی دیکھی۔

''دیر ہو گئی مجھے تو امریکن سینٹر جانا تھا۔ اچھا لیلیٰ تم پھر اسلام آباد چل رہی ہو کل، نہیں۔ اچھا بھئی تمہارا موڈ نہیں لگ رہا۔ جبکہ خالد چچا نے مجھے تو سخت تاکید سے بلایا ہے۔ میں تو ضرور جاؤں گی۔ او کے ٹیک کیئر۔'' پھر وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

یہ رشنا غیاث الدین تھی، اور وہ خاموش بیٹھی اس کی باتیں سنتی رہی تھی۔ ہمیشہ سے رشنا کی یہ عادت تھی وہ اپنی ہی کہے اور کہے جانے کی عادی تھی۔ نہ اسے مخاطب کے ردعمل اور موڈ کی فکر ہوتی تھی نہ مشاہدے کی عادت تھی۔ اس کو یہ بھی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ سننے والے نے اس کی بات کا جواب بھی دیا ہے یا نہیں۔ وہ سوال کرتی خود ہی جواب بھی دے لیتی اور پھر اگلا سوال بھی داغ دیتی، یوں لگتا کہنے والی بھی خود ہے۔ سننے والی بھی خود۔ اپنے اردگرد کے لوگوں میں اس کی بہت دوستیاں تھیں مگر دوستی میں بھی وہ بہت کم کسی کی پروا کیا کرتی تھی۔ کوئی اچھی طرح ملتا بولتا ہے تو ٹھیک ہے نہیں تو نہ سہی۔ وہ مضبوط اور پائیدار تعلقات کے فلسفے پر قطعی یقین نہیں رکھتی تھی۔ ''تعلقات مرضی کے ہونے چاہئیں مجبوری کے نہیں۔'' وہ کہا کرتی تھی۔ بعض اوقات لیلیٰ کو ایسا لگتا کہ ماما اور اپنے ڈیڈی سے بھی اس کا تعلق دو اور لو کی بنیاد پر قائم تھا۔ ماما کے جو اصول اور خواہشات تھیں اتفاق سے رشنا ان پر بالکل پوری اُترتی تھی۔ وہ بغیر کسی ہدایت، جبر یا اشارہ ابرو کے وہ ہی کچھ کرتی جو ماما اور اس کے ڈیڈی چاہتے تھے۔ لیلیٰ کو یقین تھا کہ اس کے برعکس اگر کبھی جو رشنا کے نظریات اور اصول ان دونوں کے اصول سے ٹکرا جاتے تو ان کو معلوم ہوتا۔ بغاوت کس کو کہتے ہیں۔ وہ ضدی اور ہٹ دھرم تھی اور ان دونوں کی خالص اپنی مشترکہ اولاد ہونے کے سبب اس کو بہت سے اضافی استحقاق حاصل تھے۔

وہ اس کی ان معمولی لاپروائیوں، بے اعتنائیوں اور ہٹ دھرمیوں کو انتہائی سہولت سے نظر انداز کر دیتے تھے۔ جن پر لیلیٰ کی قدم قدم پر پکڑ ہوا کرتی۔ شاید اس کو لاپروائیاں، بے اعتنائیاں اور ہٹ دھرمی دکھانے کا سلیقہ ہی نہیں آتا تھا۔ وہ رشنا کی طرح دنیا کی طرح گھر والوں کے سامنے بھی منہ پھٹ اور بولڈ نہیں تھی۔ اس کی طبیعت میں وہ عنصر شامل ہی نہیں تھا جس سے مرعوب ہو کر ماما اس سے اس کی خلاف طبیعت بات کہنے کی ہمت نہ کر سکتیں۔ وہ رشنا کی طرح آستینیں چڑھا کر دنیا کو مقابلے پر آنے کے لیے تو للکار سکتی تھی لیکن اپنی ماں اور ماں کی وجہ سے اور بہت سے لوگوں کو نہیں۔

''اور اگر ماما زبردستی سلمان کو رشنا کے سر پر مسلط کرنے کی کوشش کرتیں تو کیا ہوتا۔'' اچانک اس نے سوچا۔

''مگر وہ ایسا کیوں کرتیں۔ رشنا کی کوئی مجبوری نہیں۔ ماں باپ کی محبت کے لیے ترستے ہوئے اسے ان کے پیچھے لور لور پھرنا نہیں پڑتا۔ یتیمی کے ساتھ ساتھ ہر وقت کی بلاوجہ مسکینی کا احساس نہیں ہوتا۔ کوئی ایسا رشتہ تلاش نہیں کرنا پڑتا جو خالص اس کا اپنا ہو، رشنا کے لیے ہر نعمت اس کے قدموں میں ڈھیر ہے۔ جبکہ میں۔'' اس نے سامنے کے آئینے میں خود کو دیکھا۔ ''مجبور ہوں اور بے بس ہوں۔ اپنا اور اپنی ذات کا بھرم رکھنے کے لیے اس دنیا میں موجود رہنے کے لیے سروائیو کرنے کے لیے مجھے ماما کے سائے کی ضرورت ہے۔ جس کو میں نے اپنی تابعداریوں اور اطاعتوں کے سہارے زبردستی اپنے سر پر تان رکھا ہے۔ صرف اس لیے کہ ان کے باہر کڑی دھوپ ہے اور فی الوقت کوئی دوسرا سائبان میری دسترس میں نہیں۔

لیکن رشنا کا رویہ سب دوسروں سے خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔'' پھر اس نے دوبارہ سے سوچ کی پہلی شاہراہ پر آتے ہوئے سوچا۔

''خواہ کتنے ہی رنگ کیوں نہ بدلے، یہ ایک مسلمہ حقیقت تھی کہ اس کا رویہ لیلیٰ کے ساتھ ہمیشہ ایک سا رہتا تھا۔ کیئرنگ (خیال رکھنے والا) اور محبت کی نرمی سے بھرپور۔ یہ بھی محض اتفاق تھا کہ اسے لیلیٰ کے وجود سے انسیت تھی۔ صرف اس کے ساتھ وہ بلا منافع محبت کرنے کو تیار رہتی تھی۔ یہ بات دوسری تھی کہ سمجھا اس نے لیلیٰ کو بھی کبھی نہیں تھا۔ اس کے احساسات اس کی کیفیات، اس کے دُکھ سکھ، اس کے خیالات اس کی دسترس کہیں بھی نہیں تھی۔ مگر پھر بھی وہ لیلیٰ سے پیار کرتی تھی۔ اس کا خیال رکھتی تھی۔ اس کو مشورے دیتی تھی گو سطحی سے معاملات میں ہی سہی۔ اس کو اپنی تفریحات میں شامل کرنے کے لیے کوشاں رہتی تھی۔ اس کے معاملات میں دلچسپی لینے کی کوشش کرتی تھی۔ رشنا جیسی لڑکی سے اس کی توقع عبث تھی۔ مگر پھر بھی وہ ایسا کرتی تھی۔ اس کو خود یہاں رہنا پسند نہیں تھا۔ سال میں سات آٹھ مہینے وہ ملک سے باہر گزارتی تھی۔ اس لیے لیلیٰ کے واپس آجانے پر وہ بھی ناراض ہوئی تھی۔

''کیا سلمان سلمان لگا رکھی ہے۔'' اس کا عذر سن کر وہ تنک کر بولی تھی۔ ''جوتا مار کر جبڑا توڑ دینا تھا اس کا اور جہنم میں بھیجنا تھا۔ اپنا مستقبل کیوں خراب کیا اس کی وجہ سے۔ لیلیٰ اصل میں تم میں وہ گٹس (صلاحیتیں) ہی نہیں ہیں۔ سب خصوصیات ہیں بس ایک آنچ کی کسر ہے۔'' اس نے کہا تھا۔

واقعی اس میں ایک آنچ کی کسر تھی۔ سب کچھ تھا وہ طریقے نہیں تھے جو اسے بغیر کسی چیز کی پروا کے ماما کے مدمقابل کھڑا کر سکتے۔ یا کم از کم سلمان کے منہ پر جوتا مار کر اس کا جبڑا اتروا دیتے۔

''ہاں رشنا۔ جو جوتے پہنتی ہے۔ ان کے مارنے سے تو کسی کا جبڑا ٹوٹ سکتا ہے۔ مگر میں کیا کروں میرے پاؤں تو فلیٹ کینوس شوز کے عادی ہیں۔'' پھر اس نے خود کو تسلی دیتے ہوئے سوچا۔ اور پھر سب کچھ بھلا

کراپنی ڈائری کے تازہ نوٹس کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرنے لگی جو اس نے اپنے اگلے آرٹیکل کشمیر جل رہا ہے۔'' کے لیے اکٹھے کیے تھے۔

اور شاید یہ بھی محض اتفاق تھا کہ اگلے روز زعیم نیازی آفس آیا اور اس کے آرٹیکل کا عنوان سننے پر اس نے کہا تھا۔''اس کے بارے میں بہت سی معلومات میری دائیں جیب میں ہیں۔''

''دنیا کا کون سا ایسا موضوع ہے جس کے بارے میں معلومات تمہاری دائیں بائیں کسی جیب میں نہیں ہیں۔'' اس نے ہنس کر پوچھا تھا۔

''کوئی بھی ایسا نہیں، جس کو میں اپنا بنالوں۔ وہ موضوع میرا ہو جاتا ہے یوں۔'' اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔عبدالمنان نے تمسخرانہ انداز میں اسے دیکھا۔اور پھر سر جھکا لیا۔

''اچھا بتاؤ، کیا ہے تمہاری معلومات کے خزانے میں۔'' اس نے ذرا تجسس دکھایا۔

''اچھا جی!'' اس نے ذرا پیچھے ہو کر اسے غور سے دیکھا۔''یوں ہی بتا دوں، اب ہر دفعہ تو ایسا ہونے سے رہا کہ آپ نوٹس میز پر کھلے چھوڑ جائیں اور میں ماہرانہ رائے تحریر کرتا رہوں۔''

''اچھا پھر آپ قیمت چاہتے ہیں اس کی؟'' اس نے بھی مذاقاً کہا۔

''قیمت تو خیر کیا۔'' اس نے کن اکھیوں سے منان کو دیکھا'' یہ میرا شیوہ نہیں۔ البتہ اس کے لیے اگر تم کوئی اور آفر کرو۔ مثلاً میری کسی معاملے میں مدد یا میرے لیے کوئی زبردست نیوز آئٹم یا پھر دوستی وغیرہ کی آفر تو غور کیا جا سکتا ہے۔''

''دوستی۔'' منان نے معنی خیز انداز میں ہانک لگائی۔''لیلیٰ بی بی خبردار رہیے گا ایسی آفرز سے۔ یہ فتنہ ہے۔فتنہ، ہوا یہ دوست جس کا دشمن اس کا آسمان کیوں ہو؟ ویسے تم دونوں کی وہ اتنی شدید ایک دوسرے کی مخالفت کیا ہوئی؟''

''تم بھائی عبدالمنان۔'' زعیم نے اس کی طرف گھومتے ہوئے کہا۔'' کوئی ڈیل سیٹ نہ ہونے دینا۔ ہمیشہ ٹانگ اُڑاتے ہو، ویسے مجھ میں تمہاری اتنی زیادہ دلچسپی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ یاد رکھو، میرے زخم تو بھر گئے ہیں درد ابھی پوری طرح نہیں گیا۔اور جب تک درد ہوتا رہے گا۔ میں اس پس پردہ شخصیت کو یاد کرتا رہوں گا۔جس کی مہربانی کا یہ نتیجہ ہے۔'' وہ اس کے الفاظ کا مطلب بالکل نہیں سمجھی تھی۔مگر اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کے یہ بات کرنے پر منان سمیت کمرے میں موجود شیری اور زین کو بھی سانپ سا سونگھ گیا تھا۔

''ویسے لیلیٰ تم نے جو منڈے ویک میں صحافیوں کے خلاف تشدد وغیرہ وغیرہ پر ایک مختصر سا نوٹ لکھا تھا۔ میں اس کے لیے مشکور ہوں۔'' پھر وہ واپس اس کی طرف مڑا۔''چلو اس کے بدلے ہی تمہارے لیے دائیں جیب سے کشمیریات نکالتے ہیں۔ آؤ تمہیں بتاؤں کہ دراصل۔ کشمیر کس کس کی وجہ سے جل رہا ہے، یہ اور بات ہے کہ ان میں سے آدھی سے زیادہ باتیں تمہارا قلم لکھ نہیں سکے گا۔ بوجہ پالیسی۔ خیر لو میں شروع ہوں۔'' اور اس

کی طویل گفتگو کے بعد اس نے اندازہ لگایا کہ واقعی اس کی دائیں جیب میں وہ کچھ تھا جو وہ پچھلے کئی ہفتوں کی بھاگ دوڑ کے باوجود اکٹھا نہیں کر پائی تھی۔ معلوم نہیں اس کا ذہن تھا یا کمپیوٹر، جس رفتار سے چلتا تھا۔ اس کی تیزی محسوس کر کے وہ حیران ہوگئی۔ بے شک اس میں وہ خصوصیات تھیں جن کی بنا پر اگر وہ اپنے پیشے میں ماہر ہونے کے دعوے کرتا تھا تو یہ مغالطہ نہیں تھا۔

''بولو کیا لکھو گی؟ بلکہ کیا لکھ سکو گی اس میں سے؟'' آخر میں اس نے کہا۔

''وہ سب کچھ جو میرے لیے ممکن ہوگا۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔ ''ویسے کیا تم ان سب معلومات کا ذریعہ بتا سکتے ہو، میں بے حد محنت کے باوجود بہت سی باتیں نہیں جان سکی تھی۔''

''بات یہ ہے لیلیٰ بی بی! تھرڈ ورلڈ پالیٹکس (تیسری دنیا کی سیاست) کو اپنا موضوع بنا کر اس پر خود کو اتھارٹی تسلیم کروا لینا اتنا مشکل نہیں، مگر دراصل اندریں جان لینا ایک بالکل اور بات ہے۔ میں نے تمہاری طرح خود کو اس موضوع پر اتھارٹی کبھی نہیں کہا۔ مگر یہ موضوع میرا ہے۔ کیونکہ میں اسے اپنا چکا ہوں۔'' اس نے ذرا سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''ویسے اس روز تم کو دیکھا تھا فورٹ گرل ہیں۔ مَیں بے حد اہم سلسلے میں اُلجھا ہوا تھا۔ اس لیے تم سے بات نہیں کر سکا وہاں۔ بے حد اہم شخصیت کے ساتھ میرا اپائنٹمنٹ تھا وہاں۔'' اچانک اس نے ایک دوسری بات اور بھی آہستہ آواز میں چھیڑی۔

''اچھا تم نے دیکھا تھا مجھے وہاں۔'' اسے بھی اچانک یاد آیا۔ ''جبکہ میرا خیال تھا کہ تم نے مجھے نہیں دیکھا۔ جب ہی تو بغیر ملاقات کیے اُٹھ کر چلے گئے۔''

''جب میں کہیں موجود ہوتا ہوں تو میرے اِردگرد کی کوئی چیز میری نظروں سے چھپی نہیں رہتی، یہ اور بات کہ میں ظاہر نہ کروں۔'' اس نے اپنے بارے میں ایک اور ارفع قسم کا انکشاف کیا۔ ''اور اس روز تو میں بے حد معتبر شخصیت کے ساتھ تھا۔ ایک اہم کام کے سلسلے میں۔''

''ہاں، میں اس معتبر شخصیت کو تو اچھی طرح جانتی ہوں، مگر تمہارے اہم کام کی نوعیت باوجود سوچ بچار کے نہیں جان سکتی۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔

''اچھا! تم ان کو جانتی ہو مگر کیسے اور اہم کام کی نوعیت کی کھوج لگانے کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی تمہیں۔'' وہ ہنسا۔

''ان کو ایسے جانتی ہوں کہ میں ان کی بیٹی ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ نوعیت جاننے کی ضرورت بھی اس لیے پیش آئی کہ تمہاری ملاقات ان سے کس نیوز آئیٹم کے سلسلے میں ہو رہی تھی۔'' اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی زعیم کو بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس نے اس کو اچانک اتنا زبردست ردعمل دکھاتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' اس نے اس کے سکتے کی وجہ جاننا چاہی۔

"مگر وہ تو مسز مصباح شیخ کے نام سے جانی جاتی ہیں۔" جبکہ تم لیلیٰ غیاث الدین ہو۔" اس نے نارمل ہوتے ہوئے کہا۔

"لیلیٰ غیاث الدین شیخ۔" اس نے تصحیح کی۔ "بلکہ یہ بھی نہیں" یہ جملہ اس نے زیرلب ادا کیا۔ یہ خیال کیے بغیر کہ اس کے مخاطب کے کان اور حواس بلا کے تیز تھے۔ "ویسے میں نہیں جانتی تھی کہ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ میری ماما ہیں، تمہاری معلومات تو زبردست ہوا کرتی ہیں۔" پھر اس نے اس کو چڑانے کے لیے کہا۔

"ہاں۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔ "مگر اس موضوع کے بارے میں جس کو میں اپنا لیتا ہوں، میں نے ابھی تمہیں اپنا موضوع نہیں بنایا تھا۔ کیونکہ مجھے پہلے دن سے یقین تھا کہ اگر میں نے تمہاری کھوج لگانے کی کوشش کی تو ایسے ہی دل دہلا دینے والے انکشافات ہوں گے، میں تم کو Under Estimate نہیں کر رہا تھا۔ لیکن تم میرے اندازے سے زیادہ اونچی شے نکلیں۔ اوہ مس لیلیٰ غیاث الدین، میں سر جھکاتا ہوں اور اعتراف کرتا ہوں کہ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے جس دوستی کا ذکر کیا تھا افسوس وہ نہیں ہو سکتی۔" وہ اس کے بدلتے موڈ پر حیران ہو رہی تھی۔ کہ وہ اُٹھ کر جاتے جاتے پلٹا۔

"مگر کیا تم مجھ پر ایک عنایت کرو گی؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اپنی والدہ کو اگر تم یہ نہ بتاؤ کہ میں تمہارا کولیگ ہوں۔ اور اس اخبار میں کام کرتا ہوں تو یقین جانو یہ تمہارا بے حد کرم ہوگا مجھ پر۔" وہ عین اس کے سامنے جھکا سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ اور ایک لحظہ کے لیے اس نے اس کی آنکھوں میں تفکر کی ہلکی سی لہر بھی محسوس کی تھی۔

میں نہیں بتاؤں گی۔" اس نے بغیر سوچے سمجھے لاشعوری طور پر کہا۔

"شکریہ! مجھے تم سے یہ امید تھی۔" اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

"اچھا! ایوری باڈی، اللہ حافظ۔" پھر مڑ کر اس نے سب کو وش کیا اور چلا گیا۔

"لیلیٰ۔ تم واقعی ذرا...... محتاط رہنا، یہ بڑا "ہوشیار" آدمی ہے۔ لفظوں کے محل کھڑے کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

اس کے جانے کے بعد منان نے غالباً نیک نیتی سے اسے مشورہ دیا۔ وہ سمجھ نہیں سکتی تھی کہ منان کو اس سے کیا پرخاش تھی مگر پھر بھی اس نے عادتاً محض اس کا دل رکھنے کو اثبات میں سر ہلایا۔ منان کے چہرے پر بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔



اس گفتگو کے بعد زعیم نیازی سے اس کی زبردست مخالفت میں کمی واقع ہونے لگی۔ ایسا لگتا تھا کہ ان دونوں نے کسی ایک نکتے پر ایک خاموش سمجھوتے کے بعد ایک دوسرے کی ہر بات میں نفی کرنا شعوری طور پر چھوڑ دیا تھا۔ مگر خود لیلیٰ جتنا زعیم اور ماما کے تعلقات کی وجہ جاننے کی کوشش کرتی اتنا ہی الجھنے لگتی۔ دو تین مرتبہ

اس نے اسے ماما کے ساتھ مختلف جگہوں پر دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے گھر میں بھی۔ مگر وہ سمجھ کچھ بھی نہ پائی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے ذہن پر سلمان کی موجودگی کا بوجھ بھی تھا۔ جو ہر وقت اس کا سایہ بنا رہنا چاہتا تھا۔ یہ اور بات کہ اس کو اس کی جاب پر سخت اعتراض تھا۔ اور وہی وہ وقت ہوتا تھا جب وہ اس سے پیچھا چھڑا پاتی تھی۔ جب وہ آفس اور اپنے کام میں مصروف ہوتی تھی۔ باقی وقت میں وہ ماما کے کہنے کے مطابق سلمان کے ساتھ بھی بہتر رویے کا ڈراما کرتی جو اس کے خیال میں بہتر وقت آنے سے پہلے ایک اچھا نسخہ تھا۔

مگر اس روز اس کے ذہن سے بہت سی الجھنوں کی دھول اس وقت چھٹنے لگی جب اتفاقاً ایک جگہ۔ ایل۔ ڈی۔ اے کے اس آفیسر سے ملاقات ہوگئی جس کو اس نے چین مندر کا پتا ڈھونڈ کر دینے کی درخواست کی تھی۔ اس کے پاس اس کے لیے ایک خوش خبری موجود تھی۔ ایک ایسا گھر جو کبھی سعید الدین نامی شخص کے نام پر خریدا گیا تھا۔ اور جس میں اَب سعید الدین کے بھائی کے اہل خانہ رہتے تھے۔ وہ اس کو اپنے آفس آکر پتا لے جانے کی ہدایت کر رہے تھے۔ اور اس کا دل خوشی کے ایک انجانے تصور سے اُچھلنے لگا تھا۔ کون کہتا ہے کہ تلاش کا اکثر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ کون کہتا ہے کہ ڈھونڈے سے بھی خدا نہیں ملتا۔ ہر محاورہ ہر مقولہ درست ہوتا ہے۔ جب ہی تو کثیر الاستعمال ہوا کرتا ہے۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اس کو اپنی جڑوں کا سرا نظر آنے لگا تھا، گویا اس کے قدموں تلے ایک مضبوط زمین آ سکتی تھی۔ اس روز اس کا دل خوشی سے گانے اور ناچنے کی خواہش کرتا رہا، یہ اور بات تھی کہ اسے عمر بھر اپنے کسی بھی جذبے اور کیفیت کے اظہار کا ہنر نہیں آیا تھا۔ گانا اور ناچنا تو بہت دور کی بات تھی۔ اس روز وہ آفس میں بھی مصروف، خوش اور موجود نظر آ رہی تھی۔

''چلو کہیں لنچ کرتے ہیں۔'' اس نے شیری زیبا اور صبا کو آفر کیا۔

''کیا بات ہے لیلیٰ، آج بہت خوش ہو۔'' صبا نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''ہاں۔ آج میرا سب سے اوکھا آرٹیکل ختم ہو جائے گا اس لیے۔'' کیفیت کے اظہار کا ہنر تو اسے نہ آیا تھا نہ آنے کی اُمید تھی البتہ کیفیت اور جذبے کو چھپا لینا اس سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔ اسی وقت زعیم اور زین اندر داخل ہوئے۔

زین اپنے کسی کام کے سلسلے میں خوار ہو کر سخت تھکن کی شکایت کر رہا تھا۔ اور زعیم اسے مشورہ دے رہا تھا کہ وہ ذہنی سکون کے لیے عبدالمنان کی طرف رجوع کرے۔

''اور تم سناؤ زعیم!'' دفعتاً زیبا نے اپنے کام سے سر اُٹھا کر کہا۔ ''آج کل بڑے اونچے اونچے اُڑ رہے ہو۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' اس نے چونکے بغیر جواب دیا۔

''سمجھ بھی کیسے سکتے ہو، سمجھنا چاہتے ہی نہیں۔ کل میں نے تمہیں مین مارکیٹ کے قریب ایک ہنڈرڈ پرسنٹ نئی نویلی سیاہ بیوک میں بیٹھے دیکھا اتفاق سے، ہاتھ ہلایا تو تم نے دیکھ لینے کے باوجود یوں نظر انداز کر

دیا گویا جانتے ہی نہیں ہو۔ آخر ہمیں بھی تو بتاؤ کہ کہاں کمپرومائز کیا ہے۔''

''کم پرومائز۔'' زعیم نے زیرِ لب لفظ کے ٹکڑے کرتے ہوئے کہا۔ ''اچھا اندازہ ہے۔'' پھر اس نے سر ہلایا۔''جمال ہم نشین اثر کر رہا تھا۔ میری امی اور دادی ہائپرٹینشن کی مریض ہیں، مہینے میں دو دو ڈبیا دونوں نارمن کی گھوٹ جاتی ہیں۔ اسی لیے میں نے سوچا کہ کہیں کمپرومائز کر لینے میں کیا حرج ہے۔ مگر اب بھاگ نکلا ہوں اسی لیے نائٹ شفٹ میں ڈیوٹی لگوائی ہے۔ سب سے پہلے ہیڈ لائنز پڑھنے کو اور صبح صبح مرغ کی اذان اور کتے کی بھونک بھی سننے کو ملا کرے گی۔''

''نائٹ شفٹ میں۔'' زیبا کے لیے یہ نئی خبر تھی۔ خود اس کے اپنے لیے یہ نئی خبر تھی۔ مگر اس سے زیادہ اہم زیبا کا وہ سوال تھا جسے وہ بڑی خوبصورتی سے گول کر چکا تھا۔ مین مارکیٹ کے قریب سیاہ بیوک، اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ماما کے فلیٹ میں ایک نئی تازی سیاہ بیوک کا اضافہ حال ہی میں ہوا تھا۔ اگر یہ وہی گاڑی تھی تو پھر۔ اس کا اچھا خاصا ہشاش بشاش دماغ پھر سے اُلجھنے لگا۔

ماما اور زعیم کے کسی بھی تعلق کی کوئی وجہ بنتی ہی نہیں تھی پھر وہ ماما کے ساتھ، ماما کی گاڑی میں۔ ایک وجہ اس کا اخبار کا نمائندہ ہونا بھی ہوسکتا تھا۔ اکثر بڑے لوگ ذاتی شہرت کے لیے شخصیت کے اثر و رسوخ میں اضافہ کے لیے اخبار والوں سے تعلق بڑھاتے تھے۔ بلکہ باقاعدہ ماہانہ تنخواہ اسی مقصد کے لیے اِدھر سے اُدھر منتقل ہوتی تھی۔ مگر زعیم کے سلسلے میں ایسا بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ وہ اسے خود ماما کو یہ بتانے سے منع کر چکا تھا کہ اس کا تعلق اخبار سے تھا۔ اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ذرا ناراضگی سے زعیم کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اور اسے سو فی یقین تھا کہ وہ اس کی جھنجلاہٹ کی وجہ سمجھ چکا تھا۔ کیونکہ وہ واقعی ایک اچھا چہرا اشناس تھا۔ پھر اس نے استفہامیہ انداز میں ابرو اُچکا کر اسے دیکھا۔ جواب میں اس نے نفی میں سر ہلا کر اپنے کام کی طرف توجہ مبذول کر لی۔



اگرچہ وہ ایک مشکل اور تھکا دینے والا تجربہ تھا۔ مگر کچھ پا لینے کی خوشی اور فطری جستجو نے اسے ...... بور نہیں کیا تھا۔ ایل ڈی اے کے افسر نے جو پتا اسے دیا تھا۔ اس پر کسی بھی زمانے میں کوئی سعید الدین صاحب نہیں رہتے تھے۔ مگر اس جین مندر گھر کے قریب ایک بوڑھے شخص نے گلیوں اور موڑوں کی جو ترتیب اسے بتا کر ایک گھر دیکھ لینے کو کہا تھا۔ اس نے اسے مایوسی سے بچا لیا تھا۔ شاید وہ بھی ان بزرگ کا محض اندازہ ہی تھا مگر وہ آخر تک دیکھ لینے کا تہیہ کر چکی تھی۔ بے شمار کمزور تاریک اور تنگ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد جب وہ ان قدیم فلیٹس کے اس گھر کی کال بیل کا کالا سیاہ بٹن دبا رہی تھی تو اس نے اپنے ہاتھ پاؤں کو لرزتے اور دل کو تیزی سے دھڑکتے ہوئے خوب محسوس کیا تھا۔ دروازے پر کوئی نیم پلیٹ نہیں تھی۔ مگر ان بزرگ کے مطابق کسی زمانے میں ایک نوجوان سعید الدین اس گھر میں رہا کرتا تھا۔ اس کی کسی بھی بیل کا کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ اور

وہ پسینے میں شرابور ہو رہی تھی۔ پھر اس نے دروازے پر تیزی سے دو تین ہاتھ مارے، لکڑی کا سبز رنگ کا دروازہ جس پر گول دائروں کی شکل میں لکڑی ہی کے ٹکڑے فاصلے فاصلے پر ایک خاص ترتیب میں جڑے ہوئے تھے۔ شاید کسی بھی وقت اس کے لیے وا ہونے کو بے چین نہیں رہا ہوگا۔ جب ہی تو اس کی دستک کا بھی کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ وہ تقریباً مایوس ہو کر واپسی کا قدم بڑھانے ہی لگی تھی کہ کھٹاک کی آواز کے ساتھ اندر سے کنڈی کھلی اور ایک بزرگ خاتون کا چہرا نظر آیا۔

''معاف کرنا بیٹی! میں ذرا کپڑے دھو رہی تھی۔ دستک کی آواز دیر سے سنائی دی۔ بیل تو ویسے ہی بیکار ہے لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے لگتا ہے میں بھی کچھ زیادہ اونچا سننے لگی ہوں۔'' انہوں نے بغیر اس سے کچھ دریافت کیے معذرت خواہانہ انداز میں کہا تھا۔

''آپ کون ہیں آپ؟'' اس کا دل دریافت کیے جا رہا تھا۔ مگر وہ خاموش تھی۔

''کہو کوئی کام ہے کیا؟'' پھر وہ دریافت کرنے لگیں۔

''جی بس آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔ آپ؟'' اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔ ''یہ گھر آپ کا اپنا ہے نا؟''

''ہاں ہاں۔ کیوں کیا کوئی اور دعویدار بھی ہے۔'' وہ مسکرائیں، ان کے چہرے اور لہجے کی نرمی نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''یہ گھر کس کا ہے؟'' وہ ایک دم مایوس ہونا بھی نہیں چاہتی تھی۔

''تم کس کا سمجھ کر آئی ہو؟'' وہ مسکرائیں۔ ''جس کا بھی سمجھا ہے غلط یا صحیح، اندر تو آؤ۔ ویسے تو سنا ہے کہ آج کل کسی پر اعتبار کرنے کا زمانہ نہیں ہے، مگر میں بے وقوف ہوں، مجھے کوئی بے اعتبار نہیں لگتا۔ آؤ۔'' وہ دروازے سے ہٹ کر بولیں۔

وہ اندر داخل ہوگئی۔ پہلا کمرا نیم تاریک تھا۔ پھر ایک قدرے روشن چھوٹا سا صحن اور اس کے گرد دو تین کمرے، وہ اسے جس کمرے میں لائی تھیں۔ اس کی کھڑکیوں کے آگے چھوٹی چھوٹی دو بالکونیاں نیچے اس پُرشور سڑک کی طرف بنی تھیں۔ جس پر سے گزرتے ہوئے ان گھروں کو اس نے بارہا حسرت سے دیکھا تھا۔

''سعید الدین۔ مجھے ایک صاحب سعید الدین کے گھر کی تلاش ہے۔'' بالآخر اس نے آر یا پار ہو جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ لیکن جملہ منہ سے نکلتے ہی اس کی نظر ایک کھڑکی کے اوپر بنے ہوئے محراب نما حصے میں لگی پیلے پڑتے کاغذ پر لگی بلیک اینڈ وائٹ تصویر پر پڑی تھی۔ وہ اس کے پاپا کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس پر جیسے شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔

''تم ٹھیک ہی گھر میں آئی ہو۔'' وہ خاتون کہہ رہی تھیں، مگر ان کے کہنے سے پہلے ہی وہ جان چکی تھی کہ وہ ٹھیک ہی گھر میں آئی ہے۔

''کون آیا ہے۔ کس نے سعید کا نام لیا ہے؟'' پھر اسے معلوم ہوا کہ کونے والے بڑے سے پلنگ پر

ایک ذی روح کا وجود دھرا ہے۔ جس نے سر اُٹھا کر بے قراری سے دریافت کیا تھا۔

''ایک بچی آئی ہے اماں جی، وہی سعید بھائی کے بارے میں پوچھ رہی ہے۔ شاید، شاید۔'' خاتون کے جواب میں عجیب سی اُمید کی جھلک تھی، جو اس کی سمجھ سے باہر تھی۔

''ہاں بیٹی!'' پلنگ پر لیٹی ضعیف و ناتواں خاتون کی بات کا جواب دینے کے بعد وہ پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔

''وہی سعید الدین صاحب نا، جو گورنمنٹ کالج کے گولڈ میڈلسٹ تھے اور جنھوں نے ایک بے حد متمول لڑکی مصباح نورالدین سے شادی کی تھی۔'' اس نے بلاوجہ بات کو طول دیا۔

''ہاں ہاں!'' ان کے لہجے میں بے چینی اُتر آئی۔ ''لیکن تم کیسے جانتی ہو، کیسے آئی ہو، کیوں پوچھ رہی ہو۔ کون ہو تم؟''

''کون ہوں میں؟'' اس نے ذہن میں اس کا سوال دہرایا یہی تو فیصلہ کرنا ہے۔'' میں لیلیٰ ہوں، ان کی بیٹی لیلیٰ سعید الدین۔'' وہ جانتی تھی، وہ جو کوئی بھی تھیں بری طرح چونکیں گی، پھر خوش ہوں گی یا غمگین غصے میں آئیں گی یا ہنسیں گی، یہ وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر چونکنے کے بعد ان پر سکتہ سا چھا جائے گا۔

''سعید، سعید کی بیٹی۔'' کافی توقف کے بعد ان کے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی۔ ''مگر وہ خود کیوں نہیں آیا؟'' اَب کے چونکنے کی باری اس کی تھی۔ ''وہ خود۔ خود۔'' وہ سوالیہ انداز میں پوچھنا چاہتی تھی۔ ''مگر، آپ کون ہیں۔''......اس کے بجائے اس نے ایک اور سوال کیا۔

''میں، بہن ہوں سعید کی، اور تم اس کی بیٹی ہو۔'' ان کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

''وہ خود کہاں ہے اتنے برسوں سے؟''

''اوہ میرے خدایا۔'' اس کا دل چلایا۔ وہ ایک غیر متوقع صورتحال سے دوچار تھی۔ وہ پاپا کی بہن تھیں۔ اس کی حقیقی پھوپھی، اور یہ تک نہیں جانتی تھیں کہ ان کا بھائی اس دنیا میں نہیں تھا۔

''اتنی سفاکی تو نہیں تھی اس میں، اتنا پتھر دل تو نہیں تھا وہ، مگر دولت کی چکاچوند نے اس میں ہر ایسی صفت بھر دی تھی، ہمارا تو خیر کیا اپنی اس بوڑھی بیمار ناتواں ماں کا ہی خیال کرتا جو اس کی بے مروتی اور کٹھور پن کے باوجود دن رات ہاتھ پھیلا پھیلا کر خدا سے اس کی سلامتی کی دعائیں کرتی رہتی ہے۔'' انہوں نے پلنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اب کے ان کے لہجے کی نرمی یکدم ہوا ہوگئی تھی۔

''یہ!'' وہ اُٹھ کر پلنگ کے قریب گئی، بیمار ضعیف جھریوں سے پُر چہرا دیکھا۔'' ان کی سلامتی کی دعا مانگتی ہیں۔'' واپس آکر وہ ان کے قریب کھڑی ہوگئی۔ ''اپنے مرے ہوئے بیٹے کی سلامتی کی دعا مانگتی ہیں۔ دن رات صبح و شام۔ کیا یہ نہیں جانتیں کہ وہ ایسی جگہ پہنچ چکے ہیں۔ جہاں سلامتی اور غیر سلامتی کا تصور نہیں ہوا کرتا، وہاں جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں آیا کرتا۔'' اس کی آواز بھرا گئی، وہ بہت عرصے کے بعد دل کھول کر علی

الاعلان رو رہی تھی۔ گلے شکوے شکایتیں۔ ''ہائے میرے مرے ہوئے بے گناہ باپ۔'' روتے روتے اس نے سوچا۔ کب بخشے جاؤ گے کب۔''

''تم کون ہو، کیوں جھوٹ بول رہی ہو، بکواس کر رہی ہو۔'' اس کے سامنے بیٹھے سکتے میں آئے وجود میں بہت دیر بعد جنبش ہوئی۔'' کون کہتا ہے سعید مر گیا۔ وہ زندہ ہے، اسی ملک میں یا پھر اسی دنیا میں، کیا ہوا جو ہم سے نہیں ملتا۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم اسے مردہ جان لیں، کون ہو تم، کیوں جھوٹ بولتی ہو۔ کیوں، کیوں؟''

وہ بھی بے طرح رونے لگی تھیں۔ اس نے اپنے بیگ سے پاپا کی تصویر، ان کی ایم اے کی ڈگری، اور ان کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ نکال کر ان کے سامنے پھینک دیا۔

''کیا ہو گیا سعیدہ، کیا ہوا۔'' کمزور ضعیف وجود کہنی کے سہارے اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ روتے روتے وہ جھٹکے سے اُٹھیں۔ اور اس کو سینے سے لگا کر اس کا منہ سر چومنے لگیں۔ ''میرے بھائی کی بیٹی، میرے سعید کی'' وہ ہچکیوں کے دوران کہہ رہی تھیں۔ ''میں صدقے میں قربان۔''

''ہائے اماں، وہی ہوا جس کا آپ کو ڈر تھا ہائے سعید اس دنیا میں نہیں رہا۔'' پھر وہ پلنگ کی طرف مڑیں۔ یہ ان تینوں کا مشترکہ دکھ تھا، یہ اور بات کہ ان دونوں کو سترہ سال کے بعد اس سے آگاہی ہوئی تھی۔ اور وہ پہلے روز سے جانتی تھی، وہ تینوں ایک نامعلوم ذہنی ہم آہنگی کے ساتھ یہ دُکھ سنا رہی تھیں۔

''کوئی مجھے بتاتا، اشارہ تو دیتا میں اس کا چہرا دیکھ لیتی، میں اس کی تصویر آنکھوں میں بند کر لیتی۔'' پھوپھی کہہ رہی تھیں۔

''ہائے میرا دل کہتا رہا، میں جھٹلاتی رہی، سعید اس دنیا میں ہو اور ماں سے ملنے نہ آئے۔ سترہ سال گزر جائیں، میں نے پہلے ہی دل پر اعتبار کیوں نہ کر لیا۔'' دوسرا وجود کہہ رہا تھا۔

ماما کا خیال تھا کہ پاپا جب ان کے پاس سے چلے گئے تھے تو یقیناً ان کا ٹھکانا اپنا گھر ہو گا جہاں وہ گمنامی کی حالت میں اس دنیا سے گزرے، مگر یہاں تو سب ان سے بھی زیادہ بے خبر تھے۔ نجانے وہ کس کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزارتے رہے تھے۔

''تم صرف چھ سال کی تھیں، ہائے میری معصوم بچی تو پہلے ہی میرے پاس کیوں نہ آ گئیں۔'' وہ اس کی کہانی سننے کے بعد کہہ رہی تھیں۔

''اللہ کی امانت تھی۔ سو اس نے واپس لے لی، اس سے کیا گلہ کیا شکوہ۔'' پھر ضعیف و نزار ماں نے خود کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''بس اتنا ہے کہ جو صدقے خیرات اَب تک اس کی جان کی سلامتی کے لیے دیتی رہی۔ وہ اس کی روح کے ثواب کے لیے دے دیا کرتی اگر وقت پر پتا چل جاتا۔''

''بس [illegible] صبر کر جاؤ سعیدہ، خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔'' وہ خاموش بیٹھی ان کی

گفتگو سنتی رہی۔ ایک دم وہ یوں پرسکون ہوگئی تھیں جیسے کسی غیبی طاقت نے زخم پر مرہم رکھ دیا ہو۔

''تم ادھر آؤ، میری جان! آخری بار جب وہ مجھ سے ملنے آیا تھا تو اس نے مجھے بتایا تھا۔
اماں خدا نے آپ کو پوتی سے نوازا ہے۔ اس کے بعد میں اس کا اور اس کی بانہوں میں تمہارا انتظار ہی کرتی رہی۔ بڑا طویل انتظار ہے۔ سترہ سال کا۔ خدا نے نجانے کیوں مجھے اس آزمائش میں ڈالے رکھا۔''

''ہاں خدا نے نجانے کیوں ان سب کو اس......آزمائش میں ڈالے رکھا۔''

دادی سے جی بھر کر باتیں کرنے اور پھوپھی کو ماں کی کی گئی صبر والی نصیحت پلے سے باندھ کر گھر کے کام نپٹاتے دیکھتے ہوئے وہ مسلسل سوچتی رہی۔

''اور یہ میری Roots (جڑیں) ہیں۔'' پھر اس نے اس کمرے کے چاروں کی طرف نظر دوڑائی، جس میں بیٹھی تھی۔ دیواروں کی سفید قلعی کہیں کہیں سے اکھڑی سی گئی تھی، چھت سے ذرا نیچے سے لے کر دیوار کے نچلے حصے تک پہنچتی کھڑکیاں اور ان کے آگے آگے کو جھکی ہوئی گول جالیاں جو شکستہ ہو رہی تھیں۔ کمرے میں دو قدیم طرز کے بڑے پلنگ، ایک قدیم دیوان جس پر بڑے پرنٹ کی چادر بچھی تھی، جس کے چاروں طرف جھالر لگی ہوئی تھی، دو قدیم طرز کی بڑی بڑی کرسیاں، ایک اونچی ٹانگوں والی ڈریسنگ ٹیبل، ایک لوہے کی الماری جو کونے میں دھری تھی۔ ہر چیز قدیم، مگر صرف ستھری تھی اور ہر چیز سے گویا ایک نامحسوس سا سکون اور قناعت ٹپک رہی تھی۔

''ایک ڈپریسنگ مڈل کلاس ماحول۔'' اسے صبا کی بات یاد آئی۔

''مگر یہ سب میرا ہے۔ اپنائیت کا جو احساس مجھے یہاں مل رہا ہے۔ شاید کبھی ساری عمر ان گھروں میں نہ مل سکا۔ جہاں اب تک میں نے زندگی گزاری ہے۔''

''یہ سب کچھ تمہارا ہے بیٹا جو ہے جیسا ہے جتنا ہے، ہم تو امانت دار ہیں۔'' پھوپھو نے کچھ دیر پہلے ہی اس سے کہا تھا۔ ان کی اپنی کہانی بڑی مختصر اور روایتی سی تھی۔

''سعید بھائی کے جانے کے ڈیڑھ سال بعد میں بیوہ ہوگئی۔ میں بھی اکیلی، اماں بھی اکیلی، سو ہم ایک دوسرے کی دوسراہٹ کے لیے پھر سے اکٹھے ہوگئے۔ میری بیٹی اور بیٹا دونوں ہی بہت چھوٹے تھے۔ اس وقت اس گھر اور اماں نے بڑا سہارا دیا۔'' انہوں نے بتایا تھا۔

''اور جو ماما کو علم ہو جائے کہ میں یہاں بیٹھی ہوں۔'' پھر اسے اچانک خیال آیا۔

''تمہاری ماں ہرگز پسند نہیں کرے گی جو یوں تو ہم سے ملنے آگئیں۔'' دادی نے کچھ دیر پہلے اس سے کہا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اس کے یوں تگ و دو کے ساتھ ان کا پتا ڈھونڈ نکالنے پر وہ سخت حیران تھیں۔ البتہ ساتھ ساتھ یہ بھی جتا رہی تھیں کہ اگر وہ یہاں آ کر یہ گھر، اس کا ماحول اور حالات دیکھ کر مایوس ہوئی ہے تو وہ سوائے معذرت کے کچھ اور نہیں کرسکتیں۔ کیونکہ یہ ہی وہ تھیں اور یہ ہی اس کے پاپا کی اصل تھی۔ ''نہیں رہ کر

وہ، وہ بنا جو تمہاری ماں کو پسند آ گیا۔ یہ اور بات کہ وہ یہاں سے جانے کے بعد بھی اسی جگہ کو ذہن سے نہ نکال سکا اور اس تضاد کا شکار ہو گیا جس سے میں ڈرا کرتی تھی، اب تم بیٹا ذرا ٹھیک طرح سے ہمیں اور اس گھر کو جانچ لینا۔'' انہوں نے اس کو بھی وارننگ دی تھی۔

''یہ سعیدہ ہے۔'' پھر انہوں نے نجانے کس خیال کے تحت اسے بتایا تھا۔ ''تمام عمر اس نے سخت محنت کی ہے، جان ماری ہے۔ ایک سلائی اسکول میں کام کرتی تھی۔ گھر پر بچوں کو پڑھاتی تھی۔ اُجرت پر کڑھائی سلائی کیا کرتی تھی، اب جا کر اس کا بیٹا کسی قابل ہوا ہے۔ گھر کا بوجھ اُٹھانے کے قابل، اَب بھی سلائی کرتی ہے مگر کم کم ...... اس کی بچی نے ایف اے کا امتحان دیا ہوا ہے۔ مگر اسکول میں پڑھاتی بھی ہے ساتھ ساتھ، اس جیسا صبر اور حوصلہ کہنے والے کہتے ہیں۔ کسی اور میں نے دیکھا نہ سنا، جب سے بیٹے نے پڑھ لکھ لیا باہر نکلنے لگا ہے۔ روزانہ رات کو اس کو کہتی ہے۔'' کسی طرح اپنے ماموں کا پتا لگاؤ۔''

وہ ہنستا ہے کہتا ہے۔'' اماں اتنے بڑے۔ کروڑوں کی آبادی کے شہر میں، میں ایک ایسے شخص کا پتا کیسے لگاؤں جو اپنا نشان تک نہ چھوڑ کر گیا ہو۔'' مگر میری تسلی کے لیے میرے اقرار کے لیے اسے روزانہ یہ بات کہنا نہیں بھولتی پھر اس سے کہتی ہے میری زندگی میں میری ماں کو کوئی تکلیف ہوئی تو تم لوگوں کو نہیں بخشوں گی۔ وہ بچے بیچارے مقدور بھر میرے ساتھ جان مارتے ہیں، خود تمام عمر میرے ساتھ اس نے جان ماری، اس پر کڑا وقت تو شاید میرے دُکھ سمیٹنے کے لیے پڑا تھا۔''

وہ غالباً گھر میں پھوپھی کی اہمیت کا احساس دلا رہی تھیں مگر اس نے ان کی یہ گفتگو غیر دلچسپی سے سنی تھی۔ اس وقت اس کے ذہن میں ایک عظیم جنگ ہو رہی تھی۔ آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کے خیال کے درمیان جنگ سب کچھ چھوڑ دینے یا خود کو آسائشوں کے سمندر میں فنا کر ڈالنے کے تصور کے درمیان جنگ، اَب تک تو وہ اس ''پالیا'' کی خوشی میں سرشار تھی مگر اَب پالیا کے بعد کی سوچ نے اسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

''تصوراتی طور پر تو یہ بڑا حسین نظریہ ہے کہ آپ اپنی اصل پا کے اسے جو ہے جیسا ہے کی بنیاد پر قبول کر لیں۔ اور اس کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیں، مگر عملی طور پر بے پناہ مشکل غالباً ناقابل عمل۔ اس نے چھت پر ٹنگے سبز رنگ کے پنکھے کو گھر گھر کر کے ست رفتاری سے چلتے ہوئے دیکھا۔ اور اپنے گھر کے کمروں کو یاد کیا۔ جہاں کسی فرد کی موجودگی یا غیر موجودگی کے احساس کے بغیر ایئر کنڈیشنز تمام دن چلتے رہتے تھے اور جہاں بیٹھے ہوئے کوئی احساس تک نہیں کر سکتا تھا کہ باہر موسم کیسا ہے۔

''تم خوبصورت ہو، بے حد خوبصورت ہو۔'' پھر دادی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے لرزتی آواز میں کہا۔ ''سعید بھی خوش شکل تھا، مگر تمہارا حسن اور طرح کا ہے۔ تیکھا اور مغرور، یقیناً تم اپنی ماں کی طرح ہو۔''

ان کا اندازہ درست تھا۔

''مگر شاید یہ میرے حق میں زیادہ اچھا ہوتا جو میری شکل اپنے باپ جیسی اور سوچ ماں جیسی ہوتی۔'' اس نے کھڑکی کے قریب کھڑے ہوئے کر نیچے سڑک پر آتی جاتی ٹریفک کو دیکھتے ہوئے کہا'' مجھے مشکل فیصلوں سے تو نہ گزرنا پڑتا۔ میں ہر دن کو اس کے میرٹ پر گزارتی جاتی۔'' پھر کسی نے آ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ ایک معصوم شکل دبلی پتلی نازک سی لڑکی تھی۔

''میں آمنہ ہوں، ابھی اسکول سے آئی ہو، مجھے امی نے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔'' اس کی عمر بہت کم لگ رہی تھی مگر اس کا انداز گفتگو خاصا پختہ تھا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا تھا، مگر اب یہ محسوس ہو رہا ہے کہ نا قابل یقین حقیقتیں ایسی ہی ہوتی ہوں گی، آپ جیسی۔'' اس نے اس کے ساتھ گفتگو کے دوران کہا۔

پھپھو اس کے لیے کوئی خاص کھانا باوجود اس کے منع کرنے کے بنا رہی تھیں۔ آمنہ نہانے کے لیے چلی گئی، اور دادی کی غالباً کسی دوا کے زیر اثر آنکھ لگ گئی تھی۔ وہ اُٹھ کر ایک ذرا سے احساس ملکیت کے تحت گھر میں آزادانہ گھومنے لگی۔ پچھلی گلی کی طرف والے چھوٹے سے کمرے کے کواڑ بند تھے۔ وہ انہیں پیچھے دھکیل کر اندر آ گئی۔ یہ ایک خاصا منظم سا کمرا تھا۔ ایک قدرے نئے انداز کا سنگل بیڈ، ایک خوبصورت بک شیلف، رائٹنگ ٹیبل، ایک چھوٹی وارڈ روب۔

''خاصا مختلف۔'' اس نے گھر کے باقی کمروں سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے سوچا۔ اور بک شیلف کی طرف بڑھی۔ انگلش اور اُردو کی بہترین کتابوں کا خاصا بڑا ذخیرہ موجود تھا اس بک شیلف میں۔ وہ رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ مگر اس پر دھرے کاغذات اُٹھانے سے پہلے ہی اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سن کر مڑ گئی۔ پہلے اسے یوں لگا جیسے کمرے کی نیم تاریکی کی وجہ سے اسے کوئی دھوکا ہوا ہے۔ مگر پھر غور سے دیکھنے پر اپنی نظر پر یقین آ گیا۔ اور اس لمحے میں اسے اس بات پر بھی یقین ہو گیا کہ غیر متوقع باتیں ہو جانے پر بھی وہ کس مہارت سے اپنی حیرت چھپا سکتی ہے۔

اسی لیے تو اپنے سامنے شہر کے بہترین رپورٹر زعیم نیازی کو دیکھ کر اپنا دل ہل جانے پر بھی وہ سکون سے کھڑی رہی تھی۔

''اوہ میرے خدا!'' وہ بھی کچھ دیر گنگ کھڑا رہنے کے بعد بولنے کے قابل ہوا تھا۔

''میرے گھر میں اور میرے کمرے میں ان کاغذات پر ہاتھ ڈالتے ہوئے، خدا کی قسم مجھے یہ علم نہیں تھا۔ لیلیٰ غیاث الدین کہ تم اتنی بڑی جاسوس ہو، کس تنظیم سے تعلق ہے تمہارا۔ یہ تو بتاؤ۔'' وہ خاموش کھڑی رہی۔

''میں نے تمہیں ریڈ ہینڈڈ پکڑ لیا۔ ورنہ تم تو لے ہی چلی تھیں میری خفیہ دستاویزات، ایک تو یہ امی بھی باہر کا دروازہ بند نہیں رکھتیں، وجہ پوچھو تو یہ ہی کہ دستک کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اور بیل بجلی بند رہنے کی وجہ سے بجتی نہیں۔ کئی بار سمجھایا ہے کہ یہاں میرے اہم کاغذات پڑے ہوتے ہیں۔ اور مخالفین بے حد وحساب

ہیں۔مگر کوئی سنے تو یہ ایک نتیجہ تو آج سامنے آ ہی گیا۔''

اس نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ویسے یہ تو مجھے یقین تھا ہی کہ اپنی ماما کے ساتھ مجھے دیکھ کر تم میرے بارے میں جاننے پر تل جاؤ گی، انہونی ہمیشہ انسان کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے، مگر اس کا میں نے ابھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ میرا پیچھا کرتے کرتے میرے گھر تک پہنچ جاؤ گی۔''

''ہوگئی بات ختم؟''اس نے اس کے ذرا توقف کرنے پر موقع غنیمت جانتے ہوئے کہا۔

''ابھی کہاں ہوئی۔ابھی تو شروع ہوئی ہے بات۔''

وہ مسکرا کر بولا۔اور امی امی کرتا باہر نکل گیا۔ابھی کچھ دیر پہلے جب آمنہ نے اسے بتایا تھا کہ اس کا بھائی ایک اخبار میں کام کرتا ہے۔تو اس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ زعیم ہوگا۔اور یہ دن میں نجانے کونسی نئی سچوئیشن تھی۔

''یا خدایا۔ایک اپنوں سے ملنے کی خواہش ہی کی تھا ناں، اس کے پورا ہونے کے سلسلے میں کیا کیا دیکھنا پڑے گا۔''اس نے اُلجھ کر سوچا۔اور کرسی پر بیٹھ گئی۔پندرہ بیس منٹ کے بعد وہ واپس کمرے میں آیا۔ اب وہ خاموش تھا۔کچھ دیر دیوار پر لگے پوسٹر کو گھورنے کے بعد اس کی طرف مڑا۔

''میرا خیال ہے کہ انسان جتنا سوچے، اتنا ہی اس کو کارخانہ قدرت کے ایڈمنسٹریشن و نظام پر حیرت ہوتی ہے۔کچھ عرصہ قبل میں اکثر یہ سوچ کر حیران ہوتا تھا کہ میرے تصور کے برعکس تم مسز مصباح شیخ کی بیٹی نکلیں، اور اَب نجانے کتنے دن اس نئے انکشاف پر حیران ہوتا رہوں گا۔کتنی عجیب بات ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی تلاش کا حاصل تھے۔مگر اتنا عرصے اکٹھے رہنے کے باوجود یہ نہیں جانتے تھے۔اگر ہم میں کبھی اتنی انڈراسٹینڈنگ ہوتی کہ میں تم کو بتا سکتا کہ مجھے ایک شخص سعید الدین کی تلاش ہے۔اور تم مجھے یہ بتا سکتیں کہ تم کو اسی شخص کے گھر کی تلاش ہے تو شاید ہم اتنا خوار نہ ہوتے۔''

''لیکن اگر مجھے اس گھر میں داخل ہونے سے پہلے یہ پتا چل جاتا کہ یہ تمہارا گھر ہے تو میں شاید شدید خواہش کے باوجود یہاں نہ آتی۔''اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔اسے اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

''مجھے معلوم ہے۔''وہ حسب معمول چونکا نہیں تھا۔''اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے مگر لیلیٰ غیاث معاف کرنا لیلیٰ سعید الدین یہ تو مجھے اس نئے انکشاف کے بغیر ہی علم تھا کہ تمہاری شخصیت میں، تمہاری سوچ اور عمل میں کس قدر تضاد ہے۔''لیلیٰ کے دل نے ایک بیٹ مس کر دی۔اس کے ان بے رحمانہ تجزیوں سے ہی تو وہ خائف تھی۔

''مجھے معلوم تھا کہ جو تمہارا ماحول ہے۔اس میں تم ایٹ ہوم محسوس نہیں کرتیں۔بظاہر تمہاری شخصیت

میں کوئی کمی، کوئی کمزوری نہیں آتی، مگر تمہارا دل کتنا قوی ہے، تمہارے اِردگرد کا حصار کتنا مضبوط ہے، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں، اس لیے کہ میں چہرے پڑھ لینے کا فن جانتا ہوں۔''

اس نے پچھلی گلی کی جانب کھڑکی کھولتے ہوئے کہا۔اور کچھ دیر نیچے دیکھتا رہا۔

''ویسے یقین کرو، تمہارے برعکس اگر مجھے یہ پتا چل جاتا کہ تم میری فرسٹ کزن ہو تو میرا تمہارے ساتھ رویہ مختلف ہوتا۔ میں یہ کبھی نہیں چاہتا کہ ماموں کی طرح تم بھی کسی تضاد کا شکار ہو کر تباہی کی طرف بڑھو۔ خیر واقعات کے تسلسل کو یونہی چلنا تھا۔ یہ یونہی چلتا رہے گا۔ ہم کچھ بھی تبدیلی لانے سے قاصر ہیں۔ مگر ایک بات کا ادراک مجھے ابھی ابھی ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ عورت جس سے سعید ماموں نے شادی کی تھی اگر مصباح شیخ ہی تھیں، تو پھر یہ شادی کر کے انہوں نے اپنی موت کا سامان تو خود ہی کر لیا تھا۔''

اس کے چہرے پر سنجیدگی کا تاثر اُبھرنے لگا۔

''بہر حال، تم جس طرح یہاں پہنچیں، تمہاری ہمت کی میں داد دیتا ہوں اور تمہیں اس گھر میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ حالانکہ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ اس میں تمہارا آنا کوئی انوکھی بات نہیں ہونی چاہیے۔''

''آؤ بیٹا! کھانا تیار ہے۔'' پھپھو نے آکر اس کی گفتگو کا تسلسل توڑ دیا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار فرش پر بچھے دستر خوان ...... پر بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔ کھانا بھی اس کے معمول سے ہٹ کر تھا۔ بھنا گوشت تو غالباً محض اس کے لیے بنایا گیا تھا۔ ان لوگوں کا اپنا کھانا تو آلو دہی کا رائتہ، اور ماش کی دال تھی۔

''آپ کو علم ہے امی لیلیٰ اس طرح اور اس طرح کے کھانے کی عادی نہیں، مگر معاف کرنا لیلیٰ ہماری بساط تو یہ ہی ہے۔'' زعیم نے بیٹھنے سے پہلے کہا تھا۔

''آپ اِدھر کرسی پر آ جائیں، میں آپ کو میز رکھ کر کھانا لگا دیتی ہوں۔'' آمنہ نے دادی کو دلیہ اور سوپ پکڑاتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا۔

''نہیں، یونہی ٹھیک ہے۔'' اس نے ہمیشہ ہی نئی صورتحال سے سمجھوتا کیا تھا۔ پھر یہ تو بڑی معمولی سی بات تھی۔ وہ جوتے اُتار کر ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''کمال ہے امی'' آپ نے اپنے گھر کے پائپ کے پانی میں بازار کی برف ملا کر لیلیٰ کے سامنے رکھ دیا۔ اس کا پیٹ خراب ہو جائے گا۔ یہ لوگ تو پانی باہر سے منگوا کر پیتے ہیں۔'' کھانے کے دوران زعیم دوبارہ بولا۔

''تم طنز کر رہے ہو۔'' اس نے اَب کے ذرا سی سختی سے جواب دیا۔

''نہیں حقیقت بیان کر رہا ہوں، اس روز تم خود ہی تو شیری کو بتا رہی تھیں کہ جب سے تم پاکستان واپس آئی ہو، تمہارا پیٹ ٹھیک نہیں رہتا۔ ناخالص غذا اور غلط پانی کی وجہ سے۔''

''تم، تمہیں اتنی ذرا ذرا سی باتیں تو یاد رہتی ہیں مگر اہم بات بھول جاتی ہے۔ میں نے شیری سے یہ بھی کہا تھا کہ مجھے خود کو ان غذاؤں اور ان حالات کا عادی بنانا پڑے گا۔ کیونکہ اب مجھے یہیں رہنا ہے۔'' اس

نے اس کو لسی کے گلاس پر گلاس چڑھاتے دیکھ کر کہا۔

''خوب تو پھر یہ لو۔'' اس نے گلاس میں لسی ڈال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''زعیم بھائی! کیا آپ دونوں اپنے آفس میں بھی یونہی سوال جواب کرتے رہتے ہیں۔'' آمنہ نے پوچھا۔

''کچھ نہ پوچھو کہ وہ زبردست مخالفت ...... کیسے ختم ہوئی۔ یہ تو عشر عشیر بھی نہیں اس سوال جواب کا جو کبھی ہوا کرتے تھے۔'' وہ مسکرایا۔

''عادت ہے اس کی، ہمیشہ اپنی بات دوسرے کے ذہن پر مسلط کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔'' پھپھو نے کہا۔

''میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ تم دونوں اتنے عرصے سے اکٹھے کام کر رہے تھے مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک دوسرے سے کتنا اہم رشتہ ہے تمہارا۔''

''لوگ کہا کرتے تھے کہ خون کو خون پہچان لیتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز وقت ہے، خون بیچارا کیا حقیقت رکھتا ہے۔'' دادی نے لرزتی آواز میں کہا۔

''اِدھر آؤ بیٹی میری پاس بیٹھ کر کھانا کھاؤ، تم آئی ہو، تمہارے آنے نے میرے دل میں ٹھنڈ سی اُتار دی ہے۔ اگر چہ ایک الاؤ اِدھر اور بھڑک اُٹھا ہے۔ مگر شکر ہے خدا کا کہ سعید کے مرنے کی خبر سننے کے ساتھ ساتھ میں نے تمہیں محفوظ و مامون بھی دیکھ لیا، ورنہ نجانے کتنا تڑپتی۔''

''نانی جی! آپ کھائیں، اپنی ٹینشن مت، اور سو جائیں خوامخواہ میں آپ کا بی پی شوٹ کر جائے گا اور مجھے مصیبت پڑ جائے گی، میں نے ابھی جانا بھی ہے کام پر۔''

اسے معلوم تھا کہ زعیم ایسی خوشگوار نوک جھونک محض ماحول کی ٹینشن اور دکھ کا تاثر زائل کرنے کے لیے کر رہا تھا۔ جو پاپا کی وفات کی خبر نے صبح سے پیدا کر رکھا تھا۔ شاید ان میں سے کوئی دوسرا سچویشن کو اس طرح ہینڈل نہ کر سکتا۔ مگر پھر بھی نجانے کیوں اسکا وجود اس وقت سے اسے کھٹک رہا تھا جب سے اسے پتا چلا تھا کہ وہ اس کی سگی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ گویا اس کے سامنے اب تک اس نے جو بھرم قائم کر رکھا تھا آنِ واحد میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تھا۔

''مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

اس رات سونے کے لیے لیٹتے ہوئے اس نے سوچا۔

''اس کے بقول وہ پہلے سے ہی جانتا تھا کہ میری شخصیت میں کس قدر تضاد ہے، پھر ایسے آدمی کے آگے بھرم بنانے کا کیا فائدہ جو پہلے سے ہی بہت کچھ جانتا ہو۔'' اس رات اپنے خوبصورت بیج اور آرام دہ کمرے میں لیٹے ہوئے بھی بار بار اسے سبز پنکھے کی گھر گھر اور قدیم وضع کے فرنیچر سے مزین ایک کمرا بری

طرح یاد آتا رہا۔

اس دن کے بعد سے اس کی روٹین میں ایک نئے معمول کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ دادی نے پہلے روز اس سے کہا تھا کہ اگر اس کو اس گھر اور وہاں کے لوگوں نے مایوس کیا تھا تو بھی ان کے لیے اس کا ایک بار آنا ہی بہت تھا۔ مگر اب وہ ان کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے اکثر وہاں جاتی تھی۔ بہت سارا وقت وہاں گزارتی تھی۔ اور وہاں بیٹھے ہوئے اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ اپنی بنیاد...... کو پکڑ رہی ہے۔ اس صاف ستھرے قناعت بھرے ماحول میں اسے کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مگر نجانے کیوں وہ لاشعوری طور پر اس وقت وہاں جانے کو ترجیح دیتی۔ جب اسے علم ہوتا کہ زعیم گھر پر نہیں ہوگا۔ آفس میں بھی اس کے نائٹ شفٹ میں چلے جانے کی وجہ سے اگرچہ اس سے بہت ہی کم ملاقات ہوتی تھی، مگر جب بھی ہوتی، وہ لاشعوری طور پر مصروف نظر آنے کی کوشش کرتی رہتی۔ اسے اس کی مسکراتی آنکھیں اور چہرا چبھنے...... لگتا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ پہلے سے جانتا تھا کہ وہ اسے کیوں Avoid (نظر انداز) کر رہی ہے۔ یقیناً وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو بھی علم ہو کہ وہ دونوں اپنے درمیان ایک تعلق دریافت کر چکے ہیں۔ مگر اس کی وجہ وقتی کا مسئلہ ہرگز نہیں تھا۔ یہ وہ جانتی تھی کہ یہاں یہ بات کھلنے پر پھیل کر ماما تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ اور اس صورتحال سے وہ ہر حال میں بچنا چاہتی تھی۔ فی الحال اس کے لیے یہ ہی کافی تھا کہ وہ اپنی تلاش میں کامیاب ہو گئی تھی۔

اس روز وہ بہت دن کے بعد دادی اور پھپھو سے ملنے آئی تھی۔ اس کی توقع کے خلاف زعیم گھر پر تھا۔

''میرے خیال سے تمہیں میرے بارے میں ہر خبر سے بے خبر رہنے کا خبط ہو گیا ہے۔'' اس نے اس کی حیرت بھانپ کر کہا۔

''شاید تمہیں علم نہیں پرسوں سے میں چھٹی پر ہوں۔ اور آیندہ کچھ دیر رہنے کا ارادہ بھی ہے۔''

''کیوں؟'' اس نے ہاتھ میں پکڑے پھلوں اور دواؤں کے لفافے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''پتا ہے کیا تمہارے یہاں آنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ نانی جی کے سلسلے میں میرا تقریباً آدھا بوجھ کم ہو گیا۔ چلو آج سے نورمن کی ایک ڈیبا تمہارے ایک میرے ذمے۔'' اس نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''دادی کا آدھا تو کیا پورا بوجھ میرے ذمے، اور پھپھو اور آمنہ تو خیر ویسے میری بہت اپنی سی ہیں۔ تم صرف اپنا فکر کر لیا کرو، یہی بہت ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''واہ بھئی واہ کیا پلی پلائی کماؤ پوتی اور بھتیجی مل گئی بیٹھے بٹھائے، صاحب زر و جائیداد، گویا ہمارا پتا تو بالکل کٹ گیا۔'' وہ زور سے ہنس کر بولا۔

''ایسا ہی سمجھو۔'' اس نے شاپنگ بیگ سے دو نئے سوٹ نکال کر آمنہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

''مگر لیلیٰ۔ میں ایسا سمجھنا نہیں چاہتا۔'' آمنہ اس کے لیے پانی لانے کو اٹھی تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

''کیوں؟'' اس نے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا۔

''امی اور آمنہ خالصتاً میری ذمہ داری ہیں اور یہ۔''

اس نے آمنہ کے سوٹ پکڑ کر کہا۔

''خاصی لگژری ہے ہمارے نزدیک، ہمیں ہمارے وسائل تک رہنے دو، آمنہ ابھی چھوٹی ہے۔ نا سمجھ اس کی آنکھوں کو ایسے خواب بننے کا عادی نہیں ہونا چاہیے۔ میں تو خاتون! پہلے ہی بڑی مشکل سے مینج کرتا ہوں۔'' وہ خاصا سنجیدہ ہو چکا تھا۔

''دیکھو زعیم۔ پہلے کی بات اور تھی، پہلے تو ہم ایک دوسرے سے ناواقف تھے، اس لیے بات بے بات ایک دوسرے کی مخالفت اپنا فرض اولین سمجھتے تھے۔ مگر اب کی بات اور ہے۔''

اس کی بات کے ساتھ اس کا لہجہ بھی بدلنے لگا۔

''اَب تو ایسے نہ کرو، تم نہیں جانتے میں نے برسوں اس گھر اور اس گھر کے مکینوں کے خواب دیکھے ہیں۔ ان سے ملنے، ان میں رہنے، اُٹھنے بیٹھنے کے خواب، جب میں نے جاب کی، تو سوچا کہ کبھی ایسا ہوگا جب مجھے ملنے والی تنخواہ میرے اپنے علاوہ کسی اور کے کام آئے گی، جب کوئی میری لائی ہوئی چیزیں دیکھ کر خوش ہوگا۔ میرے لیے خود اپنے لیے ان چیزوں اور پیسوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی، اس لیے کہ یہ میری ضرورت نہیں تھے، مگر میں ان کو اہم بنانا چاہتی تھی۔ کسی اپنے کے لیے، بڑی مشکل سے مجھے اپنے دیرینہ خوابوں کی تعبیر ملی ہے، مجھ سے یہ تعبیر مت چھینو، پلیز زعیم۔''

نجانے کیسے اس کی باتوں اور لہجے میں پسپائی کے شکست خوردگی کے آثار اُبھرنے لگے۔ اس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں، جبکہ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ ایک اس شخص کے سامنے وہ کبھی خود سے وہ ظاہر نہیں کرے گی، جو اس کے دل میں تھا۔ خواہ وہ پہلے سے سب ہی کچھ کیوں نہ جانتا ہو، مگر آج اچانک اس پر انکشاف ہوا تھا کہ اس شخص کا وجود نامحسوس طریقے پر اس کے لیے احساس تحفظ اور تسلی کا باعث بن رہا ہے۔ کم از کم ایک وہ شخص جو اس کے احساسات اور کیفیات کو پہلے سے جان سکتا تھا۔

''ہاں!'' اس نے کچھ دیر اس کی بات پر غور کرنے کے بعد سر ہلایا۔ ''شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔ مگر لیلیٰ تمہاری بات مختلف ہے، تم ابھی فیصلہ نہیں کر پائیں۔ آج تو تم کو یہ سب نیا نیا لگ رہا ہے، تبدیلی ہمیشہ خوشگوار لگتی ہے۔ یہ ماحول اور یہاں کے لوگ نئے ہیں، پھر تمہیں اس بات کی بھی خوشی ہے جو تم نے چاہا تھا۔ بالآخر پا لیا۔ مگر کل جب فیصلے کا وقت آئے گا تو بہت ممکن ہے تمہیں اس سب سے چڑ ہو جائے تم جس زندگی کی عادی ہو اس کا تو یہ عشر عشیر بھی نہیں۔ پھر تم واپس لوٹ جاؤ گی۔ نئے سرے سے سمجھوتے کرو گی اپنے لیے۔ اور سارا نقصان تو ہمارا ہوگا نا یہاں سب تمہارے وجود کے، محبتوں اور شفقتوں کے عادی ہو جائیں گے، تم چلی گئیں تو پھر سب ہی بری طرح اَپ سیٹ ہو جائیں گے۔ سو ابھی دیکھو اور پرکھو۔''

''زعیم ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' دادی جو اشاروں سے نماز میں مصروف تھیں فارغ ہو کر بولیں۔ ''بیٹا تمہاری ماں بالآخر تمہاری ماں ہے، یہ رشتہ ہر رشتے سے بھاری ہوتا ہے۔ آج تمہیں اس کے رویے تنگ کرتے ہیں۔ کل اس سے دور ہو کر وہی تمہیں یاد آنے لگیں گے۔ یہ بڑی غیر فطری سی بات لگتی ہے کہ اپنے ماحول میں ذہن نہ ملنے کے باعث انسان سب رشتے، رشتہ داریاں، دوستیاں اور اپنا طرز زندگی چھوڑ دے۔ جذبات کا کیا ہے، وہ تو انسان کو اندھا بھی بنا سکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ جذباتی بن کر نہیں دل سے سوچو۔ ماں کو آگاہ کرو۔ وہ چاہے تو شوق سے آؤ جاؤ۔ منع کرے تو منع ہو جاؤ۔ ہمارا کیا ہے، ہم تو پہلے سے ہی صبر کرتے آنے کے عادی ہیں۔''

''آپ نہیں جانتیں دادی۔'' وہ اُٹھ کر ان کے پاس آ گئی۔ ''میں بظاہر جتنی لاپروا۔ اور لا اُبالی نظر آتی ہوں میرے فیصلے اتنے لاپروایانہ نہیں ہوا کرتے، ایک بات سوچ لی بس سوچ لی، فی الحال مجھے کچھ وقت درکار ہے۔ ویسے اگر آپ میں سے کسی کو میرا یہاں آنا بُرا لگتا ہے تو بتا دیں۔''

اس کی آواز اس آخری جملے کے ساتھ گھٹ سی گئی۔

''خدا نہ کرے جو ہم میں سے کسی کو تمہارا یہاں آنا بُرا لگے۔'' پھپھو نے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ ''تم تو ہماری اس خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔ جو تمہارے آنے کے دن سے لے کر اب تک ہم محسوس کر رہے ہیں، تم آتی ہو تو جیسے رونق سی لگ جاتی ہے چلی جاتی ہو تو رونقیں بھی سمیٹ کر لے جاتی ہو۔ اب تو لگتا ہے ساری خوشیاں ہی تمہارے دم قدم سے ہیں۔''

''اتنی اپنائیت، اتنا پیار۔'' اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ اسی اپنائیت کو وہ تمام عمر ترستی رہی تھی۔ اپنے وجود کی نفی کا احساس ہی تو ہمیشہ مارتا رہا تھا۔ اگر ماما اس اپنائیت بھرے لہجے کا ایک فیصد بھی اس کو دے دیتیں تو اس کے قدم شاید کبھی ادھر نہ پڑتے۔ مگر وہ تو دانے کا لفافہ لیے تمام عمر آگے آگے بھاگتی رہیں، اور وہ ان کے پیچھے سرپٹ بھاگتی اپنا سانس پھلاتی رہی۔ اور یہاں چند ہی دنوں میں اسے کتنی اہمیت اور پیار مل چکا تھا۔

''سچ ہے انسان میٹھے بولوں کا ہی غلام ہوا کرتا ہے۔''

اس نے دل میں سوچا۔ اس روز اس گھر میں تھوڑی سی ہلچل تھی۔ دادی، پاپا، کا ختم دلانا چاہتی تھیں۔ پھپھو اور آمنہ کھانا بنا رہی تھیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ چھوٹے سے کچن میں گھس گئی۔

''تم کہاں گرمی میں گھس آئیں؟'' پھپھو نے اسے باہر جانے کے لیے کہا۔ مگر وہ ان کو کام کرتے دیکھتی رہی۔

''شاید جب سے پاپا کا انتقال ہوا ہے تب سے پہلی بار ان کے لیے کسی نے ایسے کیا ہے۔ ماما سے تو یہ توقع ہی عبث تھی اور مجھے ان باتوں کا کانسیپٹ ہی نہیں تھا۔'' اس نے آہستہ آواز میں ان کو بتایا تھا۔

''آمنہ! تم نے اسے گرمی میں بٹھا رکھا ہے، کہیں بیہوش وغیرہ ہوگئی تو شہر بھر ہماری شامت بلانے آ کھڑا ہوگا۔'' زعیم نے باہر سے ہانک لگائی تو وہ اُٹھ کر باہر آ گئی۔

''کیا تم مجھے ان چیزوں کا عادی ہوتے دیکھنا نہیں چاہیے۔'' اس نے اس کے کمرے میں آ کر پچھلی کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں غیر حقیقی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ بس اتنی سی بات ہے۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی کامیڈی آف ایررمیز پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''غیر حقیقی کیا؟'' اس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر اپنا رخ پھیر لیا۔

''ہاں یہ خوبصورت ہیں۔ ان میں ایک عجیب سا سکوت اور سکون ہے۔''

اس نے پتلی اور پیچیدہ نیم تاریک گلیوں کو دیکھ کر کہا۔

''مجھے ان کو دیکھ کر بے حد سکون ملتا ہے۔ یہ زندگی کی ساری تیز رفتاری، خود غرضی، گھما گھمی اور بے حسی سے بے نیاز گلیاں صدیوں کی تاریخ جانتی ہیں، مگر کتنی پر سکون ہیں۔'' پھر اس نے اچانک بات بدلتے ہوئے کہا۔

''تم نے میری بات ٹال دی۔'' وہ اُٹھ کر اس کے قریب آیا اور اس کی پشت پر کھڑے ہو کر اس نے بھی ایک نظر ان ٹھنڈی اور نیم تاریک گلیوں پر ڈالی۔

''خیر، ایک مشورہ دوں، اگر مانو تو۔'' پھر اپنی جگہ واپس جاتے ہوئے اس نے کہا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ہر ایک چیز میں اتنی Fascination ہوتی نہیں جتنی تم پیدا کر لیتی ہو۔ یہ نیم تاریک سرد گلیاں اور ان کے مکین تمہیں بڑے اچھے لگتے ہیں۔ مگر کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہاں کے رہنے والے تمہارے ادھر کے پوش علاقوں کے ولاز کو رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ یہاں پر رہنے والے معاشرے کے مظلوم اور سہمے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان سنہری مائل بوسیدہ دیواروں کے عقب میں رہنے والے مکین ایک لمبے عرصے سے نسل در نسل غربت اور زندگی کے مسائل کا بوجھ اُٹھائے زندگی گزارے چلے جا رہے ہیں، ان میں سے اکثر تو حال میں مگن، ماضی کی بھول بھلیوں میں گم مستقبل سے بے نیاز کچھوے کی سی چال چلتے زندگی کے نامعلوم راستے پر رواں دواں ہیں۔ مگر کچھ ان میں سے وہ بھی ہیں جو باہر کی دنیا کی رنگینوں سے متاثر ہو کر اپنے حال پر کڑھتے اور پھر فرار کا کوئی راستہ نہ پا کر غلط راستوں پر چل پڑتے ہیں اور یہ بہت بڑی ٹریجڈی ہے۔'' اس کے لہجے میں دُکھ تھا۔

''خیر تم بتاؤ۔'' اس نے بات بدلی۔

''کیا؟'' وہ مسلسل باہر جھانک رہی تھی۔

''وہ نہیں جو تم نے نانی جی اور امی کو بتایا ہے بلکہ وہ جو تمہیں مجھے بتانا چاہیے۔ تمہاری کہانی جو واقعی تم پر بیتی۔ بلا کم و کاست۔''

''تم تو کہتے ہو کہ تمہیں پہلے سے ہی سب پتا ہوتا ہے۔'' اس نے بغیر مڑے کہا۔

''ہاں۔ مگر ممکن ہے کہ واقعات کی ترتیب کچھ غلط ہو چکی ہو۔ ویسے بہت سی باتیں میرا اپنا اندازہ ہیں۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔ یقیناً وہ لمحہ ہی کمزور تھا جو اس نے بے حد سچائی اور سکون سے اس کے سامنے بیٹھ کر لفظ بہ لفظ اس کو اپنی کہانی بلا کم و کاست سنا دی۔ اور اس کے بعد اسے یوں لگا جیسے اس کے دل پر سے کوئی بوجھ سا اُتر گیا ہو۔ کتنی ناقابلِ یقین سی بات تھی کہ کل تک جو شخص اس کا Arch Rival تھا آج اس کا ہمراز بن رہا تھا۔ وہ باتیں جو آج تک اس نے اپنے علاوہ کسی سے نہیں کی تھیں، وہی وہ اس سے کر رہی تھی اور اپنی بات کے اختتام پر اس نے دیکھا، وہ ایک کڑی خاموشی کے ساتھ خلا میں کہیں نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

''میں تمہارے یہاں آنے کو درست تسلیم کرتا ہوں۔ تم نے مجھے سب کچھ سنا دیا حالانکہ یہ میری توقع کے خلاف تھا۔ میں شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھ پر اعتماد کیا۔ یہ بڑی غیر معمولی سی بات ہے۔ اچھا یہ بتاؤ آج کل کس موضوع پر لکھ رہی ہو۔''

''پچھلے دنوں جو سیمینار ماحولیاتی آلودگی پر ہوا تھا، اس پر۔ اس کے علاوہ Battle Against Norcotics (منشیات کے خلاف جنگ) کے سلسلے میں معلومات اکٹھی کر رہی ہوں۔''

''اچھا'' وہ مسکرایا۔ ''جب اکٹھی کر لینا تو مجھے بھی بتانا میرا علم اس سلسلے میں ادھورا ہے۔''

''تم نے چھٹی کیوں لی؟'' اس نے اُٹھتے اُٹھتے کہا۔

''کچھ امتحان وغیرہ دینے کا ارادہ ہے۔ اور اس کے علاوہ یہ ہے کہ ایک خاص کام کے سلسلے میں بھی، کل میرا اپائنٹمنٹ ہے تمہاری ماما کے ساتھ۔'' وہ باہر جاتے جاتے رُکی۔ مڑ کر اسے دیکھا اور پھر باہر نکل آئی۔ وہ ایک واحد موضوع تھا جس پر لاشعوری طور پر وہ اس سے بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔



اس روز زعیم کو اپنے ماضی کی باتیں سنانے کے بعد وہ خود بھی بھول گئی کہ ان دونوں کے درمیان یہ باتیں ہوئی تھیں اور زعیم نے بھی دوبارہ یہ بات پھر نہیں دہرائی تھی۔ وہ اپنے کام میں مگن تھی۔ گھر میں بھی سلمان کے واپس جانے کے بعد سکون تھا۔ وہ اپنے تازہ آرٹیکل کو دھڑا دھڑ ختم کرنے میں مصروف تھی۔

یہ آج راہ بھول کے آئے کدھر سے آپ
یہ خواب میں نے رات ہی دیکھا تھا خواب میں

عبدالمنان نے اسے دیکھ کر حسبِ عادت شعر پڑھا۔

''واقعی یار عبدالمنان!'' زعیم نے حیرت سے کہا۔ ''پھر تو بڑا ہی خوفناک خواب ہوگا وہ جس میں میں

تمہیں نظر آیا۔'' اس کی بات پر سب ہی ہنس رہے تھے۔

''تم سناؤ۔ تمہاری چھٹی ختم ہوئی یا نہیں۔ اور تم جو ایگزام دے رہے تھے، وہ کیسا رہا؟'' زیبا نے پوچھا۔

''چھٹی بھی ختم ہوگئی اور ایگزام بھی ...... دونوں ہی اچھے گزر گئے۔ تم لوگ سناؤ تمہاری کیسی گزری۔''

''ہماری چھوڑو، اپنی کہو۔ بہت ہی اونچا اونچا اُڑ رہے ہو۔ عرصہ پہلے ایک روز میں نے تمہیں سیاہ بیوک میں بیٹھے دیکھا تھا۔ اور ہفتہ دو ہفتے پہلے تم ایک عدد سیاہ کریسلر ڈرائیو کرتے یوں میرے قریب سے گزرے جیسے پیدا ہی اس گاڑی میں ہوئے تھے۔ آخر چکر کیا ہے؟''

''سیاہ کرتوتوں کا چکر ہے سارا۔ کہ جو بھی گاڑی ملتی ہے سیاہ ہی ملتی ہے۔'' اس نے مذاق سے جواب دیا۔

''تو کیوں پڑ گئے ہو سیاہ کرتوتوں کے چکر میں؟'' شیری نے حسب معمول سنجیدگی سے پوچھا۔

''بس صاحب کیا بتائیں، یہ دن رات کا پھیر ہی کچھ ایسا ہے۔ یوں سمجھ لو

ہر قدم دست و گریباں ہے یہاں خیر سے شر

ہم بھی کس معرکہ جنگ و جدل میں آئے

''کیوں یار عبدالمنان شعر ٹھیک پڑھا میں نے؟'' وہ عبدالمنان کی طرف مڑا۔ وہ سر جھکائے اپنے کام میں مصروف رہا۔

''اور آپ سنائیں مس غیاث الدین۔ آپ کیسی ہیں۔'' پھر وہ اس کی طرف آیا۔ ''بے مقصد مجھے اِگنور کرنے کی کوشش کرو گی تو خواہ مخواہ نظروں میں آجاؤ گی۔ یہ ایکٹنگ کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ میرے خیال سے نارمل انداز اختیار کرنا بہتر رہے گا۔''

......وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔ غالباً وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اس نے جھکا سر اُٹھا کر مسکرا کر دیکھا۔

''بیٹل اگینسٹ نارکوٹکس کہاں تک پہنچا......'' وہ اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے نوٹس کا کچھ حصہ اس کے آگے رکھ دیا۔

''اچھا چلو، پھر کبھی بات ہوگی۔'' اچانک شاید اسے کوئی کام یاد آ گیا تھا۔ جب ہی وہ اُٹھ کر جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

''چلیں زین؟'' پھر اس نے زین کو ساتھ لیا اور باہر نکل گیا۔

''یا تو یہ انڈر پریشر کام کر رہا ہے یا پھر کوئی بہت ہی مشکل فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ ربانی صاحب کی بڑی مرضی تھی اس کو پشاور بھیجنے کی وہاں کسی قبائلی جھگڑے کی خبر لانے کے لیے۔ مگر اس نے انکار کر دیا ورنہ پہلے یہ ہمیشہ ایسے کاموں میں بڑا سرگرم ہوا کرتا تھا۔'' شیری نے اس کو آہستہ آواز میں نہ جانے یہ بات کیوں بتائی تھی۔

منشیات کے خلاف جنگ کے سلسلے میں لکھا جانے والا آرٹیکل واقعی مشکل بنتا جا رہا تھا۔ یہ محض اتفاق

تھا کہ اس سلسلے میں اس کی ملاقات حمید عرف میدا سے ہوگئی جو ہیروئن کی انڈر ہینڈ سپلائی کا کام کرتا تھا۔ نام ظاہر نہ کرنے کا وعدہ کر لینے پر وہ اسے کچھ تفصیلات مہیا کرنے پر تیار ہوگیا تھا۔ اسے اس بات سے غرض نہیں تھی کہ وہ کیا اور کیسے کرتا ہے اسے تو صرف اپنے آرٹیکل کے لیے مواد چاہیے تھا۔ وہ اسے حمید عرف میدا سے مل چکا تھا اور جس روز اس کا وہ آرٹیکل مکمل ہوا، وہ دادی سے ملنے چلی آئی۔

زعیم گھر پر نہیں تھا۔ یہ بات وہ جانتی تھی۔ اس نے دوپہر میں لنچ کے ٹائم پر اسے ماما اور ایک عرب شیخ کے ساتھ آواری میں دیکھا تھا اور اس بات نے اسے خاصا اَپ سیٹ کر رکھا تھا، اسے یقین تھا کہ جس وقت وہ اِدھر آئی تھی اس وقت بھی وہ ماما کے ساتھ ہی ہوگا اور اس کے بعد آفس پہنچے گا۔ اسے رہ رہ کر یہ خیال آرہا تھا کہ زعیم کہیں نہ کہیں کوئی ڈبل گیم کھیل رہا تھا۔ مگر اس وقت اپنی تمام تر کوشش کے ساتھ یہ خیالات بھلائے پھپھو اور آمنہ سے باتیں کر رہی تھی۔ آمنہ اس کے کرتے پر خوبصورت کڑھائی کر رہی تھی اور پھپھو دوپٹے پر کروشیا کی بیل بنا رہی تھیں۔ اور وہ ان دونوں کی مہارت دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

''اس روز جو آپ نے چکن کا کرتا پہن رکھا تھا، وہ یقیناً بہت مہنگا ہوگا۔'' آمنہ نے کہا۔

''ہاں۔'' اسے یاد آیا۔ وہ چکن رشنا نے خاص طور پر اس سیزن کے لیے باریک فرنچ پیور کاٹن پر بنوائے تھے اور مارکیٹ میں ان کی قیمت یقیناً بہت زیادہ تھی۔

''آپ مجھے اپنا کرتا لا دیں تو میں اپنے ہاتھ سے آپ کو اس سے زیادہ نفاست سے چکن کاڑھ دوں گی۔''

''تم۔'' وہ حیران ہوئی۔ ''کمال چیز ہو بھئی۔''

''اس میں کمال کی کیا بات ہے۔ میں نے تمام عمر اس کے علاوہ اور سیکھا ہی کیا ہے۔ آپ جو کچھ جانتی ہیں، جو کچھ سمجھتی ہیں جتنا کر سکتی ہیں اس کے آگے میرا یہ ہنر تو پانی بھر سکتا ہے۔'' اس نے قدرے مایوسی سے جواب دیا۔

''نہیں آمنہ! ہنر کوئی بھی بے قیمت اور چھوٹا نہیں ہوتا یقین کرو کہ میرا کوئی بھی کمال تمہاری خوش قسمتی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔'' اس نے کہا اور اُٹھ کر دادی کے پلنگ کے قریب آگئی۔

''یہ آج راہ بھول کے آئے کدھر سے آپ
یہ خواب میں نے رات ہی دیکھا تھا خواب میں''

اسی وقت اسے پیچھے سے زعیم کی آواز آئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔

''یہ ہی سنایا تھا ناں منان کبوتر نے اس روز۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ ''چلو آج یہی شعر تمہاری نذر کر رہا ہوں۔''

''تم اس وقت کیسے آئے، آفس نہیں گئے کیا۔'' اس نے نیچی آواز میں کہا۔

''نہیں، اس لیے کہ میرے سر میں درد ہو رہا تھا۔ میں ظفر سے کہہ آیا تھا میری رپورٹ پہنچا دے گا۔

ویسے تم اس وقت کہاں سے ٹپک پڑیں۔ تمہیں تو آج اکیڈمی جانا تھا ڈراما وغیرہ کے سلسلے میں۔"

"میرے بھی سر میں درد ہو رہا تھا، میں نے تہمینہ کو بھیج دیا۔"

"تمہیں بھی اور مجھے بھی، یہ تو سر کا درد مشترک ہوا نا۔" وہ ہنسا۔ وہ اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر اُٹھ کر باہر صحن میں آگئی۔ آج دادی بھی تھوڑا سا چل کر باہر آئی تھیں۔ پھپھو نے ان کے لیے چارپائی بچھا رکھی تھی۔ وہ ان کے پاؤں کے قریب بیٹھ گئی۔

"آمنہ! چائے جلدی بنالو۔ تم تو ایسے لگ رہا ہے پائے گلا رہی ہو۔" وہ بھی باہر آگیا تھا۔

"گوڈے گٹے ہلانے میں کوئی حرج نہیں نانی جی۔ بندے کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ بس کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جب تک دم میں دم ہو چلتا رہے۔" اب وہ دادی سے مخاطب ہوا۔

"چل ہٹ۔" دادی نے اسے ہاتھ سے پرے کرتے ہوئے کہا۔

"لو اب بلاوجہ ناراض ہوگئیں۔ ایک تو مجھے ناراضگی کی تھیوری سمجھ میں نہیں آتی۔ لوگ اچھے بھلے بیٹھے بٹھائے ناراض ہو جاتے ہیں۔"

وہ ہنستا ہوا سیدھا ہوا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ یہ بات اسے سنا رہا تھا۔ مگر وہ بغیر کوئی ردعمل ظاہر کیے ساکت بیٹھی پھپھو کے تیزی سے چلتے ہاتھوں میں بھنڈیاں کٹتے دیکھتی رہی۔

"پھپھو آج پھر بھنڈی کی بھجیا بنا رہی ہیں۔" اس نے ذہن بٹانے کی خاطر سوچا۔

"کتنا ذائقہ ہے پھپھو کے ہاتھوں میں۔ یہ چیز جو میں نے آج تک کبھی نہیں کھائی تھی، کتنا مزا آتا ہے اسے کھانے میں۔"

حقیقت میں وہ پھپھو کے ہاں آکر نئے نئے کھانوں سے واقف ہوئی تھی۔ بھنڈی کی بھجیا، آلو اور چولائی کا ساگ مونگ کی بھنی دال، بینگن اور اروی ہر ایک چیز کا نیا ذائقہ تھا۔ وہ ایک بار بھی بور نہیں ہوئی تھی، ورنہ اپنے ہاں تو کئی مرتبہ اس کا کھانا کھانے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا۔

"شاید تبدیلی ہوتی ہی خوشگوار ہے۔" اس نے پھپھو کو بھنڈی کا کچرا سمیٹتے دیکھ کر سوچا۔

"آمنہ دو گولیاں پان اسٹان کی لیلیٰ کو بھی دے دو لگتا ہے اس کے سر میں درد کچھ زیادہ شدید ہے۔" زعیم کی آواز نے اسے چونکا دیا، اس نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ اسے لگا جیسے وہ اسے چڑا رہا تھا۔

"مجھے پتا ہے تم نے مجھے آج پھر اپنی ماما کے ساتھ دیکھ لیا ہے، جب ہی مزاج کا یہ حال ہے۔" آمنہ دادی کو سہارا دے کر اندر لے کر گئی تو اس نے موقع غنیمت جان کر فوراً اسے مخاطب کیا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" اس نے لاپروائی ظاہر کی۔ وہ ایک بار بھی اس کو یہ جتانا نہیں چاہتی تھی کہ ماما کے ساتھ اس کے تعلق نے اسے شدید جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رکھا ہے۔

''فرق تو بہر حال پڑتا ہے اور تمہیں بے حد پڑ رہا ہے۔'' وہ مسکرایا۔
''اصل میں کوئی بھی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی اس لیے تم جھنجلا رہی ہو۔ یہ بھی خیال آتا ہوگا کہ کہاں میں کہاں تمہاری ماما مگر کبھی کبھار ایسے چکر بھی ہو جایا کرتے ہیں۔''
''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اس نے نہ چاہتے ہوئے اس موضوع پر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
''تم ماما کو کسی چیپ قسم کے تھرڈ کلاس اسکینڈل میں انوالو خاتون ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ایسی باتوں سے ...... ماورا ہیں۔ ہاں انہوں نے تمہیں کسی خاص کام کے لیے ہائر کیا ہوا ہو تو اور بات ہے۔'' لاشعوری طور پر اس کے لہجے میں نخوت اور غرور کا سا تاثر اُتر آیا۔ ''ہاں، یہ لہجہ ثابت کر سکتا ہے کہ تم مسز مصباح شیخ کی بیٹی بھی ہو۔ صرف میرے ماموں کی ہی نہیں۔'' وہ بغیر متاثر ہوئے بولا۔ ''دراصل تم ہر بات کو بے حد شدت سے محسوس کرنے اور سوچنے کی عادی ہو، یہ عادت سے زندگی کو مشکل بنا دیتی ہے، تمہارے برعکس رشنا کا مزاج بالکل اور طرح کا ہے۔''
''رشنا!'' وہ چونکی۔ ''تم رشنا کو کیسے جانتے ہو؟''
''حالانکہ تمہیں پوچھنا چاہیے تھا کہ تم رشنا کو کتنا جانتے ہو، میں بہت سارے لوگوں کو جانتا ہوں لیلیٰ بی بی، آپ کس کس کے بارے میں سوال کریں گی۔'' وہ...... زور سے ہنس کر بولا۔
''میرے خیال تے تمہیں اپنے متعلق دعوے کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں آتا۔'' اس نے اپنا لہجہ بدلے بغیر کہا۔
''چلو۔ کوئی ایک کام تو آتا ہے ناں۔ ویسے میں سچ کہہ رہا ہوں تمہیں کوئی سرا نہیں ملا اس بات کا اس لیے ہی تم مجھ پر خفا ہو رہی ہو۔ جب کہ تمہیں خود سے خفا ہونا چاہیے تھا۔'' وہ خاموش رہی۔
''اخبار والے تو ہر بات سے باخبر ہوتے ہیں اور تم تو ایک بہت ہی لائق، ذہین، قابل، پڑھی لکھی کالمسٹ کے طور پر مشہور ہو۔ تمہیں تو ایک معمولی سی بات پر اتنا اُلجھنا زیب نہیں دیتا۔'' پھر وہ خود ہی بولا۔
''ویسے تمہاری ماما کی شخصیت بڑی زبردست ہے۔ وہ عربوں کو بھی انگریزی بولنے پر مجبور کر سکتی ہیں، یہ آج مجھے پتا چلا ہے۔''
''تم کو ابھی ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں پتا۔'' اس نے اسی تلخی سے کہا۔
''ہاں بھئی، ان کے بارے میں ہر روز ایک نئی بات کا مجھے پتا چلتا ہے۔ آج مجھے یہ بھی پتا چلا کہ شیخانِ عرب کو اپنے پیٹرو ڈالرز برباد کرنے پر کس طرح راغب کیا جا سکتا ہے۔''
''تم پھر طنز کر رہے ہو۔'' اس نے جھلا کر اُٹھتے ہوئے کہا۔
''بیٹھ جاؤ لیلیٰ، تم خواہ مخواہ میں وہ محسوس کیے جا رہی ہو جو میں کر ہی نہیں رہا۔ دفع کرو اس ٹاپک کو۔ یہ بتاؤ تمہارا آرٹیکل ختم ہوا؟''

''ہاں!'' وہ عادتاً پچھلی بات بھلا کر اس موضوع پر آ گئی۔
''تمہیں تو پہلے سے ہی علم ہوگا کہ منشیات ...... خصوصاً ہیروئن کس طرح پورے ملک میں سپلائی کی جاتی ہے۔'' اس نے دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ آمنہ اور پھپھو بھی اپنے کاموں سے فارغ ہو کر باہر آ بیٹھی تھیں۔

''بیٹا، اس کو پھیلانے کے لیے کالے دل کے، کالے ذہنوں کے لوگ چاہیے ہوتے ہیں، پھر یہ خود بخود پھیل جاتی ہے۔'' پھپھو نے دوپٹے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

''نہیں پھپھو ...... ایک اس لاہور شہر میں ان کے بیسیوں اڈے ہیں۔ مجھے پتا چلا ہے کہ ہیروئن سے لدے ہوئے ٹرک جب شاہدرہ پل سے گزرتے ہیں تو ان کے آگے ایک سفید کار نشانی کے طور پر چل رہی ہوتی ہے۔ اس نشان کو دیکھ کر کوئی چیکنگ کے لیے آگے نہیں بڑھتا۔ یہاں سے ایک موریہ، دوموریہ پل کی طرف چلی جاتی ہے۔ وہاں پر سب اڈے ہیں جہاں مال بیچا اور خریدا جاتا ہے۔ یہ مافیا اور انتظامیہ کی ملی بھگت ہے جس کے ذریعے سارا کاروبار چلتا ہے اور وہاں سے پھیری والوں، شو پالش والوں کے ذریعے سارے شہر میں پھیلا دیا جاتا ہے۔'' وہ حمید عرف میدے کی فراہم کردہ معلومات بیان کر رہی تھی۔

''پھیری، ٹھیلے والے اس سے کیا منافع لیتے ہیں؟'' آمنہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''بہت زیادہ۔ ایک پڑیا کی قیمت اصل سے دگنی اور ظاہر ہے کہ خالص ہیروئن تو کوئی پی نہیں سکتا۔ اس کی پوٹینسی کم کرنے کے لیے اس میں ملک پاؤڈر وغیرہ ملا دیا جاتا تھا۔ مگر اب پھیری والے اس ناجائز کاروبار میں بھی مزید ہیرا پھیری کر رہے ہیں۔ اس میں واشنگ پاؤڈر، بلیچنگ پاؤڈر اور سوڈا وغیرہ ملا دیا جاتا ہے جس سے انجام بالخیر اور بھی جلدی ہو سکتا ہے۔ یہ کتنی تکلیف دہ بات ہے کہ وہاں سے لوگ یہ زہر لا کر صرف اپنے فائدے کے لیے پورے ملک کے لاکھوں شہریوں کو موت کے منہ میں لے جاتے ہیں اور ان کے خلاف ایکشن لینے والے ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔''

''تمہیں یہ معلومات کہاں سے ملیں؟'' زعیم نے پہلی بار پوچھا۔

''مافیا کے ایک سورس سے۔ ویسے تمہیں تو سب علم ہوگا میں کیا اور میری معلومات کیا۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں اسے دیکھا۔'' کہ اس کو اس شہر میں اور پورے ملک میں کون پروٹیکشن دیتا ہے۔ انتظامیہ کے علاوہ اس کا پیٹرون ''سرپرست'' کون ہے۔ وہ کون ہے جس کے قبضے میں انتظامیہ ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''ظاہر ہے وہ لوگ جو سرمایہ دار کہلاتے ہیں اور اپنی بلیک منی کہیں کھپانے کی فکر میں رہتے ہیں، اسی معاشرے میں رہنے والے لوگ ہمارے اردگرد ہی کہیں موجود ہیں۔ ان کو پیٹرونائز کرنے والے۔''

''ہاں، ہمارے اردگرد ہی۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''دھیان رکھا کرو۔ کیا خبر کبھی کسی وقت تمہارے اردگرد بھی۔''

''خیر۔ فی الحال مجھے اس سے غرض نہیں۔ ابھی تو میرا آرٹیکل مکمل ہوا ہے۔ اب کچھ دن کے لیے

میرے سر سے بوجھ ٹلا۔"

اس نے شانے اُچکائے اور لاپروائی سے بولی۔



مگر اس روز اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ ہر بار لاپروایانہ انداز اپنا لینے سے دل کی خلش دور نہیں ہوتی۔ اس روز وہ بہت دنوں کے بعد شام کو گھر پر تھی۔ رشنا بھی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے اپنے بیڈ روم میں موجود تھی۔ وہ دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی۔ بہت دن کے بعد صبا کا فون آیا تھا، اس سے بھی جی بھر کر باتیں کی تھیں اور اس وقت وہ رشنا کے کمرے سے باہر نکل کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ جب اس نے کوریڈور کے آخر میں زعیم کو کھڑے دیکھا تھا۔ وہ لونگ روم کا سلائیڈنگ گلاس ڈور ہٹا کر اندر جا رہا تھا۔ کوریڈور کی نیم تاریکی کی وجہ سے وہ اسے دیکھ نہیں سکا تھا۔ مگر وہ اسے اچھی طرح دیکھ اور پہچان چکی تھی۔ تیز قدموں سے چلتی وہ لیونگ روم کے عقب والے سن روم میں داخل ہوئی اور پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔ اندر ماما بھی موجود تھیں اور غیاث انکل بھی۔ ان کے علاوہ دو چار لوگ اور بھی تھے جن کو وہ نہیں جانتی تھی اور انہی کے درمیان وہ بھی تھا۔

رحیم چائے سرو کر رہا تھا۔ وہ کچھ دیر وہاں خاموش کھڑی ان کے چہرے کے تاثرات سے اندر ہونے والی گفتگو کا موضوع سمجھنے کی کوشش کرتی رہی مگر اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا تھا۔ پردہ چھوڑ کر اس نے گہرا سانس لیا اور دروازہ کھول کر باہر لان میں آ گئی۔ گیٹ کے اندر ڈرائیو وے پر اور باہر حسب معمول بہت ساری گاڑیاں کھڑی تھیں جو بتا رہی تھیں کہ ماما اور غیاث انکل گھر ہی پر تھے۔ وہ دیر تک لان میں تنہا بیٹھی رہی۔ پھر اس کی توقع کے برعکس زعیم اکیلا باہر نکلا۔ وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے بھاگتے قدموں سے اس کے قریب پہنچی۔

"تم کیا سمجھے ہو جو کھیل تم کھیل رہے ہو میری سمجھ میں کبھی نہیں آئے گا۔ بلند اصولوں اور راست بازی کی باتیں کرنے والے لوگ اسی طرح اس ریٹ ریس میں شامل ہوا کرتے ہیں۔" وہ اس کے لہجے کی درشتگی پر چونکا تھا یا یوں اس کے سامنے آنے پر یہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"اوہ نو۔ ڈونٹ۔" ادھورے لفظ اس کے منہ سے نکلے۔ پھر اس نے سختی سے اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے دھکیلا اور تقریباً بھاگتا ہوا گیٹ تک پہنچ گیا۔

"اوہ میرے خدا، یہ کیا چکر ہے۔" اس نے آنکھیں بند کر کے سوچا۔ "کاش کبھی میری ماما سے اتنی انڈر اسٹینڈنگ ہوتی کہ میں ان سے پوچھ سکتی۔"

اس کے بہت دن بعد زعیم نے آفس میں اسے بتایا تھا کہ "نانی جی کی کیفیت ٹھیک نہیں۔" اس کا دل زعیم سے بے حد چڑا ہوا تھا۔ اس لیے ہی اس کی سرگوشی میں بنائی یہ بات بھی چڑا گئی تھی۔ مگر وہ اس کی دادی تھیں جن کے وجود نے اسے بہت سارے نئے احساسات دیے تھے، جو اس سے اس کے باپ کی باتیں کرتیں

نہیں تھکتی تھیں اور وہ بہر حال اس کے لیے بے حد اہم تھیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جمعہ کو ادھر چلی آئی۔

''موسم بدل جانے کی وجہ سے ہوا ہے یہ سب۔'' انہوں نے اپنے کریپ بینڈیج میں بندھے گھٹنے اور ٹانگیں دکھاتے ہوئے کہا۔ ''جوڑوں کی تکلیف تو ہمیشہ ہی سے ہے۔''

''آپ میرے ساتھ چلیں ڈاکٹر کے پاس۔'' اس نے تشویش سے کہا۔

''زعیم لے آیا تھا ڈاکٹر کو۔ بس اس نے دوا دے تھی اب بہتر ہوں۔'' انہوں نے لحاف دوبارہ ٹانگوں پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

اس نے ان کے پاس بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے ان کے کاندھوں اور گردن پر ونتو جین کی مالش کی۔ بازو دبائے اور یہ سب کرتے ہوئے اسے اپنا آپ معتبر اور اہم لگا۔ ''کوئی تو ہے جسے میرے کچھ کرنے سے خوشی ہوتی ہے۔''

''پھپھو میں آج یہاں ہی رہوں گی۔'' اس نے اچانک فیصلہ کیا۔

''سو بسم اللہ۔ مگر تمہاری اماں کو علم نہیں ہوگا۔'' انہوں نے محبت سے جواب دیا۔

''ان کو خبر نہیں ہوگی اور پروا بھی نہیں ہوگی۔ وہ ان باتوں سے ہی ماورا ہیں۔'' اس نے کڑھ کر سوچا۔

وہ صبح صبح چلی آئی تھی اور اسے پتا چلا تھا کہ زعیم سو رہا تھا۔ اس کو اس کے جاگ جانے کی خواہش بھی نہیں تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ جب تک یہاں ہے، وہ سوتا ہی رہے خواہ سارا دن مگر یہ ایک ناممکن سی بات تھی۔ وہ چائے کی پیالی اور اخبار لے کر صحن کے اس کونے میں بیٹھی ہی تھی جہاں سورج کی اولین شعاعیں پڑ رہی تھیں کہ وہ آنکھیں ملتا سپڑ سپڑ کرتا باہر نکل آیا

''یہ خواب میں نے رات ہی دیکھا تھا خواب میں۔''

اس کی آمد پر یہ شعر پڑھنا اس نے گویا اپنا معمول بنا لیا تھا۔ وہ بے نیازی سے اخبار پڑھتی رہی۔

''شائع ہو گیا تمہارا آرٹیکل۔'' اس نے میگزین اٹھا کر کہا۔ ''فرض کریں اس کا نام امتیاز ہے۔ اس حمید عرف میدا کا ذکر پڑھتے ہوئے کہا۔ ''فرض کیوں کریں بھئی ...... سچ مچ کیوں نہ سمجھ لیں ......اور ہوں ...... یہ بات شاید تم نے اس روز والی گفتگو کے بعد اضافہ کی ہے، ہوا زہر پیٹرون who is patron (اس کا سرپرست کون ہے) دیکھنے کی بات تو یہ ہے۔'' اس نے آخری لائنز پڑھتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو پھر تمہیں پتا چلا کہ کون اس کا سرپرست ہے۔'' اس نے اسٹول گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تم دانت صاف کر کے ناشتا کر لو۔'' اس نے اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

''ہاں، یہ آئیڈیا بھی برا نہیں۔'' وہ آرام سے اُٹھ کر چلا گیا۔

لیکن آدھے گھنٹے بعد کپ اُٹھائے پھر اس کے سر پر سوار ہوا۔

''بات صرف اتنی سی ہے لیلیٰ بی بی! کہ میں تمہیں پریشان دیکھنا نہیں چاہتا اور بس۔'' اپنے اسٹول پر

بیٹھتے ہوئے اس نے گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔

''میں قطعی پریشان نہیں ہو۔'' اس نے آسمان پر نظریں ٹکائے جواب دیا۔

''اچھا'' وہ بے یقینی سے بولا۔ ''پھر اُلجھن میں ہو؟''

''یہ بھی غلط ہے۔''

''پھر اس روز تم نے زین سے جو یہ پوچھا تھا کہ میں آج کل کیا کرتا پھر رہا ہوں۔ اور یہ کہ میری اُلٹی سیدھی حرکتوں کا اخبار کے نام پر اثر پڑ سکتا ہے۔ اس کے بارے میں کیا کہتی ہو؟''

''کیا کہہ سکتی ہوں سوائے اس کے کہ دنیا بے حد نا قابل بھروسا ہے۔ زین سے میں نے راز داری کا وعدہ لیا تھا۔'' اس نے نظریں اب بھی آسمان کی وسعتوں پر جمائی ہوئی تھیں۔

''تمہارا کیا خیال ہے۔ ہر وعدہ ایفا کرنے کے لیے ہوتا ہے؟''

''ہرگز نہیں۔ مگر زین سے میری توقعات کچھ اور تھیں۔''

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہر شخص قابل بھروسا نہیں ہوا کرتا۔'' اس نے چائے کے اوپر آئی بالائی اُنگلی سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگ آپس میں اخبار کی خبروں کے علاوہ بھی اور کوئی بات کرتے ہیں یا نہیں۔'' آمنہ نے ......دھونے والے کپڑوں کا انبار لیے قریب سے گزرتے ہوئے کہا۔

''دراصل ہم چلتے پھرتے خبر نامے ہیں۔ اس کے علاوہ اور کیا بات کریں؟'' زعیم نے یقیناً اس کو وہاں سے ٹالنے کی غرض سے کہا تھا۔

''لاؤ آمنہ میں تمہارے ساتھ کپڑے دھلوا دوں۔'' وہ اخبار ایک طرف ڈال کر اُٹھی۔

''کوئی ضرورت نہیں۔'' زعیم نے ٹانگ آگے کر کے اس کا راستہ روک دیا۔

''تم میری بات سنو گی پہلے۔''

''تمہاری باتوں میں صرف الفاظ ہوتے ہیں، سننے کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ لفظ لفظ۔ سارا وقت الفاظ کی زنجیریں گھڑتے رہتے ہو۔ الفاظ کے قید خانے میں بند انسان۔'' اس نے بیزاری سے کہا۔

''تم جانتی ہو کہ تم جو کچھ کہہ رہی ہو، غلط ہے۔ پھر بھی کہے جاؤ۔ میں بُرا نہیں مانوں گا۔ بہر حال تمہیں خبر ہو کہ میں اپنے الفاظ کے ذریعے آج تمہیں تمہاری خوش فہم دنیا کے غیر حقیقی محل سے نکال کر اپنی باتوں کے محل میں لانے والا ہوں اور اس بات کا ارادہ میں نے اسی روز کر لیا تھا جب اپنے گھر میں تم میرے راستے میں آئی تھیں۔ مجھ پر تمہاری کہانی کی راز داری کا بوجھ ہے۔ میں تمہیں دوسرے تمام انسانوں کی طرح مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ میرے بارے میں تمہارے دل میں جو شکوک ہیں ان کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔''

''میری زندگی میں بہت کم لوگوں کی اتنی اہمیت رہی ہے کہ میں ان کے بارے میں شکوک یا مایوسی کا

خیال کروں۔'' اس نے جان بوجھ کر نخوت زدہ لہجہ اپنایا۔

''مجھے معلوم ہے مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ دنیا میں رہتے ہوئے تم ان چیزوں سے ماورا نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ دنیا بہر حال شکوک پر قائم ہے۔ یہ ایک مانا ہوا نظریہ ہے۔'' اس نے اس کو بیٹھ جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے نظریوں میں بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ سب ڈھکو سلے ہیں۔ انسان اپنے دفاع کے لیے نظریوں کی آڑ لیتا ہے حالانکہ یہ بھی ماسوائے الفاظ کے اور کچھ نہیں ہوتے۔ جب کہ ایک سچی اور غیر منافقانہ دنیا میں نظریوں وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ صرف بات کو طول دینے کی خاطر بولی۔

''اچھا'' وہ غور سے اسے دیکھنے لگا۔ ''مگر تمہیں یہ بتا دوں کہ اگر نظریے باقی نہ رہیں اور کل سوچ ایک جیسی ہو جائے تو پھر انسان کا کوئی بھی Boiling Point باقی نہ رہے نہ ہی اس کے Freez (منجمد) ہونے کی کوئی حد رہے گی۔ پھر انسان فرشتہ بن جائے جو اس کا مقسوم ہر گز نہیں۔ اور اب بیٹھ جاؤ لیلیٰ۔ میرے موضوع سے فرار حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کل تم نے اپنی بہت ساری باتوں کے سلسلے میں مجھ پر اعتماد کیا تھا۔ آج میں تم پر اعتماد کر کے تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میری یہ بات تمہیں اپنی زندگی کے بارے میں کوئی ایک فیصلہ کرنے میں ضرور مدد دے گی۔ آخر کب تک تم یہ خانہ بدوشوں کی سی زندگی گزارتی رہو گی اپنے سروائیول کے لیے کبھی اس کو کبھی اُس کو خوش کرتی رہو گی۔ باہر سے اتنی بولڈ اور تیز وطرار اور اندر سے ڈری سہمی ہر آنے والے لمحے سے خائف چلتی جاؤ گی۔ تمہیں زندگی کو فیس کرنا پڑے گا۔ یہاں اس گھر اور اس گھر کے لوگوں کے بارے میں اگر تمہارے تصورات کی نفی ہوئی ہے تو ضرور لوٹ جاؤ مگر میں جانتا ہوں کہ رہ تو تم وہاں بھی نہیں پا رہیں۔ میرے سامنے اپنے دوستوں، عزیزوں اور ملنے جلنے والے کے سامنے اپنی ماں کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہوئے تمہاری زبان نہیں تھکتی، مگر اندر سے تم جس قدر اپنی ماں سے رنجیدہ ہو اس کا تصور شاید میرے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ مان جاؤ لیلیٰ! تم ایک منافقانہ زندگی گزار رہی ہو اور تمہیں بتاؤں منافقت انسانیت کا بدترین گناہ ہے۔ بہت کچھ جانتے ہوئے بھی اگر انسان ہر بات سے چشم پوشی اور بے نیازی برتے تو یہ گناہ سوا ہو جاتا ہے۔ اور''

''تم میری ماں کو اس گفتگو کے درمیان نہیں لاؤ گے۔'' اس نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''کیسے نہیں لاؤں گا۔ وہی تو نقطہ آغاز ہیں اس ساری داستان کا۔ تم نے مجھے اپنی زندگی کی کہانی سناتے ہوئے اپنی ماما کے بارے میں جو حصے حذف کیے تھے وہ میں اپنے اندر سے جان چکا ہوں۔ اور دوسری بات یہ کہ میں جو اتنے دن سے تمہیں بار بار یہ جتا رہا ہوں کہ غور سے دیکھو۔ دھیان رکھو۔ وہ لوگ جو ان منشیات فروشوں کے سرپرست ہیں، کہیں تمہارے ارد گرد تو موجود نہیں۔ تو میں کیسے مان لوں کہ تم میرا اشارا نہیں سمجھیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اس نے احمقوں کی طرح سر اُٹھایا۔

''وہی مطلب ہے جو تم جانتی ہو...... تمہاری ماما...... تمہارے سو کالڈ ڈیڈی VIA سلمان اینڈ فیملی، کیا یہ لوگ ان کے اہم ترین سرپرستوں میں سے ایک نہیں ہیں۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ یہ چینل کب سے اور کیسے چل رہا ہے۔ یہ بھی خوب مذاق ہے۔ مافیا والے خود ہی منشیات کے خلاف جنگ کے موضوع پر آرٹیکلز لکھ رہے ہیں۔ یہ ہی تو شروع سے اس ملک کی بدقسمتی رہی ہے۔''

''کیا بک...... وا...... س کر رہے ہو تم؟'' وہ ایک دم چلائی اور پھر پھپھو کے گھوم کر دیکھنے پر خاموش ہوگئی۔ ''دیکھو زعیم! تم کم از کم میری انسلٹ ہرگز نہیں کر سکتے۔''

''میں کرنا چاہتا بھی نہیں۔ حالانکہ اس معاشرے کا ایک بے اختیار شخص ہونے کی حیثیت میں بھی یہ میرا حق ہے مگر تمہاری انسلٹ کرنے کو میرا دل کبھی نہیں مانا۔ البتہ تمہاری بے نیازی پر حیرت اور غصہ ضرور آتا ہے۔'' وہ سکون سے بولا۔

''تم ضرور کسی اُلٹی سیدھی ڈیلنگ میں ماما سے مایوس ہوئے ہو۔ اور اب ان کے خلاف جو تمہارے دل میں آ رہا ہے، بکے جا رہے ہو۔'' اس نے سختی سے کہا۔

''کیا تم مجھے اتنا سستا سمجھتی ہو۔'' وہ غصے سے کھڑا ہو گیا۔ ''ارے مس لیلیٰ کیا کہوں آپ کو سعید یا غیاث اس کا فیصلہ تو آپ ابھی تک کر نہیں پائیں۔ آپ خوابوں اور خود فریبیوں کی دنیا سے نکل کر دیکھیں، آپ کے اِردگرد کیا ہو رہا ہے۔ میں نے۔'' اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ''پچھلا پورا سال آپ کی ماما کی نگرانی اور معیت میں گزارا ہے صرف ایک بہترین اور اچھوتی نیوز رپورٹ کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھر رہا ہوں۔ صرف اس لیے کہ لوگوں کو وہ لپے پتے چہرے دکھا سکو جو اپنے مصنوعی خولوں کی آڑ میں ان کی زندگی سے کھیل رہے ہیں۔ یہ میرا اپنے پروفیشن اور لوگوں سے کمٹ منٹ کا سودا ہے۔ ورنہ آپ کی ماما کیا چیز ہیں۔''

''تم اتنی سستی باتوں سے ماما کی شخصیت کو سبوتاژ نہیں کر سکتے۔ نا ہی ان کو بلیک میل کر سکتے ہو۔'' وہ مزید درشتگی سے بولی۔ اب اسے اس وقت پر رونا آ رہا تھا جب اس نے اپنی بنیاد...... کی تلاش کی خواہش کی تھی۔ پاپا کے خاندان کے بارے میں ماما کی کہی ایک ایک بات درست معلوم ہو رہی تھی۔

''خیر یہ تو میں بھی اب ہی جان پایا ہوں کہ میں ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ شیری ٹھیک کہتی ہے کہ کالج کی زندگی، کتابوں کی دنیا انسان میں کاغذی شیر جیسی دلیری پیدا کر دیتی ہے ہر وقت کچھ کر دکھانے کی اُمنگ اُبھرتی رہتی ہے جب میں اپنے دوست شعیب منصور جو ایک خفیہ ایجنسی کا ایمپلائی ہے کے بتانے پر تمہاری ماما سے بطور ایک غریب آدمی بسلسلہ تلاش رزق ملا تھا تو میرے ذہن میں بھی کسی ایک وقت ان کی تصویر سے مزین انکشافات سے بھرپور ایک سنسنی خیز کور اسٹوری تھی۔ اخبار کے لیے ایک بے حد اعلا مقام، اپنے ٹیلنٹ کو منوانے کا بہترین موقع، اگلی دفعہ کا بہترین نیوز آئٹم کا ایوارڈ اور نہ جانے کیا کیا۔ مگر اب میں سمجھتا ہوں کہ اتنے

عرصے میں جو کچھ میں نے جان مار کر حاصل کیا ہے، بے فائدہ ہے۔ یہ کور اسٹوری کبھی شائع نہیں ہو سکے گی۔ میری رپورٹس بالا ہی بالا غائب ہو جائیں گی۔ کیونکہ یہ جو تمہارا ہائی فائی نینس (High Finance) ہے نا یہ کسی بھی قسم کی بلیک میلنگ سے ماورا ہے۔ مگر خیر۔ میں نے اس تجربے میں اور بہت کچھ پایا بہت کچھ سیکھا ہے۔ شعیب منور اور اس کے ساتھیوں کی کوششوں کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، یہ تو بعد کی بات ہے۔ مگر تم مجھے یہ بتاؤ کیا واقعی تمہیں......''

''نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اور میں اب بھی اس احمقانہ کہانی پر یقین نہیں کر سکتی۔'' اس نے اپنے سفید پڑتے چہرے کو جھکا کر کہا۔

''اچھا...... ذرا آؤ۔'' وہ اسے ذرا پیچھے ہٹ کر راستہ دیتے ہوئے بولا اور پھر اپنے کمرے میں لے آیا۔

''یہ کاغذات۔ یہ کیسٹس۔'' اس نے دروازہ بند کر کے جو کچھ اس کے سامنے رکھا تھا وہ اس کے ہوش و حواس گم کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ تو آج تک اپنی بنیاد...... اور اپنی شناخت کے بحران...... کا رونا ہی روتی رہی تھی۔ اس وقت اس پر انکشاف ہوا کہ وہ جس ٹوٹی پھوٹی زمین کو غنیمت جان کر پاؤں جمائے کھڑی تھی، درحقیقت وہ بھی سطحِ آب کے نیچے تھے۔ اور انکشافات کی یہ نئی لہر اس کے پاؤں اکھیڑ دینے کے لیے کافی تھی۔

''خود کو بہتر بلکہ بہترین رپورٹر ثابت کرنے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال کر میں نے اس گروپ میں انٹری دی تھی جس سے اتفاق سے تمہاری ماما کا بھی تعلق تھا۔ تم اس کو میری ذہانت سمجھ لو یا چالاکی میں بصد کوشش اپنی شناخت ان لوگوں سے چھپانے میں کامیاب رہا ہوں بلکہ اس میں مجھ سے زیادہ شعیب اور اس کی تربیت کا کمال ہے۔ اپنے پروفیشن میں دی بیسٹ اینڈ (The best end) تک جانا ہمیشہ سے میری خواہش رہی ہے۔ میں اِدھر اُدھر سے اکٹھی کی ہوئی معلومات پر رپورٹ بنانے کو کچھ ایسا کمال نہیں سمجھتا۔ فرسٹ ہینڈ نالج ہمیشہ زیادہ سچا اور قابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ میرا کام بھی کچھ زیادہ نہیں تھا۔ میں صرف ترجمان کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ اُدھر بھی۔ اِدھر بھی اور ابھی تک میرا رویہ یہی ہے کہ اصل میں، میں یہ نہیں جانتا کہ ان لوگوں کا کاروبار کیا ہے وہ مطمئن اور میں محفوظ ہوں۔ میری ان دیکھی ان لکھی کور اسٹوری کا مواد میری فائل میں جمع ہوتا رہا اور شعیب کا آپریشن کامیابی سے چلتا رہا ہے۔

مگر تمہیں علم ہے کہ ان لوگوں پر ہاتھ ڈالنا کس قدر مشکل ہے، ان کے تعلقات کے ڈانڈے بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ایک ایسا نیٹ ورک ہے جس میں شگاف ڈال کر کوئی ایک نتیجہ برآمد کر لینا حد سے زیادہ مشکل ہے۔ لیکن یہ شاید شعیب اور اس کے ساتھیوں کی خوش قسمتی ہے کہ یہ خاص گروپ مافیا کے بڑوں کے اپنے کام کا نہیں رہا۔ بسلسلہ انٹرپول تمہارے غیاث انکل کی رپورٹ وہاں پہنچ چکی ہے جہاں کے لوگ انہیں پاتال سے بھی نکال سکتے ہیں۔ پھر ان کی سرپرستی کا دائرہ خود بخود کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ قابلِ رحم حد تک۔ میری کور اسٹوری تو میرے دل ہی میں محفوظ رہے گی، ہاں ایسے کچھ لوگوں کا خاتمہ ضرور ہو جائے

گا جو زہر سے روشناس کرنے والوں کے سرپرست ہیں۔'' وہ آنکھیں پھاڑے اس کی گفتگو سنتی رہی۔

''لیکن ایسا پہلی مرتبہ ہوا ہے؟'' قدرے توقف کے بعد وہ بولا۔

''تمہارے بارے میں ایک اندازہ سراسر غلط ثابت ہوگیا۔ میرا خیال تھا کہ تم اس وسیع وعریض کاروبار کی نوعیت سے ضرور واقف ہوگی جو تمہارے ہاں کے دیگر لوگوں کی شاہانہ زندگی کا اصل معاون ہے۔ مگر رشنا کی طرح اس سے بے نیاز مزے سے زندگی گزار رہی ہوگی۔ کہاں سے آتا ہے، کیسے جاتا ہے، ہماری بلا سے قسم کا رویہ۔ میرا خیال تھا کہ تمہارا مسئلہ صرف تمہاری ماما ہیں۔ جو عمر بھر تم کو وہ توجہ نہ دے پائیں جس کی تم مستحق تھیں اور اسی کے ردعمل کے طور پر تم اپنی بنیاد...... اور شناخت کے چکر میں پڑ گئیں۔ اور میں سوچا کرتا تھا کہ جب یہاں سے دل بھر جائے گا تو واپس چلی جاؤ گی۔ کیونکہ تم میں ایک فیصلہ کر لینے کی قوت ہے ہی نہیں۔ مگر میری بے حد حیرت کا باعث تمہارا یہ ری ایکشن ہے۔''

اس نے اس کی پھٹی آنکھوں اور سفید چہرے کو دیکھا۔ وہ سخت شاک کے عالم میں تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ اس شخص کے ساتھ اپنے اسٹیٹس، رکھ رکھاؤ اور بلند بختگی کا احساس لیے نخوت اور غرور سے گفتگو کر رہی تھی اور چند لمحوں کے فرق میں اس کا سر کتنی آسانی سے اس شخص کے سامنے جھکا ہوا تھا۔

''میری ماما کا سلوک مجھ سے خواہ کیسا بھی ہو، ان کی شخصیت شاندار ہے۔''

''ان کا معاشرے میں...... ایک بلند مقام اور اونچا وقار ہے۔''

''ایک عالم ان کی عزت کرتا ہے۔ وہ ہیں اس قابل، ان کی شخصیت ہی جدا ہے۔''

''میری ماما کی ذات کو تم کسی تھرڈ کلاس اور چیپ اسکینڈل میں ملوث خاتون ثابت نہیں کر سکتے۔''

اس نے بارہا اسی شخص کو جتایا تھا مگر اس حقیقت سے ناواقف تھی کہ اس کا بنا ہوا ماما کا بلند بت اس شخص کی نظروں میں تو کب سے چاروں شانے چت پڑا تھا۔ اب وہ کون سا نکتہ اُٹھائے۔ اس نے کاغذات اور آڈیو کیسٹس کو دیکھا۔

درحقیقت یہ تو اس نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا کہ ماما جس کو امپورٹ ایکسپورٹ کہتی ہیں، وہ اصل میں ہے کیا۔ بس ماما اور غیاث انکل کے علیحدہ علیحدہ شاندار آفس دیکھ کر خوش ہوتی اور وہاں سے آیا استعمال کرتی رہی تھی۔ اس کے اور رشنا کے الگ الگ اکاؤنٹس تھے اور ان میں ہر مہینے خود بخود اتنی رقم آ جایا کرتی تھی کہ انہیں علیحدہ سے کبھی کوئی مطالبہ نہیں کرنا پڑا تھا۔ جہاں جہاں جس ملک اور شہر میں وہ جاتی تھیں، فارن ایکسچینج اور ٹریولرز چیک بغیر کہے ان کو پہنچ جاتے تھے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ماما نے کبھی ان کو اپنے بزنس میں شریک ہونے یا کسی معاملے کو ڈسکس کرنے کی زحمت نہیں دی تھی۔ وہ یہ چاہتی ہی نہیں تھیں۔ خصوصاً اس سے تو ان کو نہ کوئی امید تھی نہ خواہش۔ اس نے تو بقول ان کے ان کے لیے ہمیشہ مسائل ہی کھڑے کیے تھے۔ حقیقت میں اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ ماما کیسے یہ سب مینج کرتی ہیں۔ اسے تو تمام عمر ماما کے پروں تلے چھپنے کی

خواہش نے جکڑے رکھا تھا جس کے ایک بار بھی پورا نہ ہونے کے نتیجے میں وہ یہاں بیٹھی اس شخص کی باتیں سن رہی تھی، جس کے سامنے اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

''تم نے کبھی نہیں سوچا لیلیٰ کہ یہ جو اتنا بے تحاشا اور وافر آتا ہے، کہاں سے آتا ہے۔ یہ گاڑیوں کے فلیٹس، یہ کریسلرز، بیوکس، مرسڈیز، بی ایم ڈبلیوز، جیگوار اور لیموزینز، یہ شہر شہر عالیشان پارٹیز اور ڈنرز۔ گرمی، سردی، برسات، بہار کے ساتھ گھروں کے انٹریر اور ایکسٹریر ڈیکورز (اندرونی و بیرونی آرائش) کی تبدیلی۔ آخر ان سب کا ذریعہ کیا ہے۔ وہ ایک واحد امپورٹ ایکسپورٹ کا بہانہ لیدر جیکٹس کی ایکسپورٹ اور جاپانی گاڑیوں کی امپورٹ۔

کیا تم نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ سخت محنت کے بعد کمایا جانے والا رزق حلال بہت زیادہ بھی ہو تو یوں لٹانے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ کیسا مال ہے جو جیسے آتا ہے ویسے ہی اُٹھ جاتا ہے۔ لیلیٰ، تم تو ایک صحافی ہو۔ تمہارے تعلقات کا دائرہ اندرون و بیرون ملک بے حد وسیع ہے۔ تم اس معاملے سے کیسے بے خبر رہیں؟'' وہ پوچھا تھا۔

''اس لیے کہ عمر بھر میری ذات اور اس کی نفی میرے ذہن وسوچ پر آکٹوپس کی طرح قبضہ جمائے بیٹھی رہی۔ میں عمر بھر خود کو روتی رہی ہوں۔ اس بات سے بے نیاز کہ جو جو میرے پاس ہے، جو میرے زیر استعمال ہے وہ کہاں سے آ رہا ہے۔ مجھے تو ہمیشہ اس سے بھی ایک لاشعوری چڑ رہی مجھے ایسا لگتا رہا کہ ماما خود مجھ سے دور رہ کر مجھے ان آسائشوں کو لالچ دے کر بہلا رہی ہیں۔ جب ہی تو میں نے یہاں آ کر یہ جاب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ اور بات کہ اس سے ملنے والی رقم تو میری چھوٹی ضرورتوں کے لیے بھی کافی نہیں ہوتی۔ مجھے اب بھی بینک اکاؤنٹس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ جو ماما کی مہربانیاں ہیں۔ لیکن ایک بات یہ ہے کہ یہ تو تم ہو جس کی موجودگی میں، جس کی باتوں کی وجہ سے مجھے ان دستاویزات اور آڈیو کیسٹس پر شرمندگی ہو رہی ہے، ورنہ اس سے مختلف کسی اور صورت حال میں شاید مجھے بھی رشنا کی طرح کوئی فرق نہ پڑتا۔''

وہ اس ساری گفتگو کے بعد پہلی مرتبہ کانپتی آواز کے ساتھ بولی۔

''مگر میں نہیں سمجھتا کہ تمہارا ضمیر اس قدر سویا ہوا ہے کہ تمہیں اس ملک سے رتی بھر بھی دلچسپی نہ ہوگی۔'' وہ بدستور سنجیدہ تھا۔

''میں نے کہا نا مجھے عمر بھر کسی اور بات میں محض اپنا...... ذہن بٹانے کے علاوہ اور کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میری تعلیم، میرا ہنر، میرے آرٹیکلز، میری ذہانت سب ظاہر ہے حقیقت میں، میں اس دیار کی لکڑی کے مانند ہوں جس پر ساگوان کی لکڑی لگا کر Veneer (سجا دیا گیا) کر دیا گیا ہو۔'' اب جب کہ کوئی بھی بھرم قائم نہیں رہا تو کیا ضرورت ہے ڈرامے کرنے کی۔ اس نے خود کو تسلی دیتے ہوئے سوچا۔

''نہیں، مجھے اتنی سیلف پٹی (خود ترسی) اچھی نہیں لگتی۔ میں ایک تعلیم یافتہ، ہنر مند، ذہین، حاضر

جواب لیلیٰ سعید الدین کا مداح ہوں کسی دیار کی لکڑی کا نہیں۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا اور اُٹھ کر وہ کاغذات سمیٹنے لگا۔ اپنے دکھ اور شرمندگی کے احساس میں جکڑا اس کا ذہن سمجھ ہی نہیں سکا کہ وہ کیا کہہ کر اُٹھا ہے۔ چیزیں سمیٹنے کے بعد وہ مڑا اور ماما کی کہانی سنانے لگا۔ کس طرح وہ غیاث انکل سے ملنے کے بعد پاپا سے دور بھاگی تھیں۔ کیسے ان دونوں نے مل کر غیاث انکل کے چھوٹے سے بزنس کو بڑھا کر یہاں تک پہنچانے کا سفر طے کیا تھا۔ ان کا دائرہ کار کہاں تک پھیلا ہوا تھا اور کیسے ان کا ڈاؤن فال آنے والا تھا۔

''تمہاری ماما کے لیے سب سے اہم ان کی اپنی ذات ہے۔ شوہر، گھر اور بچے وہ اس پر سب کچھ قربان کر سکتی ہیں اور یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں پر انسان جھکنے سے انکار کرتا ہے مگر ٹوٹنے سے بچ نہیں سکتا۔'' وہ کہہ رہا تھا اور اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اسے ماما کے بارے میں کوئی بات نہیں بتا رہا بلکہ کسی ڈرامے کے ایک فگر آف ٹریجڈی سے متعارف کروا رہا تھا۔ اس انکشاف کے کئی دن بعد تک وہ اسی شاک کی حالت میں رہی چلتے پھرتے، کام کرتے، سوتے جاگتے اسے ایسا لگتا جیسے وہ ٹرانس کی حالت میں سب کام کر رہی تھی۔ اسے اپنا آپ بے بس اور مجبور سا لگتا تھا۔ اس سے پہلے کبھی اس کے دل میں خیر اور شر کا تصور نہیں جاگا تھا۔ وہ محفلوں اور اجتماعات میں تو ملک دشمنوں اور منشیات فروشوں کے خلاف نعرے لگا سکتی تھی۔ یورپ سے اُٹھنے والی بیٹل اگینسٹ نارکوٹکس سے متاثر ہو کر کالم پر کالم لکھ سکتی تھی مگر حقیقت میں اس کی سوچ الفاظ سے آگے عمل تک نہیں پہنچی تھی۔ مگر وہ زعیم نیازی تھا جس کے بے ضرر سے الفاظ دن رات کچوکے لگا لگا کر اسے اچھے برے کی تمیز پر مجبور کرتے رہتے تھے۔

''میں نہیں سمجھتا تھا کہ تمہارا ضمیر اتنا سو چکا ہے۔'' اس نے کہا تھا۔ شاید وہ نہیں جانتا تھا کہ اس سے پہلے اس کا ضمیر بھی صرف اس کی ذات کے متعلقات تک محدود تھا۔ کوئی اس کے بارے میں بات کرتا تھا تو خود بخود ضمیر کو کھٹکنے لگتا تھا۔ آگے پیچھے اس کو سوائے سونے کے اور کوئی کام نہیں تھا۔

''ہاں تو پھر کیا ہوا۔ جب اتنے سارے لوگ اس معاشرے میں یہ کام کر رہے ہیں تو اگر ماما نے بھی کر لیا تو کیا ہوا۔'' کئی بار اس نے خود کو تسلی دینے کی خاطر کہا۔ مگر پھر اسے وہ لوگ، ان کے ماں باپ، بہن بھائی، اور ان کے دکھ یاد آتے جن سے وہ اپنے آرٹیکل کے لیے مواد اکٹھا کرنے کے دوران ملی تھی۔

''یہ لوگ معاشرے میں دکھ پھیلانے کا باعث ہیں، ان کو سر عام سنگسار کیا جانا چاہیے۔ ایک مرتبہ نہیں دس مرتبہ پھانسی پر چڑھایا جانا چاہیے۔'' اس نے اپنے آرٹیکل میں لکھا تھا۔

''تو کیا ماما کو بھی۔'' سوتے جاگتے کی کیفیت میں اس نے سوچا اور پھر جیسے چونک کر اُٹھ گئی۔ ''ماما کا وجود جیسا بھی ہے جو بھی ہے میرے لیے ایک نعمت ہے، وہ بھی کسی مشکل میں گرفتا ہو گئیں تو پھر میں کسی کی بیٹی بھی نہیں رہوں گی۔'' اس نے ایک روز زعیم سے کہا تھا۔

''اور وہ لوگ جو اُن کی وجہ سے روز بروز کسی کی اولاد نہیں رہتے، جن کو تمہاری ماما اور ان جیسے لوگ

یتیم ویسیر بنا رہے ہیں، ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' اس نے کہا تھا۔

''مگر میری شناخت۔'' وہ پھر اپنے غم میں مبتلا ہوگئی۔ ''میں سمجھاؤں گی ماما کو، واپس لوٹ آئیں میرے لیے، اس معاشرے کے لیے۔''

''ہا ہا۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنستا تھا۔ ''یہ لوگ کسی کے کچھ نہیں ہوتے۔ لیلیٰ تم اچھی طرح جانتی ہو، تمہارے لیے، اس معاشرے کے لیے لوٹ آنا تو درکنار اب وہ جہاں پر ہیں، وہاں سے اپنے لیے بھی لوٹ کر واپس نہیں آسکتیں۔''

وہ اسے شعیب کے آپریشن کی پل پل کی رپورٹ دیتا تھا۔ اس پر نہ جانے کس طرح اتنا اعتماد تھا کہ وہ کسی کو کچھ نہیں بتا سکے گی۔ اس کا اعتماد درست بھی تھا۔ وہ کسی کو کچھ نہیں بتا سکتی تھی۔ اسی لیے تو اس روز جب عرصے کے بعد ماما نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا تو وہ آواز گھونٹ کر بیٹھی رہی تھی۔

''تم میرے لیے ایک عام مسئلے سے خاص اور اہم ترین مسئلہ بنتی جا رہی ہو۔''

وہ کہہ رہی تھیں۔

''پچھلے کئی دن سے سلمان تمہیں فون کر رہا ہے، تم نے ایک مرتبہ بھی اٹینڈ نہیں کیا۔ اس نے تم سے کہا کہ کرسمس اور...... نیو ایر کے لیے لندن چلی آؤ، تم نہیں گئیں۔ اس نے پچھلے ماہ تمہیں سفائر (Sepphire) اور ڈائمنڈ کا بیش قیمت بریسلیٹ بھیجا تم نے اسے اپنی ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں اُٹھا کر پھینک دیا۔ اب تک وہیں پڑا ہے۔ سلمان کو شکریے کا ایک لفظ تم سے نہیں بھیجا گیا۔ اور اب تمہارے برتھ ڈے پر اس نے یہ بائیس کیرٹ اور کرٹ ڈائمنڈز کا رنگ بھجوا دیا ہے۔'' انہوں نے ٹیبل پر رکھی ڈبیا کی طرف اشارہ کیا۔ ''اُٹھاؤ اور اسے پہن لو ...... سمجھو یہ تمہارے اور سلمان کے رشتے کا ایک ٹوکن ہے۔ باقی رسومات بعد میں ہو جائیں گی۔ اور تم وہ اخبار چھوڑ رہی ہو یا میں خود اس کے ایڈیٹر سے بات کروں ......؟''

وہ بغیر وقت ضائع کیے اپنی بات کہے جا رہی تھیں، اس کے لیے آنے والے دنوں کا شیڈول بنا رہی تھیں۔ اور وہ بے دھیانی سے کمرے میں نظریں دوڑا رہی تھی۔

''میں تمہارے مشاغل سے سخت تنگ ہوں اور مزید سہہ نہیں سکتی۔''

''یہ کرسٹل بکس نیا منگوایا ہے شاید، اس کا کٹ بے حد خوبصورت ہے۔'' وہ سوچ رہی تھی۔

''مجھے بہت سارے پرابلمز سے نمٹنا پڑتا ہے۔ اندر، باہر، میں کہاں تک تمہیں اپنے ساتھ ساتھ لگائے پھروں گی۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے کہ اس سردی کے موسم میں یہ رسٹ کلر جچ رہا ہے مگر اس کے ساتھ ایش گرے کے بجائے سینڈ گرے زیادہ سجتا۔'' اس نے دل میں مشورہ دیا۔

''سلمان تمہارے ساتھ کا آرزومند ہے، میں اس کو مایوس نہیں کر سکتی۔ جنوری کے آخر میں تم لندن

جاؤ گی۔ وہاں شینا کے ماں ہی تمہاری شادی ہو جائے گی۔ میں اور تمہارے ڈیڈی کچھ اور مسائل میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ فی الحال اتنا وقت نہیں نکال سکتے، ہم تمہیں بعد میں جوائن کرلیں گے۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔

''ماما پر پنک کلر ہمیشہ ہی سجتا ہے، بچپن سے اب تک میرے ذہن میں ان کا وہی سراپا سجا ہے، جب میری ایک برتھ ڈے پر انہوں نے پنک ساڑھی باندھ رکھی تھی اور میرے اور پاپا کے ساتھ تصویر بنوائی تھی۔ وہ تصویر تو نہ جانے کہاں گئی۔''

''تم کو سلمان کے ساتھ بی ہیو کرنا ہوگا، ہر حال میں، کیونکہ یہ بے حد اہم ہے۔ میں یہ سننا پسند نہیں کروں گی کہ تمہاری سوچ تمہارے باپ جیسی دقیانوسی ہے۔''

اور پاپا نے ایک بار کہا تھا۔ ''میری بیٹی خوبصورت ہے اور ذہین ہے، ماں اور باپ کا بہترین امتزاج۔''

''میں نے عمر بھر تمہیں کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ بات تمہارے منہ سے نکلنے سے پہلے پوری ہو جاتی رہی ہے۔ ایسا ہی مستقبل بھی دے رہی ہوں۔ تمہارے جہیز کے نام پر بہت کچھ تمہارے فارن اکاؤنٹس میں جمع ہو چکا ہے۔''

''سعید کہنے لگا'' اماں خدا نے مجھے بیٹی دی ہے جس کو جہیز دینا پڑتا ہے۔ میں ابھی سے ایک ایک پائی جوڑنے نہ لگ جاؤں۔'' دادی نے بتایا تھا۔

''اگر زندگی میں تمہیں یہ خیال کبھی آیا ہو کہ تم اپنے باپ کے ساتھ اس کے زیر سایہ رہتیں تو یہ سوچ کر پچھتانے کی غلطی کبھی نہیں کرنا۔ کیونکہ تمہارے باپ کے پاس تمہیں دینے کو ایک کوڑی بھی نہیں تھی۔ وہ ایک کنگال ذہن کا بے کار شخص تھا جو اپنے لیے کچھ کر سکتا تھا نہ کسی اور کے لیے۔''

''اور دادی کہتی ہیں کہ سعید نے تمام عمر اپنی کلاس میں ٹاپ کیا تھا، اس کا دل چاہتا تھا مقابلے کا امتحان دینے کو اور اس کے ساتھی کہا کرتے تھے، وہ مقابلے کے امتحان میں بھی ٹاپ کرے گا مگر پھر اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ سب سے اچھا کام بزنس کا ہے۔ وہی کرنا پڑے گا۔''

''اس کے گھر والے پس ماندہ ذہن کے تھرڈ کلاس لوگ تھے، میں ایک بار ملنے گئی تو بیٹھنے کو اس گھر میں جگہ تک نہ ملی۔''

''دادی کہتی ہیں کہ میں نے سعید سے کہا بیٹا تم نے شادی کی تو ٹھیک کیا، اپنے بھلے کا ہی سوچا ہوگا۔ مگر ایک مرتبہ مجھے دلہن سے ملوا تو دو۔ میں اس کو کچھ دوں دلاؤں گی۔ کچھ شگن پورے کروں گی تو کہنے لگا۔ کیا کروں، اماں بے حد اصرار کرتا ہوں۔ وہ کسی طرح راضی ہی نہیں ہوتی۔''

نہ جانے ماما کا...... حافظہ کمزور تھا یا دادی کا، مگر یہ آج ہی ماما کو ساری باتیں کرنے کا خیال کیسے آیا، اس سے پہلے تو کبھی انہوں نے مجھ سے میرے باپ کا ذکر نہیں کیا۔

''صبا نے بات کی تھی مجھ سے تمہاری سوچ اور مسئلے کی۔ میں چاہتی تو تمہیں وہاں کا پتا بتا سکتی تھی۔ مگر

محض تمہارے ایک تجربے کے شوق کی خاطر میں اپنی پوزیشن کیوں خراب کرتی۔ یہ بھی تمہاری نسل کا خوب اچھا پریشر ہے۔ ہم فرسٹریٹ ہو رہے ہیں۔ Identity Crisis کا شکار ہو گئے ہیں، یہ سب الوژنز ہیں۔ ذرا اس گھر کے ماحول سے نکل کر دیکھو، آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوا تو پتا چلے گا کہ فرسٹریشن اور انگزایٹی کیا ہوتی ہے۔ مگر یہ سب کیوں ہوگا۔ میں تم سے ایک بہتر رویے کی امید رکھتی ہوں۔ مجھے بھی سروائیول کے لیے تمہارا کو آپریشن چاہیے اور تمہیں ایسا کرنا پڑے گا، یہ ماحول، یہ اسٹیٹس، یہ زندگی اسی کا تقاضا کرتی ہے۔ تم میری بات پر جیسا میں چاہتی ہوں، عمل کرو گی ہی تو مجھے پاؤ گی۔ ورنہ مجھے سرکش گھوڑوں میں کوئی دلچسپی نہیں، اینڈ آئی رئیلی ڈونٹ کیئر فار دیم۔ (اور میں ان کی مطلق پروا نہیں کرتی)۔''

''اور صبا کہتی تھی کہ جتنا سیکری فائس مصباح آنٹی نے تمہارے لیے کیا ہے شاید کوئی دوسری ماں نہیں کر سکتی۔ اور وہ غیاث انکل ہی ہیں جنہوں نے کبھی تمہیں باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ حتیٰ کہ تمہیں اپنا نام تک دے دیا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ تمہارے اصل باپ نہیں۔''

''اب یہ رنگ اُٹھاؤ اور میں اس کو تمہاری انگلی میں دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''اچھا تو ماما نے کمرے کے پردے بھی بدلوا لیے۔'' ذہن پر لحہ لحہ بڑھتے بوجھ کو اس نے پھر ہٹانا چاہا۔'' ہاں یہ اچھا ہے، مگر وہ کارنر والا بلیک چائینیز باکس کہاں گیا۔ اچھا اس کو ماما نے ڈریسنگ روم میں رکھوا دیا۔ مگر کیوں۔'' ......اس کی نظر ڈریسنگ روم کے ہٹے ہوئے پردے سے پار پڑی۔

''اب تم جاؤ......اور اپنی منگنی کی خوشی میں اپنی فرینڈز کو ٹریٹ دے سکتی ہو۔ سلمان غالباً اگلے ہفتے میں چکر لگائے گا۔''

تمام احکامات سنا کر انہوں نے اس سے ملاقات کا وقت ختم ہونے پر گفتگو ہی ختم کر دی۔

''اور ہاں ...... رنگ اُٹھا لو۔'' اس کو خالی ہاتھ واپس جانے کا ارادہ کرتے دیکھ کر انہوں نے پھر یاد دلایا۔ اس نے ڈبیا اُٹھائی اور باہر نکل آئی۔ کوریڈور میں غیاث انکل کھڑے ڈرائیور سے کچھ بات کر رہے تھے۔ اس کی جانب دیکھ کر انہوں نے ایک فاتحانہ مسکراہٹ بڑی فراخ دلی سے پھینکی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح ری ایکٹ کرے۔ مشرقی فلموں کی ہیروئینوں کی طرح ڈبیا دور پھینک کر بیڈ پر اوندھی لیٹ کر سسکیاں لے لے کر روئے یا پھر کسی ماڈرن اینگری وومین کی طرح کمرے کی چیزوں ...... کی اُٹھا پٹخ شروع کر دے۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اس نے ان میں سے کچھ بھی نہیں کیا۔ بس بغیر کھولے ڈبیا اُٹھا کر شو ریک میں ڈال دی۔

''مجھے اس کمرے میں ہر وہ کام کرنے کا حق ہے جس سے میری انا اور ذات کی تسکین ہو سکے۔''

ایسا کرنے کے بعد اس نے مطمئن ہو کر سوچا......

وہ جانتی تھی جو کچھ ماما نے کہا تھا اس پر عمل کروانے کے لیے وہ کوئی بھی ایکشن لے سکتی تھیں اور وہ

نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ذات باہر کے لوگوں کا موضوع بن جائے۔ وہ اواخر مارچ کی ایک سرد اور اداس شام تھی۔ جب اپنا استعفیٰ رضوی صاحب کی میز پر رکھ کر اس نے ایک مایوس الوداعی نظر میگزین سیکشن پر اپنی سیٹ پر ڈالی تھی مگر جس حوصلے اور ہمت کے ساتھ وہ یہاں آ کر وہ کاغذ پہنچا چکی تھی واپسی پر گراؤنڈ فلور تک پہنچتے پہنچتے جواب دے گئی تھی۔ لفٹ سے باہر نکل کر اس نے روشنی سے نہائے ہوئے کاریڈور کو دیکھا اور پھر دروازے کے پاس بیٹھے لفٹ مین کو، یہ منظر جو پچھلے ایک عرصے سے اس کے معمول کا حصہ تھا اس سے جدا ہو رہا تھا۔

دروازے کے قریب آ کر اس نے باہر تاریکی اور روشنی کے امتزاج میں ڈوبے شہر پر نظر ڈالی۔ اس کے اندر بھی اندھیرا پھیل رہا تھا۔ اینٹرنس کی سیڑھیاں اُترتے ہوئے اس کا پاؤں مڑا اور وہ وہیں بیٹھ گئی۔ نہ جانے یہ پاؤں کی تکلیف کا احساس تھا یا اپنی بے بسی کا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

''لوگ مجھے کس قدر مضبوط خیال کرتے ہیں۔ جب کہ میرا حوصلہ تو صرف اتنا ہی ہے۔'' اس نے آنسو بہاتے ہوئے سوچا۔

''اوہ ماما۔ کاش آپ میری زندگی میں کہیں تو کبھی میرے لیے بھی کوئی گنجائش رہنے دیتیں، یہ جگہ۔''

پھر اس نے گردن موڑ کر آفس کی بلند عمارت کو دیکھا۔

''جہاں میرا دل لگتا تھا، جہاں میرے کرنے کو بہت کچھ تھا۔ جہاں کچھ کر کے مجھے اپنے ہونے کا احساس ہوتا تھا۔ آپ کو یہ جگہ بھی بُری لگنے لگی اور اب نہ جانے میری بے بسی آئندہ کیا دکھائے گی۔ کیونکہ میں باوجود ہزار کوشش کے آپ کو لیٹ ڈاؤن کرنے کا حوصلہ خود میں پیدا نہیں کر سکی۔ اب میری ذات سے ہٹ کر میرا ضمیر چیختا ہے، مگر میں تھپک تھپک کر اس کو سلا رہی ہوں۔ کیونکہ مجھے تمام شکووں، گلوں، شکایتوں اور محرومیوں کے باوجود آپ سے عشق ہے۔ ایک آپ ہی تو ہیں جن کے وجود کا میں کبھی حصہ تھی، میں آپ کو لیٹ ڈاؤن نہیں کر سکتی۔ کبھی نہیں۔''

اس نے ہاتھ کی پشت سے چہرا صاف کرتے ہوئے سوچا۔ نزدیک کہیں موٹر سائیکل رکنے کی آواز آئی اور پھر کوئی دھپ دھپ کرتا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ایک جگہ پر وہ سایہ رکا اور اس کی سمت آیا۔

''کوئی پریس کانفرنس کرنے کا ارادہ ہے یا بغیر چائے پانی کے ہی اخبار کی خبر بننے کا شوق ہوا ہے۔''

پھر اس سے اگلے اسٹیپ پر اس سائے نے رُک کر اس سے پوچھا جب کہ اس کا دل کئی روز سے یہ چاہ رہا تھا کہ کاش اس سے نہ ٹکرائے۔ اس نے جواب دیے بغیر گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔

''اُٹھو شاباش! بے شک تم اندھیرے میں بیٹھی ہو مگر آتے جاتے کسی کی بھی نظر پڑ سکتی ہے اور یوں سرِ عام تمہیں کوئی اخبار کے دفتر کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر دھواں دھار روتے دیکھ لے، یہ میں کبھی نہیں چاہوں گا۔ کل کو یہ خبر بھی لگ سکتی ہے بمعہ تمہاری تصویر کے کہ ان خاتون کو زار زار ماں بھجوا دیا جائے۔ یا کوئی ان سے نکاح

کرنے کو تیار ہے۔ تمہیں علم تو ہے ان چکروں کا، اور بھئی میں اتنی اکورڈ پوزیشن میں، یہ اہم کام سرانجام دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ لاکھ نانی جی اصرار کریں اُٹھو، شاباش!''

اپنی بات کے اختتام پر اس نے پھر اسے بچوں کی طرح چمکارا۔ وہ خاموشی سے اُٹھی اور اس کے پیچھے چل دی۔

''آپ اور آپ کی پوزیشن کے خوف نے تو مجھے یہ بھی کبھی سوچنے نہیں دیا کہ دراصل میں اپنے لیے کیا چاہتی ہوں۔؟ میں لاکھ چاہوں خود اپنے سامنے بھی یہ اعتراف نہیں کرسکتی کہ یہ شخص جو میرے آگے آگے چل رہا ہے، اس کے بارے میں میرا ذہن کیا اودھم مچاتا ہے۔ میں تو اس کے اپنا ہوتے ہوئے بھی اس کو اور اپنے گھر والوں کو اپنا نہیں کہہ سکتی۔''

اس کے پیچھے سیڑھیاں اُتر کر پارکنگ لاٹ کی طرف آتے ہوئے اس نے سوچا۔

''مجھے معلوم ہے کہ انتہائی سچویشن ...... کے ردعمل بھی اتنے ہی شدید ہوتے ہیں۔'' اس کی گاڑی کے قریب پہنچ کر اس نے کہا۔ ''مگر ان کو اس طرح ظاہر کرنا بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات، یہ محض اتفاق ہے کہ میری نظر تم پر پڑی اور میں نے اندھیرے کے باوجود تمہیں پہچان لیا۔ سوچو اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو...... بہرحال مجھے تم سے اتنی پاگل پن کی حرکت کی توقع نہیں تھی۔ ویسے اس وقت یہاں آمد کا کیا مقصد ہے جب، کہ تم کئی روز سے بغیر اطلاع آفس نہیں آرہی ہو۔ تمہیں علم ہے عبدالمنان کو مالیخولیا ہوگیا ہے تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر۔'' وہ اب اسے ہنسانے کی کوشش کرنے لگا۔

''میں استعفیٰ دینے آئی تھی۔ اور مجھے اسی وقت فرصت ملی تھی۔ دوسری بات یہ کہ میں اس کو پرسنلی دینا چاہتی تھی۔ اب واپس جارہی ہوں۔'' اس نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا اور اندر بیٹھ کر دروازہ بند کرلیا۔ وہ نیم تاریکی میں کھڑا اسے گاڑی بیک کرکے نکالتا اور پھر دور گم ہوتے دیکھتا رہا...... پھر شانے اُچکا کر واپس آکر سیڑھیاں پھلانگنے لگا تھا۔

اس رات گھر پہنچنے پر اسے معلوم ہوا کہ سلمان شام سے گھر آیا ہوا تھا۔ اسے ایسا لگا کہ ان پے در پے واقعات کے دباؤ سے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ مگر وہ ضبط کیے ہیٹر کے سرخ شعلوں کو دیکھتی سلمان کی گفتگو سنتی رہی۔ وہ مستقبل کی باتیں کررہا تھا۔ لندن، پیرس، شکاگو، بون اور ایتھنز کی باتیں۔ جب دنیا قدموں تلے ہوگی۔ بیش قیمت گھروں، ملبوسات، زیورات اور سامان آرائش کی باتیں، دنیا بھر کے فائیو اسٹارز ہوٹلز میں قیام کی باتیں۔ نئے ماڈلز کی مہنگی ترین گاڑیوں کی داستانیں سنا رہا تھا۔ دنیا گویا جنت سے بھی بلند کوئی چیز بن چکی تھی اور اس ساری گفتگو کا آخری پوائنٹ یہ تھا کہ یہ سب اس کا ہوگا۔ جب وہ سلمان کی زندگی میں داخل ہو جائے گی۔

''اور یہ...... یہاں...... پاکستان......؟'' اس نے بلا ارادہ پوچھا۔
''یہ'' اس نے بلجیم سے آئے کٹ گلاس کے جوائنٹ سائز شینڈ یلیر کی طرف حقارت سے دیکھا۔
''یہ جگہ تو کیڑے مکوڑوں کے رہنے کے لیے ہے۔ میرا تو شاید یہ آخری ٹرپ ہوگا یہاں کا۔ میں نے تم کو فتح کرنا تھا سو کر لیا۔ اب ممی جانیں اور ان کا کام۔ ویسے غیاث انکل ان سے پروگرام طے کر چکے ہیں۔ ناؤاٹس جسٹ اے میٹر آف ڈیز (بس اب چند دنوں کی بات ہے)۔''
وہ قہقہہ لگا کر بولا۔ اور شاید اس کا یہ لہجہ اور قہقہہ وجود میں آیا ہی لیلیٰ سعید الدین سے آخری فیصلہ کروانے کے لیے تھا۔ اس نے ایک نفرت بھری نظر سلمان کے خوبصورت چہرے پر ڈالی۔ ''مجھے تم سے نفرت ہے غور سے سن لو۔'' الفاظ بے اختیار اس کے منہ سے نکلے اور...... وہ اُٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ غصے اور نفرت کے احساس سے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔
یہ وہ لوگ تھے جن کو زہر دے کر مار کر اپنی ایمپائرز اور اسٹیٹس قائم و دائم رکھتے تھے، ان کو کیڑے مکوڑے...... اور ان کی سرزمین کو حشرات الارض کا ٹھکانا کہتے تھے۔
''لیلیٰ! میں نہیں سمجھتا تھا تمہارا ضمیر اس حد تک سو چکا ہوگا۔'' پھر اسے کسی کی سرگوشی سنائی دی۔
''نہیں۔ میں نے جو بنیادیں دریافت کر لی ہیں ان کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔''
اس نے برداشت کی آخری حد پر آ کر فیصلہ کیا۔ اور اپنے کمرے کی طرف آنے کے لیے سیڑھیاں چڑھتے اس نے ڈرائینگ ہال کے درمیان کھڑی ماما کو دیکھا۔ ان کا چہرا میک اَپ سے عاری، زرد اور بوڑھا لگ رہا تھا۔ اور غیاث انکل نے جو ابھی باآواز بلند کچھ کہہ کر گئے تھے اپنے پیچھے جس بُری طرح دروازہ بند کیا تھا اس کی آواز پر گھر میں موجود کئی ملازم ڈرائینگ ہال کی طرف بھاگے تھے۔
''ان کے آپس کے جھگڑے یوں منظر عام پر تو کبھی نہ آئے تھے۔'' اس نے سوچا اور پھر اوپر چلی آئی۔
اگلے روز وہ صبح صبح ماما کے کہیں جانے سے پہلے ہی ان کو اپنے فیصلے سے مطلع کرنا چاہتی تھی۔ مگر نیچے آ کر اسے معلوم ہوا کہ ماما چند لمحے پہلے ہی کہیں گئی ہیں۔ ان کے بیڈ روم میں کھڑے کھڑے وہ سوچ رہی تھی کہ گھر میں رہے یا کہیں اور نکل جائے مگر فیصلہ کرنے سے پہلے ہی اس کی نظر ماما کے ڈریسنگ روم کی ادھ کھلی وارڈروب سے باہر نکلتے کپڑوں پر پڑی۔ اس نے آگے بڑھ کر کپڑوں کے ہینگرز اندر لٹکائے۔
''وہ جلدی میں کہیں نکل...... گئیں اور کسی نے آ کر ان کا کمرا درست کرنے کی زحمت نہیں کی۔''
دل میں سوچتے ہوئے اس نے باقی بکھری چیزیں بھی سمیٹیں۔ پھر اس کی نظر ادھ کھلے بلیک چائینز باکس پر پڑی، جو کچھ عرصہ پہلے ہی ماما نے یہاں رکھوالیا تھا۔ اس کا ڈھکن اُٹھا کر بند کرنے کے ارادے سے اس نے اس پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اس کے قریب گرا ایک چھوٹا سا پرزہ نما کاغذ اس کی نظر میں آ گیا۔ اس پر جو نمبر تحریر تھا، وہ اس کے اپنے اندازے کے مطابق کوئی کوڈ نمبر ہی ہو سکتا تھا۔ ڈھکن کھول کر اندر رکھتے...

اسے ایسے ہی بہت سے کاغذ اور چھوٹے پیکٹ نظر آئے۔ ''یہ تو اس بزنس ایتھکس (Ethics) کے عین خلاف ہے۔'' وہ پیکٹ دیکھ کر اس پر جو گزری سو گزری تھی مگران کی یہاں موجودگی زیادہ باعث حیرت تھی۔

''کیا کوئی گودام، کوئی ٹھکانا کوئی گاہک باقی نہیں رہا تھا۔''

باکس کے ڈھکن پر ہاتھ رکھ کر کھڑے کھڑے اس نے سوچا۔ اور پھر وہ تمام بکھرے ہوئے کاغذ سمیٹ کر ایک کیری بیگ میں ڈال کر ڈھکن بند کر دیا۔ رات سے اس نے ہر فیصلہ آخری فیصلے کے طور پر کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اور یہ فیصلہ اس کی توسیع تھا۔

اس روز گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ اور دادی گھر میں اکیلی تھیں۔ جب کہ وہ پورے یقین کے ساتھ آئی تھی کہ زعیم اس وقت رات کی ڈیوٹی بھگتا کر گھر پر ہوگا۔

''وہ تو رات سے گھر آیا ہی نہیں، آمنہ اپنے اسکول کی کسی دوست استانی کے باپ کی تعزیت کے لیے گئی ہے۔ ماں کے ساتھ اور وہاں سے دونوں نے آمنہ کی پھوپھی کی عیادت کو جانا ہے میو ہسپتال، اسی لیے تو دروازہ کھلا چھوڑ گئیں۔ کہتی تھیں زعیم آتا ہی ہوگا۔ ابھی تک تو نہیں آیا۔'' دادی کہہ رہی تھیں۔

وہ ہمیشہ کی طرح دادی کے پاس بیٹھی پاپا کی باتیں کرتی رہی۔ دادی نے رات اتنے لمبے عرصے کے بعد پاپا کو خواب میں دیکھا تھا۔ ''وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ صحت مند اور ہشاش بشاش خوبصورت لباس میں جنبیوں، متقیوں کے لباس میں۔ کہنے لگا۔

''اماں! میں یہاں خوش ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''بیٹا وقت تو وہ بھی میرا تھا یہ بھی میرا ہے جانے کا۔'' کہنے لگا ''اماں ہر کوئی اپنے اپنے وقت پر جاتا ہے۔ نہ کوئی پہلے جا سکتا ہے نہ بعد کی آرزو کر سکتا ہے۔'' پھر میری آنکھ کھل گئی۔ ابھی تو میں نے اس سے بہت ساری باتیں کرنی تھیں۔ تمہاری باتیں۔ تمہیں اس طرح خود کو ظاہری سہارے دیتے دیتے تھک جاتے ہوئے دیکھ کر مجھے جو دکھ ہوتا ہے، اس کی باتیں، مگر موقع ہی نہیں ملا۔'' وہ بتا رہی تھیں۔

''یہاں تو ہر دوسرے شخص کی نظر میں لیزر زفٹ ہیں، جو میرے جمائے خول سے پار پہنچ جاتی ہیں۔''

اس نے سوچا۔

''میرے دل میں آرزو اٹھتی ہے۔ تم سعید کی بیٹی ہو، ہمارے جیسے حالات میں ہمارے ساتھ پلی بڑھی ہوتیں۔ تمہاری ماں بھی ہمارے جیسے گھر کی ہوتی تو میں تم کو زعیم کی دلہن بناتی۔ میرا دل ٹھنڈا ہو جاتا۔ مگر میری اور شاید تمہاری اور زعیم کی قسمت کہ...... رہن سہن، طور طریقوں اور رتبوں میں اتنا فرق ہے کہ سوچ اس کو ایک جیسا نہیں کر سکتی۔ تم خود ہی زعیم کو کیا جانتی ہو گی جو تم سے ایسی بات کی جائے۔''

''اب تو وہ وقت آنے والا ہے دادی جب سوچنا پڑے گا زعیم مجھے کیا جانتا ہے؟'' وہ بے دھیانی سے دل ہی دل میں جواب دیتی رہی۔ پھر دادی کی آنکھ لگنے لگی۔ وہ اُٹھ کر دادی کے کمرے کی کھڑکی کے آگے

بڑھی ہوئی جگہ پر بیٹھ گئی۔

وہ چھٹی کا دن تھا۔ اور لوگ آخری روزے بہلا رہے تھے۔ گھروں کی چھتوں پر ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا اور شور کی انتہا تھی اس نے ایک نظر میز پر رکھے اس کیری بیگ پر ڈالی جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی اور جس میں اس کے خیال میں کوئی ایسا راز تھا جو کئی زندگیوں کو آر یا پار کر سکتا تھا۔

''ایسا بھی ممکن ہے کہ ماما اور غیاث انکل جس پر رسی چلنے کا مظاہرہ کر رہے ہیں، وہ کٹ جائے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی بھی خطرے سے باہر نکل جائیں۔'' اس نے سوچا۔

''معلوم نہیں میں جو کرنے کے ارادے سے آئی ہوں، وہ کر بھی سکوں گی یا نہیں۔ زعیم گھر میں نہیں ملا۔ مجھے سوچنے کو کچھ اور وقت مل گیا ہے۔

اور یہ تو میرا شروع سے ہی ڈرا بیک رہا ہے کہ ہر کام کرنے کے بعد مجھے کسی قسم کے اطمینان کے بجائے الجھن محسوس ہونے لگتی ہے کہ شاید مجھے یوں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مگر یوں بھی ہونا چاہیے۔ زندگی میں کہیں کوئی فیصلہ کرنے کا وقت ضرور آتا ہے۔ اس دوراہے پر کھڑا ہونا ہی پڑتا ہے۔ زندگی کے سفر میں ایک نشان ضرور ایسا آتا ہے جو ہماری پچھلی اور اگلی زندگی کے دوراہے پر ایستادہ ہوتا ہے، منزل کے تعین کے لیے۔

میں نے ایک عمر سالوں کے تعاقب میں گزاری، مرے ہوئے باپ کی شبیہہ کسی اور شخص میں تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ماما تمام عمر میرے لیے ایک ایسا سایہ بنی رہی جو تعاقب کرنے کے بجائے آگے چلتا ہے۔ میں نے جہاں سمجھا کہ میں نے ان کو پا لیا ہے وہ وہاں سے دس فرلانگ دور کہیں اور جا موجود ہوتیں۔ یہاں تک کہ میرے جسم کا ایک ایک حصہ تھکنے لگا اور میرے پیر زخم زخم ہو گئے۔'' وہ بلاوجہ دل کی دہرائی باتیں خود سے کرتی رہی۔

جب میں کونونٹ میں تھی تو سردیوں کی چھٹیوں کے انتظار کے بجائے مجھے ان سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میرے گھر سے مجھے لینے کے لیے کوئی نہ آئے اور میں سارہ اور روبی کی طرح چھٹیاں بھی وہیں گزار دوں۔ مگر وہ ہر بار آ جاتے تھے۔ مجھ سے زیادہ رشنا کو لینے کے لیے اور مجھے بھی ان کے ساتھ جانا پڑتا تھا۔ ایک بار چھٹیاں اس وقت ہی آئی تھیں جب مجھے پندرہ دن شدید بخار چڑھا رہا تھا۔ ماما میری حالت دیکھ کر چند لمحوں کے لیے پریشان ہوئیں تو غیاث الدین انکل نے کہا۔

''اس کو دیکھو رشنا کو کس قدر کمزور ہو رہی ہے۔'' اور ماما ''اوہ ہاں'' کہہ کر رشنا کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ گھر میں صبیحہ آنٹی اور سلمان کا راج ہمیشہ ہی چھٹیوں میں ہوتا تھا اور ماما اپنا بزنس اسٹیبلش کرنے کے چکر میں رہتی تھیں۔ سلمان ہمیشہ مجھے ہر اس کھیل سے نکال باہر کرتا جو میری دلچسپی کا ہوتا اور اس کی شکایت کسی سے نہیں کی جا سکتی تھی۔ کیونکہ وہ غیاث انکل کا اکلوتا بھانجا تھا۔

''ماما میں آپ کے پاس سو جاؤں؟'' پھر اسے اپنی مہین آواز سنائی دی تھی۔

''ہر گز نہیں تمہاری عمر ہے اب بڑوں کے پاس سونے کی۔'' سختی سے دیا جواب بھی یاد آیا صرف ایک رشنا تھی۔

''رشنا!'' ......اسے یاد آیا۔ ''لیلیٰ پلیز یوں ڈپریس نہ رہا کرو۔ لوگوں سے ملا کرو، خوش رہو...... جو تم چاہتی ہو ہم وہی کریں گے۔ دیکھو اب تم خوش ہو۔''

وہ بے حد محبت کرنے والی، بہت خیال رکھنے والی لڑکی تھی۔ اس نے تمام عمر اس سے محبت کی تھی کسی نفع نقصان کے خیال کے بغیر یا پھر شینا خالہ تھیں اور صبا تھی جو اپنی حدود کے اندر اس سے تعلق خاطر نبھاتی رہی تھیں۔ اور وہ ان چھوٹی چھوٹی محبتوں، دوستیوں اور تعلق داریوں میں دل کا سکون ڈھونڈتی رہی تھی۔

مگر دل کا سکون ڈھونڈتے ڈھونڈتے اکثر انسان خود کھو جاتا ہے۔ میں بھی اسی طرح کھوتی رہی۔ مجھے ہر شے سے خوف آنے لگا۔ کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس کو میں اپنا کہہ سکوں۔ ماما کو معلوم تھا کہ وہ میرے لیے ایک قیمتی چیز ہیں۔ وہ مجھے فیسی نیٹ کرتی ہیں۔ میں ان کے تعاقب میں رہتی ہوں۔ اسی لیے وہ اپنی اہمیت قائم رکھنے کو مجھ سے بلند اور دور دور ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ انسان کی ایک فطری کمزوری یہ بھی ہوتی ہے کہ جو چیز اس کے پاس ہوتی ہے، اس کی اہمیت اس کی نظروں میں گر جاتی ہے، وہ اپنی اہمیت گرانا نہیں چاہتی تھیں۔ اسی لیے مجھ سے دور بھاگتی رہیں، ہاتھ میں دانے کا لفافہ پکڑے بیچ بیچ آ آ کرتی رہیں۔ اور میں ان کے وجود کو کسی بت کی طرح پوجے گئی۔ اگر ماما ایسا نہ کرتیں تو میں یہاں اس گھر تک نہ پہنچتی۔ جو میرا اصل تھا۔ دراصل ایک ایسے تضاد کو جنم دینے والا تھا جس کو میں کبھی ہضم نہ کر پاؤں گی مگر اب ایسا لگتا ہے جیسے مجھے اس کو اپنانا پڑے گا۔''

''بو کاٹا، بو کاٹا!'' قریب کی کسی چھت پر پتنگ اُڑاتے کسی لڑکے نے اچانک خوشی سے بھرپور بلند آواز میں کہا۔

''میری زندگی کی پتنگ کٹ کر فضا میں ڈول رہی ہے۔ نہ جانے اب کہاں گرنا ہے۔''

''لو پھر بسنت آئی۔ پھولوں کو سنگ لائی۔'' کسی اور چھت سے آواز آئی۔ کسی نے ریڈیو کی آواز بلند کر دی تھی۔ اس نے ذرا جھک کر نیچے دیکھا۔ چینی کی مٹھائی بیچنے والا رنگ برنگی روئیوں جیسے کھلونے والے پیکٹ ڈبے میں بند ہاتھ میں گھنٹی لیے پھر رہا تھا۔

''یہی تو محنت ہے اور یہی غالباً رزق ہے۔'' سیدھے ہو کر اس نے دوبارہ سوچنا شروع کیا۔ ''اور ایک وہ رزق ہے جو اس گھر میں آتا رہا جہاں میں رہتی تھی۔ پہلے پہل میرا خیال تھا کہ یہ بزنس ورلڈ ہے یہاں چھوٹی موٹی ہیرا پھیری تو چلتی ہی رہتی ہے۔ انکم ٹیکس سے بچاؤ، روپے کا اُتار چڑھاؤ۔ آج کی دنیا میں کون اتنا زاہد ہوگا جو ان سے بچ سکتا ہے۔ مگر یہ کسے معلوم تھا کہ یہاں ہیرا ہی ہیرا ہے پھیری کا سوال نہیں۔ میں نے ان ہاتھوں سے وہ رزق کھایا اور لٹایا، اور انہی ہاتھوں سے اس کے خلاف لکھ لکھ کر کاغذ سیاہ کیے ہیں۔ واہ کیا

شاندار کارنامہ ہے۔ اگر ہم اس ملک کو اپنا نہیں سمجھتے۔ تو پھر اس کے کسی ایک دانے پر بھی ہمارا حق نہیں ...... مگر وہ سلمان ہے جو کہتا ہے کہ یہ حشرات الارض کے رہنے کی جگہ ہے۔ ان لوگوں سے، ان گھناؤنے چہروں سے اس ملک کو کب نجات ملے گی۔

دھرتی کے بیل بوٹے، انداز نو سے پھوٹے

ہوا بخت سبز، ملا رخت سبز ہر درخت سبز

ملکہ پکھراج نے ہوا کی لہروں پر جیسے ایک نئی نوید سی دی تھی۔

''میں کبھی بھی اس گورکھ دھندے کو نہ سمجھتی، حلال حرام، غلط صحیح، جزا سزا، وطنیت پرستی اور ملک دشمنی یہ سب محض لفظ ہی لفظ ...... رہتے اگر زعیم مجھے نہ ملا ہوتا......'' اس نے اپنے سامنے اعتراف کیا، اور ایک دادی ہیں جو کہتی ہیں ''سارا وقت ایک ہے، قرآنی وقت، آن واحد۔ خدا کے نزدیک سب ''آج'' ہے۔ جزا و سزا جاری ہے۔ روز قیامت بھی ہے آنے والا نہیں۔ موجود ہے۔ گویا ہر لحہ آزمائش ہے۔ ہر جگہ پل صراط ہے۔''

یہ نا قابل فہم باتیں میری سمجھ میں ہرگز نہیں آتیں۔ جو میں یہاں نہ آتی۔ میں جس نے کبھی اپنی ماں کو لیٹ ڈاؤن کرنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا اس کے کارناموں کے ثبوت لیے یہاں آ پہنچی ہوں۔ کسی کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی کہ اس کے بعد جو میں ہوں، جو نظر آتی ہوں شاید وہ بھی نہیں رہوں گی۔ زعیم کہتا ہے کہ ایک فیصلہ کرو اور اس پر قائم رہو۔ یہ ارادے کر کر کے توڑنے اور پل پل آنسو بہانے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مگر شاید وہ کبھی نہ سمجھ سکے کہ میرے حالات نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ اور اگر میں جگہ جگہ ٹھہر کر اپنے بارے میں سوچتے ہوئے خود کو حالات کا شکار سمجھتی ہوں تو اس میں حق بجانب ہوں۔ اور اگر اپنے بارے میں ایک شہیدانہ تصور رکھتی ہوں تو کیا غلط کرتی ہوں، میں نے اپنے اصل سے، اس ماحول سے اس زمین سے، اس کی جڑوں سے ایک نئی فیصلہ کن کمٹ منٹ کرنے سے پہلے سو بار سوچا ہے تو کیا غلط کیا ہے۔ اس راہ میں تو سو کانٹے اور ہیں۔ ماما کے کارناموں کو بے نقاب کر کے میں اپنی ماں نہیں اپنے تمام عمر کے الوژنز بھی کھو دوں گی۔ میرے پاس کچھ بھی کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہے گا حقیقت میں یہ ایک ایسا قرض ہے جو مجھ پر واجب بھی نہیں تھا مگر یہ اس نئی کمٹ منٹ کا تقاضا تھا۔'' اس نے کیری بیگ گھسیٹتے ہوئے سوچا۔

''نبی ﷺ ہمارے نبی ﷺ ہمارے وہ حق کی باتیں بتانے والے وہ سیدھا راستہ دکھانے والے۔

پھر سامنے والے گھر میں کسی بچے نے اپنا قاعدہ کھولا۔

''حق کی بات اور سیدھا رستہ۔'' اس نے سوچا۔ اور پھر قریب کی مسجد سے آتی جمعہ کی پہلی اذان پر دھیان دیا۔ ''اللہ اکبر، اللہ اکبر۔'' ایک نظر اس نے اپنی جینز اور کرتے پر ڈالی اور کرسی پر رکھا استری شدہ میز پوش کھینچ کر سر پر ڈال لیا۔

''باغوں کا ہر پرندہ۔ کھیتوں کا ہر پرندہ۔'' اسی گھر میں ایک لڑکی دھلے کپڑے چھت کی دیوار پر

ڈالتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔ اور اس نے دیکھا کہ کن اکھیوں سے سامنے والی چھت پر کھڑے لڑکے کو دیکھ دیکھ کر مسکرا بھی رہی تھی۔ ''شاید اس سے زیادہ سویٹ زندگی کوئی نہیں۔'' اس نے سوچا۔

''گیند شہباز کے پاس، شہباز کا پاس طاہر زمان کی طرف طاہر زمان سے قمر ابراہیم۔'' لڑکے نے جواب میں کوئی گانا گانے کے بجائے گھبراہٹ میں ہاکی کی کمنٹری لگا دی اور پھر خود ہی بوکھلا کر ریڈیو کے کان مروڑنے لگا۔

''اوئے رہن دے، اج بڑا چنگا میچ اے'' (اوئے رہنے دے، آج بڑا اچھا میچ ہے) پیچھے سے آواز آئی۔ مجبوراً اس کو شاں شاں کرتی کمنٹری لگانی پڑی۔

''شہباز جونیئر ڈی کے قریب، ان کا خوبصورت پاس وسیم فیروز کے پاس، مگر وسیم فیروز سے گیند لمبی ہوگئی۔''

گیند لمبی ہوگئی۔'' اسے بے اختیار ہنسی آگئی۔ ''مگر کس طرح، ہاں شاید تمام عمر مجھ سے گیند لمبی ہوتی رہی۔ جب ہی تو میں کوئی گول نہیں کر سکی۔ مارے کنفیوژن کے۔'' پھر اس نے سر ہلا کر سوچا۔

اب سامنے والی چھت پر بھنگڑا ڈالا جا رہا تھا۔ غالباً پاکستان کا کوئی گول ہوگیا تھا۔ کمنٹیٹر بھی مارے جذبات کے آواز کھو بیٹھا تھا۔

''تم اس وقت یہاں۔'' پھر اسے زعیم کی آواز آئی۔ وہ چونک کر مڑی۔

''ارے تمہیں کیا ہوا؟'' الفاظ بے اختیار اس کے منہ سے نکلے۔ اس کا سر، بازو اور ہاتھ پٹیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

''تم بتاؤ...... اس وقت یہاں اور یہ نانی جی کیوں ابھی تک سوئی پڑی ہیں اور یہ سر تم نے کیا اوڑھ رکھا ہے۔''

اس نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے کھڑکی بند کر کے ایک ساتھ کئی سوال داغے۔ اس نے سر سے میز پوش اُتار کر ایک طرف رکھ دیا۔

''مگر تمہیں کیا ہوا؟'' اس کے دوبارہ پوچھنے پر بھی وہ کوئی جواب دیے بغیر دادی کی طرف مڑا۔ اس کے دو تین مرتبہ آواز دینے پر انہوں نے آنکھ کھولی اور اس کے پٹیوں میں جکڑے سر کی طرف دیکھ کر ایک دم بغیر کسی سہارے کے اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''پھر کسی سے جھگڑا کر آیا۔ تجھے کتنی مرتبہ کہا ہے، یہ ظالمانہ نوکری چھوڑ دے ذرا سچ بول دو تو ہزاروں دشمن اپنے آپ پیدا ہو جائیں۔ ارے کیا دنیا میں کہیں ڈھنگ کا کام باقی نہیں رہا، کیوں ماں کا، نانی کا حوصلہ آزماتا ہے۔''

''چھوڑو نانی جی...... یہ تو چلتا ہی رہتا ہے، یہ بتائیں، یہ سوپ اور کھچڑی یونہی کیوں پڑی ہے۔ کھائی

کیوں نہیں۔'' اس نے ان کے قریب رکھی تپائی کی طرف اشارا کیا۔

''تو آیا ہی اب ہے کون کھلاتا۔ خود سے کھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔'' انہوں نے بدستور اس کی پٹیاں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور یہ لیلیٰ بی بی تو یہاں بیٹھی ہیں، یہ کیا کرتی رہیں اب تک۔''

وہ اس کی طرف مڑا۔ اسے اچانک بے حد شرمندگی محسوس ہوئی، ہاں یہ اس کا فرض بھی تو بنتا تھا۔ وہ بھوکی پیاسی قریب لیٹی رہیں اور وہ زندگی کے تجزیے کرتی رہی۔ وہ پھر بھی خاموش بیٹھی اس کو ان کے ہاتھ دھلاتے اور کھانا کھلاتے دیکھتی رہی۔

''اب آپ لیٹیں۔ میں اپنے لیے چائے بنا لاؤں۔''

اس نے برتن سمیٹ کر کہا اور کچن کی طرف چلا گیا۔ حالانکہ یہ بھی اسے کرنا چاہیے تھا۔ وہ زخمی تھا اور یقیناً تھکا ہوا بھی مگر وہ ڈھیٹ بنی خاموشی سے لکڑی کی ...... اونچی چھت کو گھور رہی تھی۔ دادی کی طرف والے حصے پر ایک چڑیا نے گھونسلا بنا رکھا تھا۔ اور دادی کا کہنا تھا کہ وہ عین فجر کی نماز کے وقت ان کو شور مچا مچا کر جگاتی تھی۔ گرمی کے موسم میں میرا پلنگ اِدھر ہوتا ہے تو یہ بھی اپنا گھونسلا وہاں بنا لیتی ہے۔''

وہ کہتی تھیں۔

''جو پہلے سے جاگ رہے ہوں، ان کو مزید جگانے کے لیے یہ چرند پرند بھی آ دھمکتے ہیں۔ اور ایک وہ ہیں جو تمام عمر سوتے رہتے ہیں۔ کسی کو پرواہ بھی نہیں ہوتی۔'' کافی دیر تک کچن میں سٹر پٹر کرنے کے بعد وہ باہر نکلا۔ اس کے ایک ہاتھ میں چائے کے دو مگ تھے۔ اور دوسرے ہاتھ میں بسکٹ کا ڈبہ۔ ''معاف کرنا میں امی کی نسبت بہت برا میزبان ہوں۔ ایک تو نہ جانے اتنی ساری چیزیں اور برتن کس طرح سمیٹ دیتی ہیں کہ مل کر ہی نہیں دیتے۔ پھر بھی جو بن پڑا حاضر ہے۔''

اس نے ایک مگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میں یہاں مہمان نہیں ہوں۔ یہ میرا اپنا گھر ہے۔'' اس نے چائے کے اوپر آئی جھلی انگشت سے ہٹاتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ جیسے اس جواب کی قطعی توقع نہیں تھی۔

''اوہ یس ...... یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔'' اس نے کچھ سوچنے کے بعد سر ہلایا۔ چہرا خوشی کا تاثر دینے لگا تھا۔

''اب کے تم کس کے ہتھے چڑھے ہو، کون سا بجیر و کیس کون سا ایم پی اے اور کون ان کا جاسوس تھا۔'' اس نے اسی سنجیدگی سے دوبارہ پوچھا۔

''نہ تو کوئی بجیر و کیس تھا نہ ہی ایم پی اے مگر جاسوس وہی پرانا تھا۔ تمہاری ماما کے گروپ کو میرے بارے میں اطلاع ملی تھی کہ میں وہ نہیں ہوں جو ان کے سامنے ظاہر کرتا ہوں۔ با الفاظ دیگر۔ ایک عدد چیٹ

سے ان کا واسطہ ہے۔ سو میرا انہوں نے یہ حشر کر دیا۔ وہ تو شعیب کو بروقت خبر ہوگئی ورنہ میرا قیمہ ہی گھر پہنچتا۔ مگر یہ ایک علیحدہ داستان ہے کہ ان کا جاسوس ہمیشہ کا مارِ آستین، تمہارا عاشق خاص، میرا رقیب روسیاہ عبدالمنان ان کے ہتھے کیسے چڑھا۔ سنا ہے وہ اسے مزید تفتیش کے لیے اپنے ساتھ کسی انجان جگہ پر لے گئے ہیں۔ جہاں چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی۔ میرے نام کے ساتھ اخبار کا نام آیا اور عبدالمنان نے ایک دوسرے گروہ کو جا کر میرے بارے میں۔ بتانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے تعارف کے طور پر اپنے اخبار کا نام لے دیا۔ بس اخبار کی تو وہ تلاش میں تھے۔ اب منان وہاں سے کبوتر بن کر نکل سکے گا۔ اس کو کہتے ہیں، آپ ہی چوہے دان بنایا آپ ہی اس میں گئے پھنس۔ شاید کوئی ایسا معتبر شخص جو عبدالمنان کی مٹھی میں ہوا سے چھڑوا سکے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے، تمہارے سر سے تمام خطرے ٹل گئے، اب جب کہ تم ایکسپوز بھی ہو چکے ہو۔''

اس نے اس ساری کہانی کا کوئی خاص نوٹس نہ لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں ...... اس لیے کہ میرے ساتھ خدا ہے، میں کبھی خدا کے پلان اور اسکیم کو فیل نہیں سمجھتا۔ اب کے میری مدد کو وہ شخصیت آئی جو صرف باہر سے ہی نہیں اندر سے بھی مضبوط اور بہادر ہے اور جو کمٹ منٹ اور فیصلہ ایک بار کر لیتی ہے اس سے پھرتی نہیں ہے۔ مائنڈ یو لیلیٰ۔ اب کے مجھے رشنا غیاث الدین نے شیلٹر فراہم کیا ہے۔ اور اس پر آنکھ بند کر کے اعتبار کیا جا سکتا ہے۔''

''رشنا!'' اس کو جھٹکا لگا۔ ''وہ کب آئی۔ تم سے کہاں ملی؟''

''آج صبح اور اس کو میں نے ایرپورٹ پر ہی جالیا۔ لیلیٰ جس وقت تم خوابوں اور خیالوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی ہوتی ہو عین اسی وقت تمہارے اِرد گرد ایسے معاملات طے پا رہے ہوتے ہیں جن کی گرد کو بھی تم اپنی ذہانت و قابلیت کے باوجود نہیں پہنچ سکتیں اور بعد میں ہمیشہ ہکا بکا کھڑی رہتی ہو۔'' وہ ہنسا۔

''رشنا تم سے بہت بہادر ہے۔ اس نے اس ساری صورت حال کو بڑی جرأت کے ساتھ فیس کیا اور بڑے ڈیرنگ فیصلے کیے۔ تمہاری طرح ساری عمر گومگو میں گزارنے سے کام کبھی نہیں بنتا۔ تم نے نہ جانے کس طرح جذبات میں آ کر سلمان کو ناراض کر دیا اور اپنی ماما کو اس سے مطلع نہیں کر سکیں۔ سلمان اپنی بے عزتی پر تپ کر بغیر بتائے گھر چھوڑ گیا۔ اور اسی کے پیچھے تمہاری ماما صبح صبح گھر سے نکلی تھیں۔ بتاؤ تمہیں ان سب باتوں کا علم تھا۔ بغیر میرے بتائے۔''

''نہیں۔'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''مگر رشنا کو علم تھا۔ اور اس نے اس صورت حال کو قبول بھی کر لیا ہے کہ تمہاری ماما اور غیاث انکل کے ڈفرنسز (درمیانی فاصلے) ...... بڑھ چکے ہیں۔ ان کے گروپ پر سے نہ جانے کس وجہ سے مافیا کا ہاتھ اُٹھ چکا ہے اور اب اس میں کسی انیس بیس ہی کا فرق رہ گیا ہوگا کہ کب مکمل ڈاؤن فال آتا ہے اس ایمپائر پر۔ اس ساری صورت حال پر طرہ تمہارا سلمان پر گرجنا ثابت ہوا، اب بتاؤ تم نے اس دوراہے سے نکلنا ہے یا نہیں۔''

اس نے ایک نظر اپنے ساتھ لائے کیری بیگ پر ڈالی اور پھر سر اُٹھایا۔

''افسوس مجھے صرف اس بات کا ہے اور تمام عمر رہے گا بھی کہ آج تک کوئی میرے دل کی بات کو سمجھ ہی نہیں سکا۔تم بھی نہیں۔''

ایک نظر اس پر ڈال کر اس نے پھر سر اُٹھایا۔

''میرے پاس اس زندگی میں سوائے ماں کے وجود کے اور کچھ تھا ہی نہیں۔ یہ اور بات کہ مجھے اس وجود سے کچھ ملتا ہے یا نہیں۔ دنیا کی نظروں میں وہ میری ماں ہیں۔ میری اس معاشرے میں آج جو بھی پوزیشن ہے، وہ ان کی وجہ سے ہے۔ پھر میری ساری ذہانت و قابلیت تو بعد میں آتی ہے۔اس ذہانت و قابلیت نے میری پوزیشن مزید آکورڈ کر دی ہے۔''

''گویا تمہاری سماجی پوزیشن، دولت اور ذہانت و قابلیت ہی تمہاری رکاوٹ ...... ہیں۔'' اس نے سنتے سنتے بات کاٹی۔

''ہاں اور ہونا بھی چاہیے۔آج تک یہ رکاوٹ ...... میرے لیے مسئلہ بنی رہی ...... میرے پاس دوسرا راستہ ہی کوئی نہیں تھا۔ رشنا کی بات اور ہے۔اس کے سامنے ہزاروں راستے ہیں اور وہ میری طرح ہر بات پر سوچنے میں غرق نہیں ہو جاتی مجھے ڈر لگتا تھا لوگوں سے، روایات اور معاشرے کی رسوم سے مگر اب میں نے اپنا راستہ خود بنانے کا فیصلہ کیا ہے، اور جب میں نے ایک دفعہ فیصلہ کر لیا ہے تو اب شاید ہی اس کو بدل سکوں۔ شاید اب تک میں بار بار یہ بات بھول جاتی رہی ہوں کہ مجھے یہاں تنہا رہنا ہے ہمیشہ کی طرح ...... یہ میں کچھ ایسے کاغذات لائی تھی ...... جو شاید تمہارے دوست کے کام کو مزید آسان بنا سکیں۔''

اس نے بیگ اس کے سامنے دھکیلا .... پاؤں کینوس شوز میں ڈالے اور مزید کچھ کہے بغیر تیزی سے باہر نکل آئی۔



''ہاں شاید نقطہ عروج سے زوال کی جانب لڑھکنا ایک قدرتی عمل ہے۔'' وہ رشنا تھی جو اسے اس شام شمزا کے باربی کیو میں زبردستی گھسیٹ لائی تھی۔ واقعات کا ایک تسلسل ہے جو چلتا رہتا ہے۔ مجھے بہت پہلے سے علم تھا کہ ماما اور ڈیڈی کے درمیان تنازعات کی ایک خلیج ہے جو وسیع تر ہوتی جارہی ہے۔ مجھے یہ بھی علم تھا کہ وہ دونوں ایک تنگ دائرے کے اندر پھنستے جارہے ہیں۔ اسی لیے تو یہاں سے بھاگ گئی تھی۔ اور اب یہاں آئی ہوں تو صرف تمہارے لیے، لیلیٰ ہمیں اس حقیقت کو فیس کرنا ہے کہ ہماری ماں انٹر پول والوں کو مطلوب ہے اور ہمارا باپ اس سے علیحدگی اختیار کر چکا ہے۔ ہمارے بینک اکاؤنٹس منجمد ہو چکے ہیں اور ہم اب وہ نہیں رہے جو کبھی تھے، اور ہمیں ہمت کرنی ہے آگے بڑھنے کی خود سے، یہ جس طرح تم رہ رہی ہو اس طرح نہیں ویسے جیسے کہ ہم اپنے لیے بہتر کر سکتے ہیں۔ کیا ہوا جو بہت سے عزیز دوست آنکھیں پھیر گئے۔ ہم

خود تو ہیں نا اپنے لیے، اگر ہم تمہاری طرح یوں حلیہ بگاڑے پھرتے رہیں گے تو لوگ ہم پر جی بھر کر ہنسیں گے۔ اب ان خیالوں، واہموں سے نکل آؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے پاپا کی فیملی سے ملتی ہو۔ میں بھی ان سے ملی ہوں۔ وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ زعیم جیسا ونڈر فل لڑکا بہت کم ملتا ہے، میں اسے سے بہت متاثر ہوں۔ بہادر اور پر جوش۔''

''سب خوبیاں تمام دنیا کے لوگوں میں ہیں سوائے میرے۔'' اس نے سامنے ریس کورس کی جلتی بجھتی لائٹس کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

''اپنا حلیہ درست کرو۔ تمہارے بالوں کی کٹنگ ہونے والی ہے۔ کب سے تم نے فیشیل نہیں کروایا۔ تین تین رنگوں کے کپڑے پہنے پھرتی ہو۔ آئی بروز کی شیپ کا کوئی حال نہیں۔ تم اپنی خبر لو پلیز لیلیٰ۔ ہم لوگ ماما کو بہت رو چکے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''اور تم ...... تم کیا کرو گی رشنا؟'' اسے اچانک خیال آیا۔ ''تم کسی سے شادی کرلو۔ آصف سے، علی سے، شہر یار سے۔ کسی سے۔'' اس نے اس کے دوستوں کے نام گنوائے۔

''یا پھر زعیم سے ہی۔ وہ اچھا ہے نا۔ تم خود ہی تو کہہ رہی تھیں۔ اور پھر وہ بھی تم سے بہت متاثر ہے۔''

''ہا ہا!'' رشنا دیر تک ہنستی رہی۔ ''اُف لیلیٰ تم نے کبھی کسی چیز کا غور سے مشاہدہ نہیں کیا اور پھر بھی ایک بہتر کالم نگار کے طور پر مشہور ہو۔

آصف، علی، شہر یار یا پھر زعیم۔ یہ بتاؤ کہ زعیم کا نام تم نے کس دل سے لیا۔''

اس کے دل نے ایک بیٹ مس کر دی۔

میں ان میں سے کسی سے بھی شادی کرنے کی حماقت نہیں کرسکتی۔ رہا زعیم تو وہ واقعی ایک بہترین شخص ہے۔ مگر میری بات اور ہے میں اس سے دوستی تو کرسکتی ہوں۔ مگر شادی ...... البتہ تم اپنے بارے میں سوچو۔ ہر بات دل کی دل ہی میں رکھ کر بظاہر ڈرامے کرتے ہی نہیں رہنا چاہیے۔ کبھی کبھی اس کی مان لینی چاہیے۔ تمہیں معلوم ہے کہ زعیم تم میں کتنا انٹرسٹڈ ہے ...... ماما کے بارے میں اپنی جتنوں سے بنائی کہانی جسے وہ کور اسٹوری کے طور پر شائع کروانا چاہتا تھا موقع مل جانے کے باوجود اس نے محض تمہارے لیے نہیں چھپوائی۔ بہترین نیوز آئیٹم کا ایوارڈ اس بار صرف تمہاری وجہ سے وہ نہیں جیت سکے گا۔ وہ کہتا ہے میں اس لڑکی کو مزید اِدھر اُدھر خانہ بدوشوں کی طرح بھٹکنے نہیں دوں گا۔ اس لیے کہ ایک لحاظ سے میں اس کا سرپرست بھی ہوں۔ اور ہاں۔ اس روز بقول اس کے وہ تمہارا استعفیٰ تمہارے ایڈیٹر صاحب کی ٹیبل سے اُٹھا لایا تھا۔ اس وقت سے اب تک تم چھٹی پر ہو۔ بتاؤ کب دوبارہ جوائن کر رہی ہو؟''

یہ رشنا ہے جو اس قدر امید اور زندگی کی باتیں کر رہی ہے اور اس روز جب شینا آنٹی نے فون پر بتایا تھا کہ ماما کو ہیتھرو ایئرپورٹ پر اُترتے ہی اریسٹ کرلیا گیا تو یہ فون پر ہی کتنا چیخ چیخ کر روئی تھی اور مجھ سے

لڑی تھی کہ میں نے بھی کچھ ثبوت پولیس کو فراہم کیے تھے۔'' وہ سوچ رہی تھی۔

''اپنے دوستوں سے ملو۔ زندگی کو انجوائے کرو، اپنی جاب پر جاؤ۔ یوں رونے دھونے سے زندگی کیا گزر جائے گی؟'' وہ کہہ رہی تھی۔

اور شینا آنٹی نے یہ بھی بتایا کہ ماما نے کہا تھا رشنا اور لیلیٰ کو میرا بہت پیار دینا۔ لیلیٰ کو خاص طور سے۔ اب نہ جانے شینا آنٹی نے محض اس کا دل رکھا تھا یا درست کہا تھا۔ مگر اس وقت سے اب تک ایک عجیب ٹھنڈک کا احساس اس کے دل میں اُتر گیا تھا۔

وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ اپنے اور غیاث انکل کے تعلقات بہتر بنانے کے لیے ماما نے اس کو آخری حربے کے طور پر استعمال کرنے کی کیا کوشش کی تھی۔ ان کا سروائیول۔ سلمان کا ساتھ۔ ''تمہاری دوست زیبا کی منگنی ہے تم اس پر ضرور جاؤ یوں لوگوں سے بھاگ کر تو تم خود کو عام گفتگو کا موضوع بنالو گی۔'' رشنا کہہ رہی تھی۔



اور اس روز رشنا نے ہی زبردستی اس کو زیبا کی منگنی پر بھیجا تھا۔ اس کو پارلے کر گئی تھی قیمتی لباس پہنایا تھا خوبصورت جیولری پہنائی تھی۔

''زندگی کو گزارو، بیگار نہ کاٹو'' اس نے کہا تھا۔

یہاں سب نے اس کو دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا تھا ان میں سے شاید کسی کو علم ہو کہ اس پر کیا بیتی تھی۔ مگر سب اس بات پر خاموش تھے وہ دیر تک ان کے پاس بیٹھی رہی یہاں پر وہی مخصوص باتیں ہو رہی تھیں جو اخباری حلقوں کا موضوع ہوا کرتی ہیں۔

لاکر بی اسکینڈل۔ ساؤتھ افریقہ میں لیس ووٹ نیلسن اور ونی منڈیلا کی علیحدگی۔ برٹش پارلیمنٹ کے الیکشن اور تھیچرازم کی جیت، ورلڈ کپ فائنل کے بعد عمران خان کی متنازعہ تقریریں۔ ستیہ جیت رے کی فلمیں، اقبال جعفری اور...... جمال شاہ کی پینٹنگز اور اسکول آف تھاٹ، بیسک انسٹنکٹ پر ہونے والی تنقید۔

وہ کچھ دیر خالی ذہن کے ساتھ بیٹھی یہ گفتگو سنتی رہی پھر اُٹھ کر ایک نیم تاریک اور تنہا گوشے میں چلی آئی۔

ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ میرے اندر کیا تلاطم بپا ہے، مگر کوئی جانے بھی کیوں۔ جو پریشانی اور غم انسان کی اپنی ذات سے وابستہ ہوں، اس میں دوسروں کو حصہ بٹانے کی کیا ضرورت ہے۔ اور وہ غم بھی تو بڑا مقدس اور قیمتی ہوتا ہے جس کو انسان خاموشی سے اکیلا سہہ لے۔

اور یہ بھی تو سچ ہے کہ مجھے کئی دن سے یہ خیال مارے دے رہا ہے کہ ماما کہاں اور کس حال میں ہوں گی۔ وہ جیسی بھی ہیں، میری ماں ہیں۔ وہ میرے دکھ سے بے نیاز ہو سکتی ہیں۔ مگر یہ ہی تو میرا المیہ ہے کہ میں ان کی تکلیف سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

یہاں پر کسی کو معلوم نہیں کہ کچھ دن پہلے ہیتھرو ایر پورٹ پر کیا ڈرامہ ہوا کیونکہ یہ خبر پریس میں آنے سے پہلے گھونٹ لی گئی۔ واقعی ہائی فائی نینس بلیک میلنگ سے ماورا ہوتا ہے اور غیاث انکل جو اس ڈاؤن سے ایک مرتبہ پھر بچ کر امارات میں کسی عرب شیخ کے ہاں سکون سے مقیم ہیں کا ایک ٹیلی فون یہ خبر ریلیز ہونے سے بچانے کے لیے کافی تھا کیونکہ اس میں ان کی اپنی اور رشنا کی ذات بھی ملوث ہو سکتی تھی۔ رشنا کا کیا ہے، وہ تو کچھ بھی کر سکتی ہے۔ اس کے باپ کا گھنیرا سایہ اس کے سر پر ہے۔ کل وہ لندن اسکول آف فیشن میں داخلہ لے کر وہاں چلی جائے گی، پھر اپنا بزنس شروع کرے گی کیونکہ اس کے اکاؤنٹس ری اوپن ہو سکتے ہیں۔ لیکن میں عمر بھر خود کو یہاں بیٹھی خود اذیتی میں مبتلا ...... رہوں گی۔'' وہ سوچتی رہی۔ پھر وہ جسے وہ دیر سے اِدھر اُدھر کسی کو تلاش کرتی نظروں کے ساتھ گھومتے دیکھ رہی تھی اس کو پا لینے کے بعد اِدھر چلا آیا۔

''ہیلو ...... کیا حال ہے؟'' قریب آ کر اس نے کہا۔

''اچھا ہے۔ آؤ بیٹھو۔'' اس نے سکون سے جواب دیا۔

''گڈ۔ آج تم بہتر لگ رہی ہو۔'' وہ ذرا خوش ہو کر بولا اور قریب بیٹھ گیا۔

''ہاں یہ نیا ڈرامہ زیادہ اچھا ہے۔ بیزاری اور ٹینشن (Tension) کی ایک انتہا یہ بھی ہوتی ہے کہ ذہن میں بے سکونی بڑھتی ہی جائے مگر بظاہر انسان اتنا پر سکون نظر آئے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ اس سے زیادہ مطمئن شخص کوئی دوسرا نہیں اور اسے کسی بات کی جلدی نہیں۔'' اس نے سوچا مگر پھر ٹپ سے اس کی گیلی آنکھوں سے ایک قطرہ اس کے ہاتھ پر آ کر گرا۔

زعیم کچھ دیر اسے بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس لڑکی کے آئینہ دل میں بہت بڑی دراڑ پڑ چکی تھی اس کے خواب بکھر سے گئے تھے اور اس کی زندگی میں ایک شدید خلا اور بے اعتباری پیدا ہو چکی تھی اور اب جو یہ بظاہر پر سکون نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی تو محض اپنی وضع داری نبھانے کے لیے۔ پھر وہ ذرا آگے بڑھا اور اس کا یخ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''لوگوں سے مت ڈرو لیلیٰ۔ لوگوں نے تو دوسروں کی زندگیاں تلخ بنانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ وہ تو صرف اس بات میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ جن باتوں کو انہوں نے اچھا یا برا قرار دے رکھا ہے، دوسرے ان پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں، ان لوگوں سے کیا اور کیسا ڈرنا۔ ان نیم تاریک گوشوں میں بیٹھ کر یوں کب تک بھل بھل آنسو بہاتی رہو گی۔ تم نے کچھ دن پہلے ایک بیگ مجھے پکڑا کر خود ہی روشنی کی طرف آنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب اس پر بھی پچھتا رہی ہو کیا۔ میں مانتا ہوں کہ وہ جیسی بھی تھیں تمہاری ماں تھیں مگر انہوں نے کیا کیا۔ اپنی زندگی کے لیے دوسروں کے گھروں میں موت کے سائے بھیجنے کا کاروبار۔''

''پلیز زعیم!'' اس نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''یہ بات مت کرو۔ مجھے ان روشن اور ننگی حقیقتوں سے نفرت ہے، میں تلخ یادوں کے یہ روشن چراغ گل کر دینا چاہتی ہوں۔''

''ضرور کرو...... بہت اچھی بات ہے مگر اس کے لیے تمہیں پھر نئی روشنی کی طرف آنا پڑے گا۔ اس زمین سے، اس ماحول سے اپنے اصل سے اپنی بنیادوں...... سے جو کمٹ منٹ تم نے کی ہے اس کو نبھانے کے لیے بلاشبہ تم نے وہ قرض اُتارے ہیں جو تم پر واجب بھی نہیں تھے۔ مگر اب اس سے کہیں تو آگے بڑھو۔''

''کس برتے پر......؟ میرے پاس تو کوئی زادِراہ بھی نہیں۔'' اس نے دُکھ سے کہا۔

''زادِراہ!'' وہ ہنسا۔ ''ارے واہ اس قیمتی لباس، جیولری، اس کرسچن ڈائر کی گھڑی اور ڈائمنڈ رنگز کے علاوہ باہر کھڑی ہنڈا اکارڈ کے باوجود بھی تمہیں زادِراہ کی کمی کا رونا ہے۔ ارے اس وقت تو تمہیں مجسم کسی بینک کے لاکر میں رکھوانے کو دل چاہ رہا ہے۔'' وہ ہنستا رہا مگر پھر سنجیدہ ہو گیا۔

''زادِراہ کا کیا ہے تمہاری ذہانت، قابلیت اور تمہارا ہنر، تمہارا زادِراہ ہے۔ اور رہ گیا وہ تشخص کے بحران کا مسئلہ تو اس سے بھی تم نکل چکی ہو۔ اب علی الاعلان جا کر لوگوں کو بتاؤ کہ تم سعید الدین خاں کی بیٹی ...... شریف الدین خان کی پوتی اور نصر الدین خان کی پڑپوتی ہو۔ اور وہ گھر تمہارا ہے جس کے بارے میں تم نے کچھ دن پہلے کہا تھا کہ تم وہاں مہمان نہیں ہو۔ آؤ اس کا قبضہ لو، ہم اپنا ٹھکانا کہیں اور کر لیں گے۔''

''نہیں۔ اس کا کچھ فائدہ نہیں۔'' اس نے سختی سے کہا۔ ''البتہ میں علی الاعلان یہ ضرور کہنا چاہوں گی کہ میں اس شخص ...... زعیم نیازی کی فرسٹ کزن ہوں جو بہادر ہے، ذہین ہے، قابل ہے، شہر کا بہترین نیوز رپورٹر ہے اور جس نے میری خاطر بہترین نیوز آئیٹم کا ایوارڈ لینے کی سعی چھوڑ کر مجھے واقعی فتح کر لیا۔ یہ اور بات کہ یہ فیصلہ اس کو کرنا ہے کہ خالی ہاتھ سیڑھیوں پر بیٹھی لڑکی کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے۔ دارالامان یا پھر۔ کیا وہ آکورڈ پوزیشن میں کوئی فیصلہ کر سکتا ہے۔''

''زندگی میں دوسری مرتبہ تمہارے بارے میں میرا اندازہ غلط ثابت ہو گیا۔'' اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے اس نے جواب دیا ''دل چاہ رہا ہے ابھی یہ خبر نانی جی کو جا کر سناؤں۔ میں نے دعوا کیا تھا کہ تمہیں مزید تنہا بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑوں گا، انہیں بتاؤں کہ جو دعوے کرتا ہوں انہیں پورا بھی کر سکتا ہوں۔ مگر فی الحال تو ہم یہاں ہیں اس تقریب میں۔ یہاں سے فارغ ہو لیں تو اکٹھے اپنے گھر چلیں گے۔ ابھی تو آؤ اُدھر چلیں جہاں زور شور سے گفتگو ہو رہی ہے۔ آرٹ، کلچر، سیاست اور ادب پر اپنے حماقت زدہ نظریے بیان کرنے کا یہ بہترین موقع ہے۔'' اور اس کے ساتھ روشنی کی طرف آتے ہوئے اس نے سوچا ''ماما کہ اب مجھے کسی بات کا خوف ...... نہیں رہا۔ اس شخص نے میرا شناخت کا بحران بھی ختم کر دیا۔ مگر یہ سب پانے کے لیے مجھے کیسے کیسے احساس قربان کرنے پڑے یہ شاید عمر بھر کوئی نہیں جان پائے گا۔ شاید آپ بھی نہیں ماما۔ آپ جن کو پانے کی کوشش میں ایک عرصے کے لیے کھو دیا۔ مگر آپ کو کھو کر میں نے کیا پایا، یہ تو اب کے بعد کی زندگی ہی بتائے گی۔ شاید صبا ٹھیک ہی کہتی تھی کہ مجھ جیسے لوگ پیدائشی نفسیاتی مریض ہوا کرتے ہیں۔ کسی بھی صورت حال میں ڈرتے رہنا جن کا شیوہ ہوتا ہے۔ میں اب بھی اس بات سے ڈرتی ہوں اور ڈرتی رہوں گی کہ لوگ میری ماں

کے بارے میں سن کر میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔ حالانکہ زعیم کہتا ہے کہ ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد تمام شرمناک اسکینڈل دلچسپ تاریخی واقعات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مگر اس طویل مدت تک اور اس کے بعد میں کیا کروں گی۔ کیا آپ جیسی مائیں میرے اس سوال کا جواب دے سکتی ہیں ماما......؟''

''مگر فی الحال تم آگے کی طرف دیکھو، روشنی کی طرف دیکھو۔'' اس کے قریب بیٹھے شخص نے جو ایک اچھا چہرا شناس تھا، کہا ''تم نے اس کمٹ منٹ کے تقاضے پر جو قرض اتارا ہے اس کا نتیجہ دیکھو۔ تمہارے اس ایک عمل سے شاید کبھی شام بجھنے اور اندھیرا ہو جانے کا خطرہ ختم ہو جائے کیونکہ ایسی ہی ذاتی قربانیاں اجتماعی روشنیوں کو جنم دیتی ہیں اور ہاں میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں کسی بھی آکورڈ پوزیشن میں کوئی بھی ایسا فیصلہ کر سکتا ہوں جو ہمارے تمہارے مستقبل کو ایک کر دے۔ ایک ایسا مستقبل جہاں نہ تو شام بجھے گی نہ اندھیرے کے تکلیف دہ سائے اُتر سکیں گے۔''

